سیاسی داؤ پیچ

خلیل احمد نینی تال والا

سیاسی داؤ پیچ

سیاسی داؤپیچ

خلیل احمد نینی تال والا
آنریری قونصل جنرل جبوتی

انتساب

ان معذور بچوں کے نام جو ’’دارالسکون‘‘
کشمیر روڈ کراچی میں ہماری توجہ کے منتظر ہیں۔

ہمیشہ کی طرح اس بار بھی اس کتاب سے ہونے
والی تمام آمدنی انہی معذور بچوں کے
ادارے دارالسکون کیلئے وقف کردی ہے۔

کتاب دارالسکون کشمیر روڈ کراچی سے بھی حاصل کی جاسکتی ہے

خلیل احمد نینی تال والا

پبلشر: ہمدرد پیکجز (پرائیوٹ) لمیٹڈ

قیمت: -/500 روپے

ملنے کا پتہ: ٹچ می ہاؤس

43-1/H، بلاک 6، پی ای سی ایچ ایس

رازی روڈ کراچی۔ فون نمبر 021-34536424-30

پیش لفظ

قارئین کرام

السلام علیکم!

اس سے قبل میری 8 کتابیں جن میں شگوفہ نو، حالات واقعات، گردش ایام ،کاش میں سیاست میں نہ آتا، یادِرفتہ، صوبے کیوں ضروری ہیں ،بزم گرم اورمیرے سیاسی تجزیئے تصنیف پذیر ہوچکی ہیں ۔ان کتابوں میں تقریباً ہرقسم کے مضامین زیر بحث آچکے ہیں جو جنگ اخبار میں چھپنے والے کالموں پر مشتمل تھے تقریباً 25 سالوں پر محیط تھے جن کوعوام ہر طبقے میں بہت پذیرائی ملی جن کتابوں کو بین الاقوامی طور پر بہت سراہا گیا ۔اس میں میری آپ بیتی یادِرفتہ، کاش میں سیاست میں نہ آتا اورصوبے کیوں ضروری ہیں شامل تھی ۔ یہاں خصوصی طور پر جن کالموں پر میں نے زور دیا تھا اُن میں پاکستان سے محبت ،عوام کی مشکلات کا خاتمہ ،سیاست دانوں اور بیوروکریٹس کی لوٹ کھسوٹ، کرپشن، ایک دوسرے کا گٹھ جوڑ، حج اور عمرہ پراٹھنے والے بے جا اضافی اخراجات اورغیرضروری پابندیاں، پاکستان کی کرکٹ اوراس میں اقرباپروری کے ساتھ ساتھ جواء میں ملوث کھلاڑیوں کو بے نقاب کرنا، پوری دنیا میں سیروتفریح کے مواقع ان پر اٹھنے والے اخراجات پر تفصیلی جائزے ،صحت پر مشتمل سائنسی ترقی سے قوم کو آگاہ کرنا ۔دنیا میں بہت سے عجوبات، ذاتی تجربے، سرد اورگرم بدلتے ہوئے موسموں کا احوال دیگر قوموں کی ترقی کے اسباب افغان ،پاکستان کی جنگیں، پڑوسی ممالک خصوصاً بھارت سے ہمارے تعلقات امریکہ کی خارجہ پالیسی پاکستان کے ساتھ ناروا برتاؤ، الغرض جوبھی مشاہدات دیکھنے میں آئے بلاکسی خوف عوام کو آگاہ کردیا ۔گزشتہ 25 سال میں سائنس میں جو ترقی پوری دنیا میں ہوئی اکثر یوٹیوب ،یاہو، گوگل، دنیا بھر کے سائنسی جنرلز کتابیں ،مضامین جو میرے پڑھنے سننے اور دیکھنے میں آئے قوم کی معلومات میں اضافہ کرتا رہا ، اب میری 9ویں کاوش "سیاسی داؤ پیچ" حاضر ہے ۔اس میں میرے وہ کالم جوروزنامہ جنگ میں چھپے ہیں اور جو نہیں چھپے وہ بھی موجود ہیں ۔امید ہے آپ کو بھی پسند آئے گی

خیراندیش

خلیل احمد نینی تال والا

نمبر شمار	عنوان	صفحہ نمبر
1	2017 خوش بختی کا دور نئی کرپشن کے لئے	01
2	نئے صوبوں کا مطالبہ	06
3	امریکہ کی موجودہ صورتحال	11
4	2 خوشیاں نئے سال کا تحفہ	16
5	ہمارا وی وی آئی پی پروٹوکول	20
6	اصل پاکستان کب بنے گا !	26
7	بارش کے تین قطرے	31
8	برطانیہ میں کرکٹر کیسے تیار کئے جاتے ہیں !	36
9	بلیک فرائیڈے	41
10	کینیڈا میں مذہبی آزادی	46
11	کینیڈا میں پاکستانیوں کی خدمات	51
12	کینیڈا میں بچوں کا ہسپتال	56
13	دھرنوں کی گولڈن جوبلی	61
14	دھرنوں سے جلسوں تک کی سیاست	66
15	ڈرائیور کی اہمیت	70
16	مسلمانوں کی زبوں حالی کا ذمہ دار کون؟	75
17	کیا اب بھی ہماری آنکھیں نہیں کھلیں گی !	80
18	کینیڈا کے شب و روز	85
19	حکیم سعید شہید	91
20	ہمارے صنعتکار بیرونِ ملک کیوں جا رہے ہیں	96
21	ہماری خارجہ پالیسی کیا ہے!	101
22	اختیارات کی منصفانہ تقسیم	106
23	عمران خان کی شادی اور موجودہ حالات	110
24	اسلام ٹیکس اور مغربی جی ایس ٹی	114
25	مصر کے انقلاب کے بعد؟	118
26	کراچی کی بگڑتی صورت حال	123
27	خلیجی ممالک میں پاکستانی قیدیوں کا تبادلہ؟	127
28	ماضی کے چند واقعات	132
29	مہنگائی کا اصل ذمہ داروں سے سوال	139
30	میرا سلطان	145
31	میاں صاحب یوٹرن	150
32	موجودہ حکومت کی ڈیڑھ سال کارکردگی	153
33	قومی ائرلائن کا تیاپانچہ	157
34	قوم کا صرف ایک رہبر کی ضرورت ہے	162
35	کون رہبر کون رہزن	168
36	سارک کا 18واں پھیکا اجلاس	172
37	صدر پاکستان سندھ کو دہشت گردوں سے بچائیں	177
38	صدر پاکستان سے ایک درخواست	182
39	سفید زہر	188
40	سمیع اللہ سے کلیم اللہ پھر؟	192
41	سانحہ پشاور اور حکومتی فیصلے	197

42	صوبوں کا مسئلہ کیسے حل ہو سکتا ہے؟	203
43	سپریم کورٹ کا امتحان	208
44	ترکی کے سمندری اور پہاڑی علاقے	213
45	یوٹرن کا یوٹرن	219
46	وی وی آئی پی (حصہ دوم)	224
47	ویژن 2025 اور ہمارا بجٹ 2014	228
48	وزیراعظم کا دورہ امریکہ	233
49	ذرا سوچئے	238
50	ایک پاکستانی کا ایک ملین ڈالر کا سوال	243
51	پاکستان کا دانشمندانہ فیصلہ	247
52	پاناما لیکس کا ڈراپ سین	252
53	مسائل میں گھرا ہوا پاکستان	257
54	یہ سیاسی ڈرامہ کب ختم ہوگا	262
55	کینیڈا کی پتھریلی پہاڑیوں کا سفر	266
56	پاک چین دوستی	271
57	بجلی کا بحران دور کرنے کا انوکھا فیصلہ	276
58	کراچی کے ساتھ پھر مذاق	281
59	مسلم لیگ (ن) کا مستقبل خطرے میں	287
60	جدید سائنس اور چاند کی شہادتیں	291
61	عمران کی نئی سیاسی بھرتیاں	295
62	دنیا کا امیر ترین صدر	300
63	صوبے بنانے کی سوچ	305

169-170		86
171-171		87
172-172		88
173-173		89
174-175		90
176-176		91
177-178		92
179-180		93
181-181		94
182-182		95
183-184		96
185-185		97
186-186		98
187-187		99
188-188		100
صفحہ نمبر	**فہرست ممالک**	**نمبر شمار**
189-189		101
190-191		102
192-193		103
194-194		104
195-195		105

196-197		106
198-199		107
200-200		108
201-201		109
202-202		110
203-204		111
205-206		112
207-208		113
209-210		114
211-211		115
212-213		116
214-214		117
215-215		118
216-217		119
218-218		120
صفحہ نمبر	**فہرست ممالک**	**نمبر شمار**
219-219	میانمار	121
220-220	نمیبیا	122
221-221	ناؤرو	123
222-223	نیپال	124
224-225	نیدرلینڈ	125

226-227	نیوزی لینڈ	126
228-229	نکاراگوا	127
230-231	نائجر	128
232-233	نائجیریا	129
234-235	ناروے	130
236-236	شمالی آئرلینڈ	131
237-237	عمان	132
238-239	پاکستان	133
240-241	فلسطین	134
242-242	پاناما	135
243-243	پاپوانیوگنی	136
244-244	پیراگوئے	137
245-246	پیرو	138
247-248	فلپائن	139
249-250	پولینڈ	140
صفحہ نمبر	**فہرست ممالک**	**نمبر شمار**
251-251	پرتگال	141
252-252	پلاؤ	142
253-253	قطر	143
254-254	رومانیا	144
255-256	روس	145

257-258	روانڈا	146
259-259	سینٹ کیٹس	147
260-260	سینٹ ونسینٹ گرینا ڈائنز	148
261-261	ساموا	149
262-262	سان مارینو	150
263-263	ساؤ ٹام	151
264-265	سعودی عرب	152
266-267	اسکاٹ لینڈ	153
268-269	سینیگال	154
270-271	سربیا	155
272-273	سیچلیس	156
274-274	سیرالیون	157
275-276	سنگاپور	158
277-278	سلوواکیا	159
279-280	سلووینیا	160
صفحہ نمبر	**فہرست ممالک**	**نمبر شمار**
281-282	جزائر سلیمان	161
283-283	صومالیہ	162
284-285	جنوبی افریقہ	163
286-287	اسپین	164
288-289	سری لنکا	165

166	سوڈان	290-290
167	سرینام	291-291
168	سوازی لینڈ	292-293
169	سویڈن	294-295
170	سوئٹزرلینڈ	296-297
171	شام	298-299
172	سینٹ لوسیا	300-300
173	تاجکستان	301-302
174	تنزانیا	303-304
175	تھائی لینڈ	305-305
176	تائیوان	306-306
177	ٹوگو	307-308
178	ٹونگا	309-309
179	تیونس	310-311
180	ترکی	312-313
نمبر شمار	**فہرست ممالک**	**صفحہ نمبر**
181	ترکمانستان	314-315
182	تووالو	316-316
183	ٹرینیڈاڈ ٹوباگو	317-318
184	یوگنڈا	319-319
185	یوکرین	320-321
186	ریاست ہائے متحدہ امریکہ	322-323
187	برطانیہ	324-325
188	متحدہ عرب امارات	326-327
189	یوراگوئے	328-328
190	ازبکستان	329-330
191	وانواتو	331-331
192	ویٹیکن سٹی	332-333
193	وینزویلا	334-335
194	ویسٹرن سہارا	336-336
195	ویتنام	337-338
196	یمن	339-339
197	زیمبیا	340-340
198	زمبابوے	341-341
199	زائر	342-342
200		

2017ءخوش بختی کا دور نئی کرپشن کے لئے

2016ء پاکستان کی تاریخ میں بہت اہمیت کا حامل تھا۔افغانستان اور پاکستان کے سرحدی علاقوں میں دہشت گردوں کا قلع قمع ہو رہا تھا دہشت گردوں کے ٹھکانے ہماری افواج کے نوجوان جگہ جگہ ختم کر رہے تھے ۔اور اب دہشت گرد پناہ کی تلاش میں افغانستان کے پہاڑی علاقوں کی طرف بھاگ کر اپنی جانیں بچانے کی آخری کوشش میں لگے ہوئے تھے۔تو اندرونی طور پر رینجرز نے کراچی جو گزشتہ ایک دہائی تک دہشت گردوں اور ان کے سہولت کاروں کے ہاتھوں یرغمال بنا ہوا تھا۔آہستہ آہستہ امن و امان کی طرف لوٹ رہا تھا۔کراچی والے اب اپنے آپ کو محفوظ سمجھنے لگے تھے ۔اغواء برائے تاوان ،موبائل اور گاڑیوں کی چھینا چھپٹی اب بہت کم ہو چکی تھی ۔ محلے اور گلیوں سے رینجرز نے تمام رکاوٹیں ختم کر کے عوام کو نیا حوصلہ دیا۔اور کراچی کا سب سے خطرناک ترین علاقہ لیاری جو منشیات ،اسلحہ، دہشت گردی کی علامت سمجھا جاتا تھا،تمام دہشت گردوں سے پاک ہو چکا تھا۔اب

بڑے بڑے کرپٹ بیوروکریٹس اور سیاست دان اور اُن کے سہولت کاروں پر نیب ،ایف آئی اے اور رینجرز نے بلا تخصیص گرفتاریاں شروع کر دی تھیں ۔اب ایسا لگنے لگا تھا کہ فوج اور رینجرز دونوں مل کر کرپشن کو بھی اُسی طرح ختم کر کے دم لیں گے ،جس طرح دہشت گردوں کو ختم کیا تھا۔مگر یہ سب کچھ اُس وقت تک ہوتا رہا جب تک راحیل شریف صاحب فوج کے سربراہ تھے ۔اُس دوران بہت ہی اہم شخصیات جن میں پیٹرولیم کے سابق وزیر ڈاکٹر عاصم ،مشہور سپر ماڈل ایان علی ،حج و اوقاف کے سابق وزیر مفتی احمد سعید کاظمی اورعزیر بلوچ گرفتار ہو چکے تھے ۔رینجرز نے اُن کو تحویل میں لے کر کھربوں روپے کی کرپشن کے انکشافات مع ثبوت حاصل کئے ۔میڈیا اس موقع پر بہت سرگرم تھا روز ایک نئے کرپشن کے اسکینڈل بے نقاب ہوتے رہے ۔اس میں ہمارے وزیر اعظم کے صاحبزادے حسین نواز شریف کا ٹی وی چینل پر انکشاف بھی سامنے آیا،لندن کی جائدادیں بھی عوام کو معلوم ہوئیں ۔انہی گرفتاریوں سے بچنے کے لئے بہت سے بیوروکریٹس بیرون ملک فرار بھی ہوئے ۔سابق وزیر اطلاعات شرجیل میمن کی بھی کہانی کرپشن کی بتائی گئی وہ بھی اربوں روپے لوٹ کر دیارِ غیر میں جا چھپے ،کوئٹہ کے بھی وزراء اور بیوروکریٹس کا مشترکہ اسکینڈل اور پھر نیب سے بارگیننگ جو بمشکل محض 10 فیصد واپسی پر رہائی کی بھی ایک نئی بھونڈی مثال سامنے آئی ۔پھر جب راحیل شریف

صاحب کا ریٹائر منٹ کا معاملہ اور نئے چیف کی تعیناتی کا وقت آیا تو وزیر اعظم نواز شریف صاحب جو خود سہمے سہمے رہتے تھے اور ایک بار تو لندن علاج کی آڑ میں دور گئے تھے کیونکہ پاناما لیکس اور ڈان لیکس کے بعد اُن کا وزیر اعظم کا عہدہ خطرے میں پڑ چکا تھا وہ بادل بھی بغیر برسے چھٹ گئے۔ نئے فوجی سربراہ جنرل قمر جاوید باجوہ کے آنے کے بعد سیاست دان اور کرپٹ بیوروکریٹس آہستہ آہستہ پرانا ماحول یعنی کرپشن سے بھرپور کردار اپنانے لگے۔ 2017ء میں خوش بختی کا دور شروع ہوا جو سپر ماڈل 5 لاکھ ڈالر کے ساتھ ائرپورٹ پر گرفتار ہوئی تھی، خدا نے اُس کی بھی سن لی اور وہ جیل سے رہا ہوگئی۔ اُن کے چاہنے والوں نے ان کی ضمانت کروا کر بیرون ملک روانہ کر دیا۔ ادھر ملتان سے تعلق رکھنے والے احمد سعید کاظمی صاحب جن کے اوپر حاجیوں کی رہائشوں میں 4 ارب روپے کا گھپلا پکڑا گیا تھا مع اُن کے سہولت کار جن کو 15 سال قید کی سزا ہوئی تھی، باعزت بری ہو کر جلوس کے شکل میں اپنے آبائی شہر پہنچ گئے۔ ڈاکٹر عاصم کو بھی پہلے رینجرز کے تحویل سے نکال کر سول ہسپتال منتقل کیا گیا۔ ان کی خوش بختی دیکھئے کہ اُن کی ایک درجن سے زائد ضمانتیں ایک ایک کر کے ہوتی گئیں۔ اور آخر کار وہ بھی رہا ہو کر اپنے گھر کی راہ لے چکے ہیں۔ اس وقت عذیر بلوچ بھی رینجرز کی تحویل سے نکل کر جیل منتقل ہو چکے ہیں اور چند دنوں میں ان کی ضمانت کی امید کی جا سکتی ہے۔ شرجیل میمن بھی واپس اسلام آباد آئے، پہلے

گرفتاری دلوائی پھر ضمانت کروا کر سرخرو ہو کر کراچی میں دوبارہ اپنے دھندے پر دھیان دے رہے ہیں۔ دو ڈھائی سال کے اپی سوڈ جو فوج اور رینجرز نے مل کر شروع کیں تھیں لنگڑے لولے، اندھے قانون کی وجہ سے اپنی موت آپ مر گئی یار لوگ کہتے تھے رشوت لیتے پکڑا جائے تو رشوت دے کر چھوٹ جائے۔ وہ بہت معمولی ٹائپ کی رشوت ہوتی تھی۔ جس میں صرف ایک پولیس کا کردار ہوتا تھا تو قوم درگزر کر دیتی تھی مگر اب تو کرپشن کی کوئی لمٹ ہی نہیں تھی۔ کروڑوں یا اربوں کا نہیں کھربوں کا معاملہ تھا کوئی ایک وزیر، مشیر، بیوروکریٹس، وزیر اعظم، وزیر اعلیٰ جس کا بھی نام لیں اس میں ملوث ہے۔ کوئی قطر کا خط سامنے لا رہا ہے تو کوئی چین کی دوستی کی آڑ میں تو کوئی برادر ملک سعودی عرب، ترکی کے ہاتھوں مال سمیٹ رہا ہے۔ بقول ہمارے سابق صدر آصف علی زرداری یہ سب کمیشن کھانے کے راستے ہیں۔ عوام کی فلاح و بہبود تو نام کی حد تک ہے۔ اگر اورنج ٹرین چلے یا موٹروے بنیں ہر چیز پر کمیشن لازمی ہے۔ روز صبح اُٹھ کر عوام پوچھتے ہیں کیا پاناما لیکس کا فیصلہ آگیا، کیا وزیر اعظم نواز شریف کو سزا ہوگی؟۔ جب اتنے بڑے بڑے مگرمچھ پکڑ کر چھوٹ گئے تو بیچارے وزیر اعظم کو اکیلے کیوں تنگ کیا جا رہا ہے۔ جس کا بھائی پنجاب کے لئے دن رات محنت کر کے ہلکان ہو چکا ہے۔ اسکاٹ لینڈ یارڈ والوں نے بھی لاکھوں پونڈز جو انہوں نے الطاف حسین کے گھر سے برآمد کئے تھے منی لانڈرنگ کیس مع ثبوت وہ

واپس کردیئے تا کہ پاکستان سے خیر سگالی کا جذبہ ماند نہ پڑے۔ لگتا ہے عمران خان کا کرپشن سے پاک خواب اب آہستہ آہستہ چکنا چور ہونے کو ہے۔ عوام تو خود ہی سمجھ چکے ہیں تمام سیاست دان اندر سے ایک ہیں کوڈا لگ الگ ہے مگر نیٹ ورک ایک ہے۔ سیاست دانوں کی خوش بختی کا دور دورہ ہے۔ عوام ٹک ٹک اُسے دیکھے جا رہے ہیں۔ بقول شاعر

بستی میں جتنے آب گزیدہ تھے سب کے سب
دریا کا رُخ پلٹتے ہی تیراک ہو گئے

ویسے بھی آج پانامہ لیکس کے فیصلے کو محفوظ ہوئے 40واں دن ہے گویا آج 40واں بھی ہو گیا۔

نئے صوبوں کا مطالبہ

عوام کے تمام مسائل کو موجودہ حکومت نے خوبصورتی کے ساتھ پس پشت ڈال کر میڈیا کو صرف 2 عنوانوں میں اُلجھا دیا ہے اور تمام اخبارات اور چینلز پر پرویز مشرف کو حاضری سے استثنٰی ملنا چاہئے، ان کو غداری کیس میں سزا ملنی چاہئے یا نہیں اور دوسرا طالبان فیکٹر سے بات چیت یا جنگ ہونی چاہئے۔ بس لگتا ہے کہ پاکستان میں اب صرف 2 ہی مسائل رہ گئے ہیں بقیہ تمام مسائل حل ہو چکے ہیں۔ صبح صبح تمام اخبارات شہ سرخیوں سے بھرے ہوتے ہیں، سیاستدان بھی اب تقسیم ہوتے جا رہے ہیں۔ جنہوں نے پرویز مشرف دور میں اقتدار کے مزے لوٹے یا پھر جن کو پرویز مشرف نے اقتدار دیا اور این آر او پر دستخط کیئے۔ پی پی پی کا دور شروع ہوا، صدر آصف علی زرداری نے صدر پرویز مشرف کو گارڈ آف آنر پیش کر کے خوبصورتی سے رخصت کر دیا اور 5 سال تک سکون کے ساتھ حکومت کر کے ماضی کے تمام جمہوری حکومتوں کے ریکارڈ توڑ دیئے۔ انہوں نے دانش مندی کے ساتھ مسلم لیگ (ن) سے بھی ہاتھ ملا کر حکومت کرنی چاہی مگر چند ہی ماہ میں میاں محمد نواز شریف صاحب نے

اتحاد سے ہاتھ کھینچ لیا۔ مجبوراُ زرداری صاحب نے ان کے سب سے بڑے حریف چوہدری برادران، مسلم لیگ (ق) سے ہاتھ ملالیا۔ اگر ابتداء میں ہی میاں صاحب مسلم لیگ (ق) والوں کو معاف کر کے گلے لگا لیتے تو وہ متحدہ سے مل کر خود مسلم لیگ (ن) کی حکومت بنا سکتے تھے۔ کیونکہ (ق) لیگ والے بہر حال مسلم لیگی تو تھے مگر کہتے ہیں کہ کچھ ضدی مسلم لیگی ان کو (ق) لیگ سے دور رکھنے میں ان کے ہم خیال بن گئے اور یہ سنہری موقع گنوا دیا اور پھر جب (ق) لیگ والے چوہدری برادران سمیت مجبوراُ پی پی حکومت میں شامل ہو گئے تو پھر دونوں مسلم لیگیوں کے فاصلے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے دور ہو گئے جو آج تک برقرار ہے۔ کچھ کو مسلم لیگ (ن) والوں نے معاف کر کے اپنے ساتھ شامل کرلیا مگر شیخ رشید اور چوہدری برادران جو پرویز مشرف کابینہ میں بہت قریب تھے ان کو نظر انداز کرتے رہے۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر متحدہ قومی موومنٹ کے سربراہ الطاف حسین اور چوہدری برادران پرویز مشرف کے لئے نرم گوشہ رکھتے ہوئے ان کو سزا سے بچانا چاہتے ہیں تو کوئی انہونی بات نہیں۔ یہ سیاسی عمل ہی کا ایک حصہ ہے اور جس طرح مسلم لیگ (ن) کے دوسرے دور میں صدر آصف علی زرداری کو مسلسل پابندِ سلاسل رکھنے سے مسلم لیگ (ن) کی سکی ہوئی تھی۔ آج کم و بیش پرویز مشرف کے تمام کیسوں میں ضمانت ہونے کے بعد نیا کیس وہ بھی 2007ء نومبر کا آئین توڑنے کا مقدمہ قائم کر کے چیف جسٹس افتخار چوہدری صاحب کے ریٹائرمنٹ کے بعد غداری کا نام دے کر چلانا پھر روز روز عدلیہ کا طلب کرنا فوج کو اندر سے

ناراض کرنے کے برابر ہوگا۔ اول تو میں پہلے بھی لکھ چکا ہوں کہ آج تک آئین توڑنا تو کجا ملک توڑنے والے جنرل یحییٰ خان کو سزا دینا ایک طرف ،آج تک مشرقی پاکستان کے سقوط ڈھاکہ کی محمود الرحمٰن کمیشن رپورٹ تک فوج کے دباؤ کے سبب آج تک منظر عام پر لانے کی کوئی جرأت نہیں کر سکا۔ پھر ضیاء الحق کے مارشل لاء کو بھی اس وقت کی عدلیہ نے بے ساکھیاں دے کر انہی سیاستدانوں نے ان کو آخری وقت تک اقتدار میں رکھا۔ اب لے دے کر پرویز مشرف جو عدلیہ ہی کی وجہ سے اپنے اقتدار کو دوام دے چکے تھے، کیسے 8 سال بعد سزا پائیں گے۔ اگر اس ملک کو تجربات کی بھینٹ چڑھا کر ایک بار پھر فوجی حکمران کو غداری جیسے نام پر سزا دلوانا چاہتا ہے تو وہ اس کی بھول بھی ہے اور سیاسی غلطی بھی۔ بہتر یہی تھا کہ پرویز مشرف کو جس طرح زرداری صاحب نے دیوار سے لگانے کے بجائے محفوظ راستہ دے دیا تھا یہ حکومت بھی ایسا کرتی تو بہتر ہوتا۔ اس کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ ہر لحاظ سے پی پی پی دور اور مسلم لیگ (ن) کا دور پرویز مشرف سے بہتر تو کجا برابر بھی نہیں ہے۔ علاوہ اکبر بگٹی کا قتل، لال مسجد پر چڑھائی قابل مذمت کہہ سکتے ہیں مگر نہ اتنی مہنگائی نے سر اٹھایا تھا اور نہ ہی دہشت گردی اتنی زوروں پر تھی۔ آج ہر طرف لاقانونیت کا یہ عالم ہے کہ دہشت گرد دن دیہاڑے جہاں چاہتے ہیں جس کو چاہتے ہیں اپنا نشانہ بنا ڈالتے ہیں۔ صرف فنگر پرنٹس کے علاوہ آج تک کوئی بھی دہشت گرد نہیں پکڑا جا سکا۔ عوام سہمے حکومت کی طرف دیکھ رہے ہیں، وزیر داخلہ اسلام آباد میں بیٹھے بیٹھے اپنا بیان دے کر اپنا فرض پورا کر دیتے

نہ کر بیٹھے۔ اب تو چیف جسٹس افتخار چوہدری صاحب بھی میدان میں نہیں، دوسری طرف چیف آف آرمی اسٹاف جنرل کیانی بھی ریٹائرڈ ہو چکے ہیں اور نئے چیف آف آرمی اسٹاف جنرل راحیل شریف کے بارے میں اب بھی کوئی رائے قبل از وقت ہوگی۔ البتہ جس طرح پولیس والے اپنے پیٹی بھائی ہوتے ہیں، اسی طرح فوج بھی اپنا کردار فوجی کے مزاج کو سمجھتی ہے اور آج تک ہمارے ملک میں فوجی انقلابوں سے عوامی حکومت تو ضرور ہلی ہے مگر فوجی حکو ہیں۔ حزب اختلاف سے بھی الجھتے رہتے ہیں۔ وزیر اعظم صاحب قومی اسمبلی میں آنے سے بھی کتراتے ہیں جس کی وجہ سے مسلم لیگ (ن) کا گراف بہت تیزی سے نیچے کی طرف رواں دواں ہے۔ مگر سب ٹھیک ہے یا پھر ٹھیک ہو جائے گا۔ عوامی دلاسہ اب اپنی آخری حدوں کو چھو رہا ہے۔ کہیں پرویز مشرف کیس میں یکطرفہ مقابلہ اور مت کو کوئی سزا نہیں ہو سکی۔ صرف برادر ملک ترکی میں ایک مثال ضرور قائم ہوئی ہے اور بنگلہ دیش میں جزوی سزا ہوئی ہے۔ مگر وزیر اعظم حسینہ واجد کو یہ عمل بہت مہنگا ثابت ہو رہا ہے۔ مگر ہمارے ملک میں کسی فوجی حکمران کو سزا دینا ناقابل عمل ہے۔ دوسری طرف موجودہ حکومت کی کارکردگی بہت مایوس کن بنتی جا رہی ہے۔ اس پر بھڑ کے چھتے کو چھیڑنے کی یہ کوشش بدشگونی میں تبدیل ہو سکتی ہے۔ اندرونی وعدوں کے مطابق پرویز مشرف کی روانگی میں دانستہ تاخیر حکومت کی بساط اُلٹنے کا سبب بھی بن سکتی ہے۔ اس کی وجہ میاں نواز شریف صاحب کے کم و بیش وہی مشیران کے گرد

گھیرا ڈالے ہوئے ہیں جو اکتوبر 1998ء میں تھے اور تصادم کرانے میں پیش پیش تھے۔ ضیاء الدین بٹ فوجی ہونے کے ناطے بچ گئے البتہ نواز شریف صاحب کی حکومت ختم ہو گئی۔ راقم کو ان کے ایک زبردست کٹر حامی سینئر کالم نویس بار بار اس پنڈورا بکس سے دور رہنے کے مشورے دے رہے ہیں۔ میاں صاحب کے مخلص دوست سے اتفاق ہے کہ پرویز مشرف کے مسئلے کو مٹی پا کر اپنے آپ کو مزید امتحان سے دور رکھیں تو بہتر ہے۔

امریکہ کی موجودہ صورتحال

ہم جب اسکول میں انٹرویل میں کینٹین یا ریسٹورنٹ میں جاتے تھے تو اکثر ہم میں سے کوئی ایک بل دیتا تھا یا جس نے دعوت دی ہوئی تھی وہ بل ادا کر دیتا تھا۔البتہ جب ہم الگ الگ جاتے تو بیشک خود ہی بل ادا کرتے تھے۔مگر جب کالج میں آئے تو نئے ہونے کے سبب الگ ہی کینٹین میں جاتے تھے۔مگر جب ایک گروپ میں شامل ہوئے تو 4 پانچ لڑکے تھے جو ہم میں سینئر تھا اُس نے ٹیبل پر بیٹھنے سے پہلے کہا کہ آج ہم لوگوں کا پہلا دن ہے، گو کہ ہم ساتھ آئے ہیں مگر امریکن سسٹم چلے گا۔ ہم نے پوچھا کہ یہ امریکن سسٹم کیا ہے؟ تو اُس نے کہا کہ ہم سب اپنا اپنا بل ادا کرینگے۔ہم میں سے ایک لڑکا کافی امیر تھا اُس نے کہا کہ یہ ہماری روایت نہیں ہے۔ میں آج بل ادا کر دیتا ہوں، کل کوئی اور ادا کر دے۔اس طرح اپنی اپنی باری آنے پر ایک ایک کر کے ادائیگی ہو جائے گی۔ وہ سینئر نہیں مانا اور اس طرح سب لڑکے الگ الگ ٹیبلوں پر چلے گئے اور کھا پی کر اپنا اپنا بل ادا کر کے آ گئے۔تب پتا چلا کہ امریکن سسٹم کس کو کہتے ہیں۔یعنی نہ کسی پر احسان کرو، نہ کسی کا احسان لو۔آپس میں ایک ہونے

کے بجائے اپنی منزل خود تلاش کرو۔اس کو خود غرضی بھی کہہ سکتے ہیں، گویا ہر ملک کا اپنا سسٹم ہوتا ہے۔ ہم میں سے کسی نے بھی امریکہ نہیں دیکھا تھا، صرف سن سنا کر اس کو بہتر سسٹم کا نام دے رکھا تھا۔ 1970ء میں پہلی مرتبہ امریکہ کے شہر شکاگو جانے کا اتفاق ہوا، ایک ہفتے کی ٹریننگ تھی۔ جب الوداعی ملاقات میں اس کمپنی کے سربراہ نے مجھے بلایا اور سمجھایا کہ تم نوجوان ہو، پہلی مرتبہ نیویارک جا رہے ہو، چند نصیحتیں یاد رکھنا۔اوّل رات کو دیر سے ہوٹل سے نہ نکلنا، جیب میں 100 ڈالرز سے زیادہ بھی نہیں رکھنا، اندھیری گلیوں میں ہرگز نہیں جانا۔اگر کوئی طاقتور پارک میں تم کو دھمکائے اور لوٹنے کی کوشش کرے تو پیسے بلا چوں چرا اس کے حوالے کر دینا۔شراب خانے (بار) سے نکلنے والی خواتین سے دور رہنا وغیرہ وغیرہ۔ میں نے دل میں سوچا کہ یہ امریکہ ہے یا کوئی خطرناک شہر نیویارک ہے۔اس سے تو ہمارا کراچی روشنیوں کا شہر، امن وامان میں امریکہ سے بھی آگے، یہ کیسے ملک میں ہم پھنس گئے۔کام بھی ضروری تھا، نیویارک پہنچ گئے۔ایک دوست نے بھی ان باتوں کی تصدیق کی بلکہ اس نے مذاق میں کہا کہ نیویارک کے متعلق مشہور ہے کہ اندھیرا ہوتے ہی لوگوں کو لوٹا جاتا ہے اور ٹوکیو میں صبح ہوتے ہی لوٹ مار شروع ہو جاتی ہے۔وجہ جاپان اتنا مہنگا ملک ہے، جو بھی چیز آپ خریدیں گے بہت مہنگی خریدنی پڑے گی۔خیر ایک ہفتے کے بعد 2 دن واشنگٹن میں بھی قیام تھا۔میں وائی ایم سی اے کا ممبر تھا۔لہٰذا پیسے بچانے کے لئے وائی ایم سی اے میں ٹھہرا۔صبح اُٹھا تو معلوم ہوا کہ کمرے میں باتھ روم نہیں ہے بلکہ باتھ روم

کونے میں قطار سے بنے ہوئے ہیں۔ راستے میں تھا تو دیکھا کہ لوگ پُر فضاء کمروں سے نکل کر باتھ روم جا رہے ہیں اور ننگے ہی نہا رہے ہیں۔ شاور قطار در قطار تھے، ہم کو کبھی اس طرح کے ہوٹل میں قیام کا تجربہ نہیں تھا۔ ٹوائلٹ تو بند تھے، لہٰذا 2 دن صرف ٹوائلٹ استعمال کیا۔ ڈر اور خوف سوار رہا، ہر جگہ کالوں سے ڈر ہی لگتا رہا، پھر آہستہ آہستہ وہ ڈر وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ ختم ہو گیا۔

بار بار 2 جماعتی نظام کی وجہ سے حکومتیں آتی رہیں اور جاتی رہیں۔ امریکہ میں بے پناہ امیگرنٹس 1970ء سے لے کر 2016ء تک کھلے عام قانوناً اور چھپ چھپا کر پڑوسی ممالک سے روزگار کی تلاش میں آتے گئے۔ گورے کم کام کرتے تھے، یہ امیگرنٹس کم تنخواہ پر زیادہ کام کرتے تھے، لہٰذا وہ گوروں سے بھی آگے بڑھتے گئے مگر امریکہ میں آپ کسی سے تفریق نہیں کر سکتے۔ یہ غیر قانونی ہے، کسی کی بھی حکومت ہو تفریق نہیں ہو سکتی۔ مگر جب سے ٹرمپ انتظامیہ نے حکومت کی باگ ڈور سنبھالی ہے اس وقت سے ہر امیگرنٹس خواہ وہ امریکن پاسپورٹ رکھتا ہے، اب وہ اندر سے خوفزدہ ہے۔ خصوصاً مسلمان ممالک کے باشندے سب خوفزدہ ہیں۔ جس طرح 9/11 کے بعد امریکہ میں داخلے کے وقت گھنٹوں امیگریشن پر سوالات کی بوچھاڑ ہوتی تھی اب دوبارہ وہی طرزِ عمل دیکھنے میں آ رہا ہے۔ یہ صحیح ہے کہ صدر ڈونلڈ ٹرمپ نے اپنی الیکشن کمپین میں کھل کر 28 فیصد اقلیت جس میں مسلمان، اسپینش، خصوصاً میکسیکو اور چائنا کے متعلق قوانین سخت سے سخت کرنے کا وعدہ کیا تھا، جن کو انہوں نے ایک

ایک کر کے ان کو صدارتی آرڈر کی شکل میں نافذ کرنا شروع کر دیا ہے۔ جس سے خود ان کی عدلیہ اور خصوصاً 4 بڑی ریاستیں اس سے انکاری ہیں۔ پہلے ہی دن سے ان کے خلاف جلسے جلوس ہر جگہ نکل رہے ہیں۔ خود ان کی پارٹی کانگریس بھی ان سرکاری آرڈروں کی حامی نہیں ہے۔ میکسیکو اور چین نے ان کی تجاویز مسترد کر دی ہیں۔ تہران میں امریکیوں کے آنے پر اسی طرح کا رڈّ عمل ظاہر کیا ہے۔ خود یورپی ممالک فرانس، جرمنی، برطانیہ کے حکمران اور عوام اس کی مذمت کر رہے ہیں۔ ان کی سمجھ سے بالاتر ہے کہ وہ ایسا کر کے امریکہ کی کیا خدمت کر رہے ہیں۔ ایک طرف خواتین کے جلوس تو دوسری طرف مختلف تنظیمیں اس نسلی تفریق کو امریکہ کے لئے نقصان دہ سمجھتی ہیں۔ خود روس جوان کا مداح سمجھا جاتا تھا جس کے متعلق ناکام صدارتی اُمیدوار ہیلری کلنٹن نے تو یہاں تک الزام لگایا تھا کہ الیکشن نتائج کو روس کی خفیہ ایجنسی نے ہیک کر کے ٹرمپ کو صدارتی الیکشن جتوایا ہے۔ آج وہ روس کے صدر کے خلاف بھی زبان کھول چکے ہیں۔

آسٹریلیا کے وزیر اعظم سے بھی ان کی جھڑپ ہو چکی ہے جو سفارتی آداب کے خلاف ہے۔ خود ہمارے پاکستانی نژاد امریکی پاسپورٹ کے حامل افراد بھی 9/11 کے بعد بہت خوفزدہ ہیں۔ بہت سے خاندان تو دوبارہ کینیڈا کی طرف دیکھ رہے ہیں۔ جس طرح 9/11 کے وقت کینیڈین حکومت نے اپنی سرحدیں امریکی امیگرنٹس کے لئے کھول دی تھیں، اگر امریکہ اور کینیڈین حکومتوں میں مفاہمت نہ ہوتی تو کینیڈین وزیر اعظم جسٹن ٹروڈو نے صاف

الفاظ میں کہا ہے کہ اگر ہم کو لاکھوں مسلمان امیگرنٹس لینے پڑے تو ان سب کو ہمارا ملک خوش آمدید کہے گا۔ اگر یہ بے چینی زیادہ بڑھی تو ٹرمپ جو ایک کاروباری شخصیت ہیں سمجھتے ہیں کہ عوام اگر بگڑ گئے تو پھر روس کی طرح امریکہ کی ریاستیں اپنے اپنے راستے الگ کر سکتی ہیں۔ اس سلسلے میں خود ایک ہزار سے زائد سفارتی نمائندوں نے ان کا حکم ماننے سے انکار کر دیا ہے۔ آج تک امریکہ کی تاریخ میں یہ سب باتیں نہیں دیکھنے میں آئیں اور نہ ہی ایسی خوف کی فضاء خصوصاً نفرتوں کی سیاست امریکہ کا مزاج نہیں رہا۔ امریکہ کے تھنک ٹینک بڑے صنعتی ادارے آگے بڑھیں اور صدر ٹرمپ کو اس بات پر آمادہ کریں کہ نفرتیں، علیحدگی اور فسادات کو جنم دیتی ہیں۔ امریکہ کا ماضی والا وقار بحال کریں، ہر کسی سے پنگا امریکی قوم کے مفاد میں نہیں ہے۔ ان کا نعرہ پہلے امریکہ ہے کوئی اور نہیں ہے۔ مگر نسل پرستی سے اجتناب ہونا چاہئے۔ آخری خبریں آنے تک 3 جج نے ٹرمپ کے خلاف صدارتی ایگزیکٹو آرڈر منسوخ کر دیا ہے۔ اب ٹرمپ کو سوچنا چاہئے، کیوں سب اُس کے خلاف ہیں۔

2 خوشیاں نئے سال کا تحفہ

ہر سال کی طرح 2016ء کا سال رخصت ہوا۔ میڈیا سے 2 خوشخبریاں سننے کو ملیں۔ پہلی اچھی خبر ہمارے اتحادی دوست چین نے پاک چین مشترکہ اقتصادی راہداری منصوبے پر 57 کھرب روپے یعنی 54 ارب ڈالرز خرچ کرکے دونوں قوموں کو ایک دوسرے سے بہت قریب کر دیا ہے۔ زمین اور سمندر پاکستانی حدود میں ہیں اور اس سے دونوں ہی ممالک کی اقتصادی خوشحالی کی ابتداء ہوئی۔ اس عمل سے سب سے زیادہ دکھ ہمارے پڑوسی ملک بھارت کو ہوا جو صرف ہماری دشمنی پر ہر وہ کام کرتا رہا ہے جس سے پاکستان کو نقصان پہنچنے کا سبب ہو۔ وہ ہمارے ہی ملک کے غداروں سے وہ کام کروا رہا ہے، جس سے ہماری معیشت مضبوط نہ ہو سکے۔ جس میں سرفہرست بلوچستان کے معدنی ذخائر اور سمندری حدود کے استعمال کو روکنے میں نصف صدی ضائع کرادی۔ ایوب خان کے مارشل لاء سے لے کر پرویز مشرف کی حکومت کے درمیانی وقفے میں جب بھی بلوچستان بالخصوص گوادر پورٹ یا کسی بھی قسم کی ترقی کے منصوبے بنتے تھے وہ وہاں کی مقامی آبادلوگوں کو مخصوص مراعات دے

کرر کاوٹیں ڈالتا رہتا تھا۔ جس سے اس خطے میں تعلیم، سڑکیں، انڈسٹریاں نہیں بن سکیں اور تمام معدنیات کی بہتات کے باوجود ان سرداروں، جاگیرداروں نے پوری قوم کو پسماندہ رکھا اور گزشتہ 50 سالوں میں کرپشن کے تمام ریکارڈ توڑ ڈالے اور اربوں، کھربوں روپیہ عوام پر خرچ کرنے کے بجائے بیوروکریٹس سے مل کران سیاستدانوں نے اپنی اپنی جیبیں بھر لیں۔ ان معدنیات بشمول سونے کے ذخائر کوڑیوں کے بھاؤ بیچ کر اپنی تجوریاں بھر لیں اور پڑوسی ممالک کے دباؤ میں آکر آج تک تیل کے ذخائر پر کام نہیں ہونے دیا۔ دہشت گردی کی انتہا یہاں تک بڑھائی کہ خود بلوچستان میں عملی طور پر پاکستانی جھنڈا اور پاکستان سے دوستی کا کھل کر اظہار بھی شجرِ ممنوعہ بنا دیا۔ صد آفرین جو کام ادھورا پرویز مشرف کے دور میں متروک ہو چکا تھا وہ ہمارے سابق فوجی جنرل راحیل شریف اور ان کی پوری ٹیم نے ناممکن منصوبے کو ممکن بنا کر بلوچستان کی ایک تاریخ بنا ڈالی۔ لاکھ جمہوری حکومت اس کا کریڈٹ لینے کی بھرپور کوشش کرتی رہی مگر ہماری دھن کی پکی افواجِ پاکستان نے کسی کی بھی چلنے نہیں دی اور گوادر کے عملی منصوبے کو تقریباً مکمل کر کے دنیا کو حیران اور دشمنوں کو پریشان کر دیا۔ اب تمام دنیا کی للچائی نظریں ابھی تک دل سے اسے قبول نہیں کر رہی ہیں بلکہ اُن کو ہضم نہیں ہو رہا ہے۔ حالانکہ جو خطہ بھی معاشی ترقی کرتا ہے تو سب سے زیادہ فائدہ بھی مقامی آبادی اور علاقے کو ہوتا ہے۔ مگر مکروہ پروپیگنڈا کر کے بلوچستان کے عوام کو شروع ہی سے بیوقوف اور تعلیم سے دور رکھ کران کے حقوق کا الگ سودا علاقوں کے سردار خود کرتے رہے

اور فائدے اٹھا کر پاکستان کا نام بدنام کرتے اور خصوصاً ہماری افواج کو تو ہمیشہ موردِ الزام ٹھہرا کر تمام برائیاں ان سے منسوب کرتے رہے۔ یہ صحیح ہے کہ ہماری فوج سے بھی کچھ غلطیاں ہوئی تھیں۔ مگر اس کا ازالہ بھی فوج نے ہی کیا، مگر فوج کے کندھے کس کس نے استعمال کر کے قومی دولت لوٹی، یہ بات کسی کی بھی سمجھ میں نہیں آسکی۔ البتہ جب فوج نے اپنا عمل دخل کر کے ان گندے انڈوں کو بے نقاب کیا اور آج کے زمانے کا میڈیا مضبوط ہوا تو وہ مکروہ چہرے بے نقاب ہوئے۔ بڑوں پر ہاتھ ڈالا، نیب اور فوج کے اداروں نے ان کو رنگے ہاتھوں پکڑا تو وہ اب سب مل کر واویلا مچا کر اپنے آپ کو معصوم اور مظلوم ثابت کرنا چاہتے ہیں۔ مگر پڑھے لکھے عوام اب ان سے واقف ہو چکے ہیں۔ اب ضرورت اس امر کی ہے کہ اس سی پیک منصوبے کو آخری مرحلے تک فوج کی نگرانی میں مکمل کیا جائے۔ تاکہ یہ سیاستدان مل کر اس منصوبے کو منفی پروپیگنڈے سے دور رکھ کر مکمل کریں۔ ایک نئی زندگی پاکستانی معیشت کو ملنے والی ہے، جس کا اندازہ ابھی قوم کو نہیں ہے۔ پورا ملک اس سے خود کفیل ہو سکتا ہے۔ بشرطیکہ ہم اپنی سیاست سے ہٹ کر قوم اور ملک کی ترقی کے لئے کام کریں، تو ہم ڈالر کو 110 سے واپس اپنے مقام پر لا سکتے ہیں اور اپنے قرضے ایک ایک کر کے اتار سکتے ہیں۔ ہمیں صرف کرپشن، رشوت، لوٹ مار ختم کرنی ہوگی۔

دوسری اہم خبر برطانیہ کے جریدے سے معلوم ہوئی کہ 5 سال میں کراچی جو پاکستان کی ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت رکھتا ہے 2 تہائی ریونیو پورے ملک کو پیدا

کر کے دیتا ہے۔ 6 نمبر سے 31 ویں نمبر پر آچکا ہے، یعنی 25 نمبر پر اس کے دہشت گرد ممالک میں ساکھ بہتر ہوئی ہے۔ اگر چہ ہمارے سابق اور ماضی کے سینئر ترین وزیر اعلیٰ قائم علی شاہ اس کا کریڈٹ خود لیتے رہے ہیں، مگر قوم جانتی ہے۔ یہ امن و امان جس کو 2 بڑی جماعتوں کی آشیر باد سے تباہ و برباد کر دیا گیا تھا اُسے ہماری افواجِ پاکستان نے رینجرز کے ساتھ مل کر دن رات کام کر کے ان دہشت گردوں اور ان کے سہولت کاروں کو گرفتار کر کے اس شہر کے لوگوں جن کی نیندیں حرام کر رکھی تھیں، آج 90 فیصد امن بحال کر دیا ہے۔ مگر اس امن میں سابق چیف آف آرمی اسٹاف جنرل راحیل شریف کی ریٹائرمنٹ کے بعد آہستہ آہستہ وہ دہشت گرد اور ان کے سرپرست اپنے پنجے پھر سے کھول رہے ہیں۔ بھتہ کی پرچیاں دوبارہ آنے لگیں۔ گاڑیاں اور اسکوٹر گن پوائنٹ پر چھیننے کے واقعات دوبارہ شروع ہو رہے ہیں۔ میری نئے چیف آف آرمی اسٹاف سے گزارش ہے کہ اپنا ہاتھ ہلکا نہ کریں۔ کیونکہ موقع پرست اور دہشت گرد صرف فوج اور رینجرز سے ڈرتے ہیں۔ پولیس کی کارکردگی تو سب کے سامنے ہے۔ اس پر فوکس رکھیں، کہیں دوبارہ کراچی شہر سے امن پھر نہ روٹھ جائے۔ یہ بھی بہت بڑا المیہ ہوگا۔

ہمارا اوی وی آئی پی پروٹوکول کا کیا ہوگا؟

آج کے اخبارات کی ایک خبر بڑی تنقید کا نشانہ خود گجرات کے عوام کا ردعمل پہلی مرتبہ دیکھنے میں آیا۔ جب شہباز شریف کے بڑے صاحبزادے حمزہ شہباز گجرات میں ایک ہسپتال کے دورے پر آئے تو پورے گجرات کو پولیس نے نہ صرف ہسپتال کے قریب و جوار علاقے کو نوگوایریا بنایا بلکہ ائرپورٹ کی طرف موٹروے کے گجرات کے اندر کے علاقوں کو بھی بند کر دیا تو مریض اور ان کے لواحقین ہسپتال سے دُور کا نظارہ کرتے رہے۔ جب تک وہ اندر رہے چڑیا کو بھی نہیں پھٹکنے دیا بعد میں مشتعل عوام نے ان کے خلاف نعرے لگائے جو گھنٹوں ان کے آنے سے پہلے اور جانے کے بعد ہی اندر داخل ہو سکے۔ ایسا ہی کچھ ملتا جلتا واقعہ ہمارے سابق وزیر اعلیٰ سندھ قائم علی شاہ کا جو اپنے آخری دنوں میں کراچی میں جناح ہسپتال میں نئے یونٹ کے افتتاح کے لئے تشریف لائے تو لائن میں لگے مریضوں کو بھی ہسپتال سے باہر نکال کر مین گیٹس بند کر دیئے گئے اور اس میں ایک بچے کی بروقت امداد نہ

ملنے پر موت واقع ہوگئی۔مگر نہ پولیس نہ ہسپتال کی انتظامیہ سے باز پُرس کی گئی۔ایسے بے شمار واقعات سے ہمارے حکمرانوں کی حفاظت کے نام پر تاریخ بھری پڑی ہے۔عوام اس نام نہاد وی آئی پی مومنٹ سے بے زار ہو چکے ہیں اور ہر سال کراچی والوں پر ایک ہفتہ اسی قسم کی مصیبت EXPO IDEAS کے نام پر ڈھائی جاتی ہے۔اگر صرف اُسی ایک سڑک کو بلاک کر دیا جائے تو بھی کام چلایا جا سکتا ہے مگر یہاں تو ایک ماہ پہلے سے تمام اطراف کے محلے بھی محفوظ نہیں ہیں۔پولیس والے تمام رہنے والوں کے کوائف اور پھر اندر آنے جانے کے پاسیز جاری کرتی ہے۔اور تلاشی کے اذیتناک مرحلے سے بار بار گزرنا پڑتا ہے۔تمام بلڈنگوں پر چھتوں بالکونیوں سے پولیس ملکی اور غیر ملکی وی وی آئی پیز کی حفاظت کے غیر ضروری انتظامات کرتی ہے۔جس سے پردہ نشین خواتین اور بچے بوڑھے پورے ہفتہ خوف زدہ رہتے ہیں۔اگر ایسا ہی کچھ کرنا ہے تو شہر کے باہر ایسی نمائش ملیر کینٹ کے اندر با آسانی لگ سکتی ہے۔ائر پورٹ کے بھی نزدیک ہے اور بہت محفوظ بھی ہے خاص کر وہاں فائیو اسٹار ہوٹل بھی ہے جس میں غیر ملکی مہمان محفوظ اور با آسانی آ جا سکتے ہیں اور عوام بھی سکون کے ساتھ اپنے روزمرہ کے کاروبار جاری رہ سکتے ہیں۔مجھے امید ہے نئے وزیر اعلیٰ سندھ مُراد علی شاہ جو نوجوان اور متحرک بھی ہیں۔کراچی کے عوام کو تکلیف اور اذیت سے نجات دلائیں گے اور وفاق سے گزارش

کریں گے کہ آپ جگہ تبدیل کر لیں یا پھر اسلام آباد میں نمائش کو بھی دیگر اداروں کی طرح لے جائیں اور کراچی کے عوام کی دعائیں سمیٹیں۔آج کی اس ترقی پذیر دنیا میں ایسی دردناک کوئی مثال نہیں ملتی جو ہر سال کراچی والوں کے حصے میں آتی ہے۔میرا اکثر غیر ممالک میں آنا جانا رہتا ہے چند مثالیں پیش کرتا ہوں۔ایک مرتبہ راقم سری لنکا کے شہر کولمبو میں اپنے ایک مقامی دوست کے ساتھ گھوم رہا تھا تو ہمارے آگے تین گاڑیاں سگنل پر رکی ہوئی تھیں۔صرف تیسری گاڑی کے ساتھ 4 کلاشنکوف والے گارڈ کھڑے تھے۔میں نے دوست سے پوچھا کہ یہ کس کی گاڑی آگے ہے جس پر سری لنکا کا جھنڈا لگا ہوا تھا۔ اُس نے گردن نکال کر دیکھا اور بتایا کہ یہ ہمارے صدر ہیں اور ان 2 گاڑیوں میں ان کے محافظ ہیں۔میں نے تعجب سے پوچھا کہ تمہارے صدر ہر سگنل پر رکتے ہیں؟اُس نے کہا ضرور رکیں گے۔میں نے پوچھا ایسا کیوں،ان کو اپنی جان کا خطرہ نہیں ہے؟ کیونکہ ان دنوں تامل ٹائیگرز بری طرح دہشت گردی پورے ملک میں پھیلا رہے تھے۔عوام ان سے بہت خوفزدہ تھے۔اس نے جواب دیا کہ قانون سب کے لئے برابر ہے،اگر یہ سگنل پر نہ رکے تو میں بھی نہیں رکتا۔ کیونکہ قانون تو انہوں نے ہی بنایا ہے۔اس قانون کی حفاظت بھی ان کی ذمہ داری ہے،ان کی حفاظت کے لئے 2 گاڑیاں کافی ہیں۔ہم غریب ملک ہیں،زیادہ اخراجات برداشت نہیں کر سکتے،جس نے مارنا

ہو گا وہ 10 بیس گاڑیوں سے نہیں ڈرے گا، اپنا کام دکھا جائے گا۔ ہم اس بات سے ڈر کر فضول اخراجات کریں، پھر میں نے کہا کہ آپ گاڑی ان کے پیچھے ہی رکھیں ۔ میں پریزیڈنٹ ہاؤس دیکھنا چاہتا ہوں۔اس نے بتایا کہ ہمارے ملک میں کوئی عالیشان صدر کا گھر نہیں ہوتا ۔میرے اصرار پر ان کی گاڑی سے آگے لے گیا تا کہ ان کے گارڈز غلط نہ سمجھیں ۔ان کے پہنچنے سے پہلے ہم ایک گلی میں صرف 500 گز کے بنگلے کے آگے سے گزرے،اس کے باہر ایک خیمے میں فوجی وردی میں چند کلاشنکوف بردار کھڑے تھے جو اس گھر کی حفاظت کے لئے تھے۔ہم گلی کے آخری موڑ پر جا کر رک گئے۔ واقعی دوپہر چلچلاتی دھوپ جو کولمبو کی نشانی سمجھی جاتی ہے وہ گاڑیاں آ کر باہر رکیں۔ صرف صدر کی ٹویوٹا گاڑی اندر گئی جس کا گیٹ سائرن کی آواز سے کھلا تھا۔گاڑی سے اترے اور اس بنگلے میں اندر چلے گئے۔ یہ تھے جے آر جے وردھنا (J.R.J Wardne)۔ یہ 1977ء میں وزیر اعظم بنے، 1978ء میں وہ صدر منتخب ہوئے اور 11 سال دو مرتبہ صدر منتخب ہو کر 1989ء میں ریٹائرڈ ہوئے۔ان کے جانے کے بعد سری لنکا کے حکمرانوں نے پریزیڈینٹ ہاؤس بنایا، مگر آج بھی سگنل پر ان کے صدر، وزیر اعظم رکے ہوئے نظر آئیں گے۔

مجھے ایک مرتبہ کینیڈا کے ہوٹل میں دعوت میں جانے کا اتفاق ہوا استقبالیہ سے واپس آ رہا تھا تو 2 پولیس والے ایک سوٹ بوٹ میں

ملبوس شخص کے پیچھے جا رہے تھے جو ایک غیر معمولی بات سمجھی جاتی ہے۔ میرے پوچھنے پر استقبالیہ سے جواب ملا کہ یہ ہمارے کینیڈا کے وزیر اعظم ہیں جو اس ہوٹل میں ٹھہرے ہوئے ہیں۔ میں نیا نیا کینیڈا گیا ہوا تھا پوچھا یہاں کوئی پرائم منسٹر ہاؤس ٹورنٹو میں موجود نہیں ہے،اس نے کہا کہ نہیں ہے ہمارا دارالخلافہ اُٹاوا (Ottawa) ہے ۔ ہمارے پرائم منسٹر وہاں رہتے ہیں۔البتہ وہ جس جس شہر میں جاتے ہیں مقامی ہوٹل ہی میں ٹھہرتے ہیں۔ہم ٹیکس دینے والوں کو ہر شہر میں پرائم منسٹر ہاؤس بنانے کی سکت نہیں رکھتے۔یاد رہے کہ کینیڈا ہر سال 3ارب ڈالر سے لیکر 6ارب ڈالرز دنیا کے 8 بڑے ملکوں کو دیتا ہے۔جس میں پاکستان، بنگلہ دیش اور بھارت بھی شامل ہے۔اس کے علاوہ اس نے پاکستان میں 41 ہزار کروڑ روپے یعنی 40ارب ڈالرز شمسی ایئر پورٹ بیس اور دالبندین ہوائی بیس امریکن فوجیوں کے استعمال کے لئے دیئے ہوئے تھے اس کے علاوہ پاکستان 6ارب ڈالرز کے قرضے بھی معاف کروانے کا خواہش مند ہے۔اس کینیڈا کے وزیر اعظم کے لئے کوئی گاڑیوں کی فلیٹ، جیٹ طیارے ہر بڑے شہر میں عالیشان محلات نہیں ہے۔مگر پاکستان جیسے مقروض ملک کے وزیر اعلیٰ کے لئے الگ الگ جیٹ طیارے ہیں۔ وزیر اعظم کے لئے تو بوئنگ طیارہ جتنے دن وہ باہر رہیں قومی ایئر لائنز کا طیارہ خالی کھڑا رہتا ہے۔ وہ تو اچھا ہے کہ پاکستان کے صرف 4 وزیر اعلیٰ ہیں، کیونکہ صوبے بھی صرف اتنے

بڑے ملک جس کی آبادی تقریباً 22 کروڑ ہے، صرف 4 پر اکتفا کیئے ہوئے ہیں۔ اگر 30 تیس صوبے ہو جائیں تو ہم کتنے مقروض صرف اپنے حکمرانوں کی عیاشیوں کا شکار ہوتے۔ ہم نے دیکھا کہ برطانیہ کے آخری وزیر اعظم ڈیوڈ کیمرون کو 10 ڈاؤننگ اسٹریٹ سے خود اپنا سامان گاڑی میں اپنے ذاتی گھر جاتے ہوئے ڈال رہے تھے۔ یہ وہ ملک ہے جو 12 ارب برٹش پونڈ صرف غریب ممالک کی کفالت کرتا ہے اور اس کے علاوہ 15 ارب پونڈ برطانیہ میں آنے جانے والے مہاجرین پر ہر سال خرچ کرتا ہے۔ میں نے ان کی ملکۂ الزبتھ کوان کی محل سے برمنگھم پیلس سے باہر لندن کی سڑک پر صرف چند گھڑ سوار پولیس کی جھرمٹ میں ہائیڈ پارک میں آتے جاتے دیکھا ہے۔ ان کو اپنی جان کا خطرہ نہیں ہے، جتنا ہمارے مقروض حکمرانوں کو درپیش ہے۔ ہمارے نئے صدر پاکستان نے پریزیڈینٹ ہاؤس میں آکر کوئی کفالت اسکیم متعارف کروائی، وہ تو انتہائی غیر فضول اخراجات کرنے والے فیملی سے تعلق رکھتے تھے۔ مگر انہوں نے صدر ہاؤس میں آکر کروڑوں روپے سالانہ اخراجات کرنے والی بلز پر کوئی اعتراض نہیں کیا۔ اللہ اللہ خیر صلا

ویسے میں نے بہت سے یورپی حکمرانوں کے بھی ایسے سادے پروٹوکول فری قافلے بھی دیکھے ہیں۔

اصل پاکستان کب بنے گا

ہمارے ایک نوجوان پاکستانی دوست جو چند سال پہلے اپنا کاروبار ہانگ کانگ، یورپ اور خلیج سے سمیٹ کر پاکستان تشریف لائے۔ ان سے ایک پارٹی میں ملاقات ہوئی تو اس نوجوان نے جو دیارِ غیر میں رہتا تھا اور پاکستانی اخبار پڑھتا تھا اور پاکستان سے بڑا خائف بھی تھا کہ نہ جانے پاکستان کیسا ملک ہو۔ اس کے ساتھ اس کے پاکستانی بھائی کیسا سلوک کریں۔ کراچی کا بھیانک نقشہ جو امریکیوں نے کھینچا ہوا تھا وہ اس کے دماغ میں سامنے کے باوجود پاکستان کی محبت آخر کار اسے کراچی لے آئی۔ آج اسی کراچی میں اس کا کاروبار بھی سیٹ ہے اور سرمایہ بھی محفوظ ہے۔ اس کی زبانی آپ پاکستان کے بارے میں سنیئے کہ وہ کیا کہتا ہے۔ اس نے اپنا صرف 2 سال کا تجربہ جو "پاکستان آنے کے بعد پاکستانیوں کو کیسا پایا کہتا ہے کہ "ہم پاکستانیوں کے لئے پاکستان دنیا میں جنت سے کم نہیں ہے۔ خدارا پاکستان کو برا مت کہو، اس کی قدر کرو، اس ملک میں جس کے 4 صوبے ہیں ہر صوبہ اپنی جگہ قدرتی دولت سے مالا مال ہے۔ ایک طرف 3 صوبے دنیا میں پیدا ہونے والے

تمام پھل اپنے اپنے موسم کے لحاظ سے بھرپور طریقے سے پیدا کر رہے ہیں۔ کونسی سبزی ہے جو ہمارے ملک میں پیدا نہیں ہوتی۔ کونسا اناج ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے پاکستان کی سرزمین پر پیدا نہیں کیا۔ یعنی فار ایسٹ، خلیج اور یورپ میں کوئی ایک ملک تمام اناج نہیں پیدا کر سکتا۔ یعنی اگر چاول پیدا کر رہا ہے تو گیہوں پیدا نہیں کر سکتا جو گیہوں پیدا کر رہا ہے وہ مکئی، جوار نہیں پیدا کر سکتا۔ جو مکئی پیدا کر رہا ہے وہ دالیں پیدا نہیں کر سکتا۔ یہی حال سبزیوں اور پھلوں کا ہے مگر ہمارا ملک خدا کے فضل سے ہر پھل تمام سبزیاں اور اناج پیدا کر رہا ہے۔ اس ملک کو اللہ تعالیٰ نے قحط سے بھی محفوظ کر رکھا ہے۔ کیونکہ تمام اناج الگ الگ موسم میں بوئے جاتے ہیں اور الگ الگ موسم میں کاٹے جاتے ہیں۔ لہٰذا اگر ایک فصل خراب ہو تو اس کی جگہ دوسری فصل لے لیتی ہے۔ ہر چیز ہماری ضرورت سے زیادہ پیدا ہو رہی ہے۔ بلکہ زیادتی کی وجہ سے اور ہمارے پاکستان میں اس کو صحیح طریقے سے محفوظ رکھنے کے طریقۂ کار اور ذرائع دستیاب نہ ہونے کے باعث یہ فاضل پھل، سبزیاں اور اناج سڑ جاتا ہے۔ اسی طرح ہمارے چوتھے صوبے بلوچستان میں زمین کے اندر اور باہر قدرت نے انمول پتھر، کوئلہ، پیٹرول اور گیس کے ذخائر کے ساتھ ساتھ سیب، بادام، خوبانی، انجیر، شہتوت، اخروٹ، اسٹرابری، کھجوریں وافر مقدار میں پیدا کیں تاکہ پاکستان کسی بھی ملک کا دستِ نگر نہ ہو۔ بلوچستان کی بندرگاہ خلیجی ملکوں کے رابطہ کے علاوہ سمندری پیداوار میں اہم کردار ادا کرتی ہے۔ بہترین جھینگے اور مچھلیاں تو اپنا جواب نہیں رکھتیں۔ اس صوبے میں پیٹرول کے بھاری ذخائر

ہیں مگر ہم نے ابھی تک صحیح منصوبہ بندی نہیں کی۔ ہماری اسی سرزمین سے پیٹرول گزر کر ایران جا رہا ہے۔ اسی طرح گیس کے بھی ذخائر وافر مقدار میں ہیں مگر ہمیں اس کی قدر نہیں ہے۔ کراچی کی بندرگاہ، یورپ اور فار ایسٹ کے درمیان رابطہ کا کردار ادا کرنے کے ساتھ ساتھ پورے ملک کے لئے تجارتی گزرگاہ ہے اور پاکستان کی معیشت میں 65 سے 70 فیصد اخراجات کا بوجھ برداشت کرتی ہے۔ الغرض اس ملک کی جتنی تعریف کی جائے وہ کم ہے۔ البتہ اتنی خوبیوں کو ہمارے سیاستدان گھن کی طرح چاٹ رہے ہیں۔ ہمارا بنیادی ڈھانچہ کونسلر سے لے کر ایم پی اے، ایم این اے، سینیٹر تک کروڑوں روپے خرچ کر کے اربوں روپے وصول کرنے میں لگے ہوئے ہیں۔ آنے والی حکومت صرف جانے والی حکومت کا احتساب کرنے اور آپس میں بیان بازی میں وقت گزار دیتی ہے۔ منصوبہ بندی کی طرف کوئی توجہ نہیں دیتا۔ شہروں اور دیہات میں سڑکوں اور بجلی کا نظام بہت خراب ہے مگر ہائی ویز اور موٹر ویز بن رہے ہیں۔ عام شہری بنیادی ضرورتوں سے محروم ہے۔ ہسپتالوں میں مریض دواؤں اور دیگر سہولتیں نہ ہونے کی وجہ سے سسک سسک کر جان دیتے ہیں۔ ان سیاستدانوں نے اربوں روپیہ قوم کا دبایا ہوا ہے ان کا کوئی احتساب کرنے والا نہیں ہے اور یہی اس ملک کو دیمک کی طرح چاٹ رہے ہیں۔ ہر شخص اس ملک کو برا بھلا کہتا ہے، حالانکہ ہمارے عوام بڑے جفاکش ہیں۔ بغیر حکومت کی مدد اور حوصلہ شکنی کے باوجود تمام نجی سرمایہ کاری ہے اور ترقی میں صرف اور صرف عوام کی انتھک محنت کا دخل ہے۔ ایکسپورٹر کو حکومت کی طرف سے کوئی

مراعات میسر نہیں ہیں۔ مگر وہ پھر بھی اپنے بل بوتے پر غیر ملکی کرنسی لا رہا ہے۔ ہماری بیوروکریسی اس میں مدد کرنے کے بجائے طرح طرح کی رکاوٹیں پیدا کرنے میں اپنا ثانی نہیں رکھتی۔ اسی وجہ سے کرپشن کا بازار گرم ہے، بھاری بھاری درآمدی ڈیوٹیاں لگا کر برآمد کے راستے بند کیئے جاتے ہیں۔ آئی ایم ایف اور ورلڈ بینک کو خوش کرنے کے لئے ان کے پروگراموں پر عملدرآمد کیا جاتا ہے۔ اسٹیٹ بینک اور سی بی آر میں ان کو مستقل دفاتر مہیا کیئے جا چکے ہیں جو ہماری تمام معیشت پر کڑی نظر رکھے ہوئے ہیں۔ ان سے پوچھ کر ہم اپنے روپے کی قیمت مقرر کرتے ہیں۔ غیر ملکی زر مبادلہ نہ ہونے کے باوجود ان کے کہنے پر اشیاء تعیش اور ملک میں بننے والی ہر چیز درآمد کر رہے ہیں۔ پاکستان کو قدرتی وسائل سے مالا مال ہونے کے باوجود حکمران خود بیرون ملک سرمایہ کاری کر رہے ہیں۔ پورے پاکستان میں جتنے قتل اور جرائم ہوتے ہیں ان سے کہیں زیادہ صرف امریکہ کے نیویارک سٹی میں ہوتے ہیں۔ وہاں صرف 20 ڈالر میں غیر ملکی کو یہی کالے اور گورے مار ڈالتے ہیں۔ مگر امریکہ کو کوئی برا نہیں کہتا، کوئی غیر محفوظ نہیں سمجھتا۔ جبکہ خود امریکن نیویارک شہر کے بھرے بازار میں اپنی خواتین کو اکیلے نہیں جانے دیتے۔ ایک واقعہ تو میرے دوست نے سنایا کہ وہ ایک دن گرمی سے گھبرا کر نیویارک کے ایک پارک کے کونے میں درخت کے نیچے لیٹا ہوا تھا کہ ایک کالا آیا اور اس نے ٹانگ مار کر میرے دوست کو جگایا۔ وہ ہڑبڑا کر اٹھا تو اس کالے نے اس سے پرس مانگا، چونکہ میرا دوست کمزور تھا اور کالا کافی بھاری بھرکم تو اس نے خاموشی سے اپنا

پرس دے دیا۔ اس کالے نے جب پرس کھولا تو اس میں صرف 30 ڈالر تھے۔ وہ بڑا خفا ہوا اور اس نے میرے دوست کو ایک زوردار لات ماری اور کہا کہ حرامزادے اس میں تو صرف 30 ڈالر ہیں۔ میرا وقت اس سے زیادہ قیمتی تھا۔ آئندہ جب گھر سے چلو تو پرس میں زیادہ سے زیادہ ڈالر رکھا کرو۔ یہ کہہ کر ایک اور زوردار لات ماری اور خالی پرس منہ پر مار کر چلا گیا۔

میرا اپنے اس نوجوان دوست کا تجربہ لکھنے کا مقصد صرف یہ ہے کہ ہم سب کو اللہ تعالیٰ نیک اور ایماندار قیادت نصیب کرے اور دعا کریں کہ اے خدا تو ہمارے ملک سے اس سیاسی گندگی کو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ختم کر دے یا تو ہمارے سیاستدانوں کو ہدایت دے یا پھر ہمیں ایسا رہبر دے جو صحیح معنوں میں پاکستان کو اس گندے ماحول سے نجات دلا دے اور پاکستان کو اسلام کا قلعہ بنا دے اور اس ملک کو اتنی ترقی عطا کر دے کہ یہ دوسروں سے قرضہ مانگنے کے بجائے اپنے پاؤں پر کھڑے ہو جائیں اور اس پاکستان کو برا بھلا کہنے والے خود اپنے منہ کی کھائیں اور اگر ہم نے اپنی اب بھی اصلاح نہ کی تو 1 سال اور ہم گنوا دینگے۔ بالکل اسی طرح جس طرح ہم نے 69 سال گنوا دیئے ہیں۔ ہماری نئی نسل ہم سے پوچھتی ہے کہ جس پاکستان کا خواب علامہ اقبال نے دیکھا تھا وہ ہمارا اصل پاکستان کب بنے گا۔

بارش کے تین قطرے

عمران خان اور طاہر القادری کے دھرنوں کو مسلم لیگ (ن) کی کچن کیبنٹ جو ان کے زوال کی وجہ ہے۔ چوہدری نثار، پرویز رشید، خواجہ سعد رفیق اور اسحٰق ڈار صاحبان کچھ بھی کہیں مگر ایک بات ضرور ابھر رہی ہے جس کا ماضی میں فقدان تھا۔ باوجود میڈیا بار بار اس کی طرف توجہ دلاتا رہتا تھا۔ وہ وی وی آئی پی کلچر پر عوام کا عدم ردِعمل تھا ۔ مگر کل جب پہلی مرتبہ عوام نے ہمارے ایم این اے رمیش کمار اور سابق وزیر داخلہ رحمٰن ملک کے ساتھ 2 ڈھائی گھنٹہ دیر سے آنے اور پی آئی اے کی پرواز کی تاخیر کرانے کے بعد جس طرح رگیدا وہ ہمت اور جرات ایک زندہ قوم کے جاگ جانے کی جانب بارش کا پہلا قطرہ تھا ۔جس کو 18 کروڑ عوام نے پاکستان میں اور اربوں ٹی وی کے ناظرین نے پوری دنیا میں دیکھا۔ یقیناً بیرونِ ممالک میں رہنے والے پاکستانیوں کے سر فخر سے بلند ہوئے ہونگے ۔ جو پاکستان میں رہنے والے خاموش تماشائیوں کے ردعمل سے عاری عوام سے شاکی تھے۔ جناب رحمٰن ملک کا سابقہ ریکارڈ یہ بتاتا ہے کہ وہ ایف آئی اے کے زور پر پاکستان کے تمام ایئر پورٹس کے بے

تاج بادشاہ مانے جاتے تھے اور جتنی دیر بھی وہ جہاز کو تاخیر کروا سکتے تھے کرواتے رہتے تھے اور تمام مسافر پی آئی اے کے من گھڑت ، جھوٹے جوازوں پر خون کا گھونٹ پی کر رہ جاتے تھے۔ شاباش کے مستحق صرف مسافر حضرات ہی نہیں وہ نڈر پی آئی اے کا عملہ بھی ہے جس نے ملک صاحب سے خوب بحث بھی کی اور عوام کی ترجمانی کرتے ہوئے ان کو اور ان کے ساتھ دیر سے آنے والے ایم این اے کو جہاز سے اتار کر دروازہ بند کر کے جہاز کو روانہ کیا اور آئندہ ان جیسے وی وی آئی پیز کو پہلا سبق سکھا دیا کہ اب تبدیلی ناگزیر ہے ۔ اپنے آپ کو عوام سے برتر جاننے اور ووٹ لینے کے بعد فرعونیت کا مظاہرہ کرنا اب ناممکن ہو گیا ہے۔ کاش ہر ہر مرحلہ میں یہ روشن چہرے ہر جگہ ترقی پذیر ممالک کی طرح پاکستانی بھی زندہ قوم بن کر جئیں کہ ہم کسی سے کم نہیں۔ بارش کا دوسرا قطرہ اتفاق سے صرف ایک دن کے فرق سے اسی قومی ایئر لائن پی آئی اے میں لاہور سے لندن جانے والی فلائٹ میں ہمارے ہر دل عزیز وزیر اعظم صاحب کی روشن خیال بیٹی مریم نواز کے ساتھ پیش آیا جب انہوں نے اپنی میڈ (کنیز) کو جو اکانومی کے ٹکٹ پر بزنس کلاس کی سیٹ پر بیٹھنے کی زبردستی کر رہی تھی اور جہاز کے عملہ کو دھونس دے کر ڈانٹ رہی تھی کہ پی آئی اے ان کے والد کی ملکیت کی طرح ہے۔ مگر شاباشی یہاں بھی پی آئی اے کپتان کے حصہ میں آئی جب اس نے صاف صاف الفاظ میں وزیر اعظم کی صاحبزادی کی دھمکی کو مسترد کر کے خود دھمکی دی کہ اگر ان کی میڈ واپس اکانومی کلاس میں نہیں گئی تو وہ جہاز نہیں اُڑائیں گے۔ آخر کار ان کو بھی پسپا ہونا

پڑا اور ان کی میڈ واپس اکانومی کلاس میں ہی سفر کر سکی ۔ اللہ جانے اس آٹھ گھنٹوں کی فلائٹ میں یہ شاہی خاندان عوامی کلچر کو جاگنے پر کوس رہا ہوگا اور تمام سفر کوفت اور اذیت سے گزرا ہوگا۔ اور وزیر اعظم کے خاندان کی سبکی بھی عوام کی فتح تھی جو اس بے روح قوم میں جان ڈال رہی ہے۔

اس ہفتے بد قسمتی سے پورا ملک سیلاب کی زد میں ہے مگر بارش کا تیسرا قطرہ قائد تحریک جناب الطاف حسین نے اپنی 61 ویں سالگرہ پر پورے پاکستان کے جیالے عوام کی توجہ ملک کے استحکام کی طرف مبذول کراتے ہوئے اعلان کیا کہ اگر پاکستان کو بچانا ہے تو اس کے 20 صوبے بنا دیئے جائیں اور سندھ کے وسائل کا دائرہ کار بڑھایا جائے اور باری باری وزیر اعلیٰ سندھ اس صوبے کی 2 بڑی آبادیوں کے لحاظ سے بنایا جائے تو صوبہ سندھ میں منافرت اور احساس محرومی کو ختم کر کے دونوں کلچروں کو فروغ دیا جا سکتا ہے۔ چند ماہ قبل راقم نے اپنی چھٹی تصنیف **''صوبے کیوں ضروری ہیں''** میں سندھ کے مجموعی وسائل کو پوری دنیا کی طرح پاکستان کے بھی نئے نئے صوبے بنا دیئے جائیں ۔ تا کہ عوام دور دراز علاقوں کے بجائے اپنے ہی علاقوں میں رہ کر اپنے حقوق حاصل کر سکیں۔ گاؤں گوٹھوں اور ہزاروں میلوں کا سفر طے کر کے اپنے حقوق اور انصاف حاصل کرنے کے بجائے اپنے ہی علاقے میں با آسانی حاصل کر سکیں۔ میں اپنی کتاب میں دوسو ممالک کی مثال دے چکا ہوں ۔ یہاں میں اپنے قارئین کو بتانا ضروری سمجھتا ہوں کہ ماضی میں بہت بھیانک تجربات کیے گئے ۔ یکم جنوری 1955ء میں اس وقت ہمارے پاکستان کے 12 انتظامی صوبائی درجہ رکھنے والے علاقوں کو ختم کر کے ون یونٹ بنا دیا گیا۔ جس کو بظاہر

ملکی یکجہتی کا نام دیا گیا پھر اس کی ناکامی کے بعد فوجی ڈکٹیٹر یحییٰ خان کے حکم پر یکم جولائی 1970ء کو ختم کر دیا گیا اور 12 صوبائی علاقے جس میں سندھ کے 3، فیڈرل کیپٹل کراچی، ریاست خیر پور اور صوبہ سندھ , پنجاب کے 2، صوبہ پنجاب اور بہاولپور ۔ سرحد میں 5 سوات ، فاٹا ، ہنزہ، دیر، چترال، NWFP اور صوبہ پنجاب کو 2 اور بلوچستان کے 2 صوبہ بلوچستان اور قلات کو ختم کر کے صرف 4 صوبوں (سندھ، بلوچستان، سرحد، پنجاب) کا اعلان کر دیا گیا۔ یہ مارشل لاء آرڈیننس کے ذریعے عوام کی رائے پوچھے بغیر کر دیا گیا، جس پر پروفیسر غفور احمد مرحوم اور شاہ احمد نورانی مرحوم کے دستخط تھے ۔ گویا 12 صوبائی زندہ ثقافتیں ختم کر کے صرف 4 ثقافتوں کا اتنا پروپیگنڈہ کیا گیا اور 8 ثقافتیں زندہ درگور کر دی گئیں۔ آیئے ایک لمحہ کے لیے ہم مفروضہ سمجھیں کہ صوبے بنانے سے صوبے تقسیم ہو کر ملک کو کمزور کرتے ہیں تو صرف ایک دن بعد ہمارے ساتھ آزاد ہونے والے ملک بھارت کے صرف 12 صوبے تھے۔ آج وہ صوبے بڑھتے بڑھتے 28 اور اس کے علاوہ 7 سے گیارہ آزاد یونٹس وجود میں آ چکے ہیں اور 780 زبانیں بولی جاتی ہیں۔ جن میں 28 زبانیں آفیشل ہیں، 13 مذاہب ہیں۔ کیا بھارت کمزور ہوا؟ کیا وہاں منافرت بڑھی یا اس نے نہ صرف جمہوریت کو زندہ رکھا اور دنیا کی مضبوط ترین معاشی ترقی کی بھارت نے نئے صوبے بنانے کیلئے عدلیہ، بیوروکریسی اور عوامی نمائندوں پر مشتمل ایک کمیشن بنا رکھا ہے جو ہمارے سیاستدانوں نے نہیں بننے دیا اور بھارت نے صرف 2 ڈھائی فیصد عوام کیلئے بھی الگ صوبے بنا دیئے۔ صوبہ اترا کھنڈ، ہریانہ اور دہلی اس کی زندہ مثال

ہے جس کی آبادی صرف 2 ڈھائی کروڑ ہے ۔ اس نے دلی کو آج تک دارالخلافہ بھی رہنے دیا اور ہم نے کراچی کو نہ صوبہ بنایا اور نہ دارالخلافہ رہنے دیا ۔ جبکہ ہم نے صوبے نہ بڑھا کر اپنی معیشت کو کمزور کیا، جمہوریت کو بھی کمزور کر کے مارشل لاز کو راہ دکھائی خود فیصلہ کریں کہ آج ہم مستحکم ہیں یا پھر کمزور پاکستان ۔ ہم دہشت گردوں کی صفوں میں شمار ہوتے ہیں ۔ خود مظلوم ہوتے ہوئے جارحیت والے ممالک میں گنے جاتے ہیں ۔ میں مشکور ہوں جناب حسن نثار کا جنہوں نے اپنے کالم میں میری کتاب ''صوبے کیوں ضروری ہیں'' کو آبِ حیات قرار دیا اور آج پھر ہمارے 18 کروڑ عوام کبھی عدلیہ اور کبھی فوج کی طرف دوبارہ دیکھنے پر مجبور ہیں اور جیسے کہہ رہے ہوں خدارا آپ دونوں آگے بڑھیں اور ہم کو ان سیاستدانوں، وڈیروں، جاگیرداروں، نوابوں، چوہدریوں اور شریفوں سے نجات دلائیں ۔ قارئین خدارا زندہ قوم بنیں ۔ جس طرح آپ نے جرأت کا مظاہرہ کیا ہے اب خود اس نظام سے نکلیں اور حکمرانوں کے گٹھ جوڑ کر کے حکومت چلانے والوں کا محاسبہ کریں ۔ یہی بہترین وقت ہے ان مکاروں سے جان چھڑانے کا ۔ اور ان قطروں کو بارش بنا کر سیلاب میں بہا دیں ۔ جذبات سے ہٹ کر فوری طور پر ایک آزاد کمیشن تشکیل دیا جائے ۔ جس میں تمام ماضی کے صوبوں سے پڑھے لکھے افراد لیں ۔ خصوصاً عدلیہ، بیوروکریسی، پروفیسر، پی ایچ ڈی اساتذہ شامل ہوں اور وہ طے کریں کے کتنے صوبے ہونے چاہئیں ۔ پھر دیکھیں پاکستان بھارت کی طرح کتنا مستحکم ہوتا ہے ۔

برطانیہ میں کیسے کرکٹر تیار ہوتے ہیں؟

اکثر میں سوچتا تھا کہ پاکستان کی کرکٹ میں عمران خان کے، بعد اتنے اُتار چڑھاؤ کیوں آتے رہتے ہیں کبھی ہم کرکٹ کے میدان میں ناقابل تسخیر ہوتے ہیں کہ دھڑا دھڑ ٹی 20 کی دوڑ میں سب کو مات دے کر چمپئن بن جاتے ہیں ۔ ون ڈے کی چمپئن ٹرافی اپنے نام کروا کر پاکستانی عوام کو خوش کر دیتے ہیں ورلڈ کپ تو صرف ایک مرتبہ ہی جیتا ہے مگر اکثر ٹیسٹ میچز بھی لگاتار جیتتے رہنے کے باوجود اچانک ہمارے کھلاڑی پھر ٹیسٹ جیتتے جیتتے ہارنے لگ گئے ہیں اور قوم مایوسی کا شکار ہو جاتی ہے ۔ ہمارے کرکٹ بورڈ کے سربراہ راتوں رات بدل جاتے ہیں ۔ بہت سے بورڈ کے سربراہ ایسے بھی آئے جنہوں نے کبھی کرکٹ کا بلا بھی نہیں پکڑا تھا اور وہ سالوں بورڈ کو چلاتے رہے کچھ ایسے آئے جنہوں نے چند ایک سال کرکٹ کھیلی مگر اپنی جوانی میں کوئی کارنامہ تو نہ انجام دے سکے مگر سیاسی بنیادوں پر وہ پاکستان کرکٹ بورڈ کے سربراہ 5 پانچ سال تک رہ کر غلط فیصلے کرتے رہے اور پاکستان کی کرکٹ کو زوال کی طرف لے گئے مگر آج تک اُن سے کوئی پوچھ گچھ تک نہیں کی گئی ۔ آج

بھی بدقسمتی سے یہ کھیل جاری ہے۔کوئی تسلسل نہ کھلاڑیوں میں دیکھنے میں نظر آرہا ہے اور نہ بورڈ کوئی کارنامہ سرانجام دینے کی اہلیت رکھتا ہے۔ابھی تک بگ تھری اور فور کی جنگ ہمارے آخری دوسربراہوں میں جاری ہے۔ایک اُس کو ہماری کرکٹ ڈپلومیسی قرار دیتا ہے تو دوسرا اُس کو پاکستانی تنزلی قرار دیتا ہے۔اس طرح بار بار ہمارے سلیکٹرز اور کپتان راتوں رات تبدیل کردیئے جاتے ہیں۔ہم دہشت گرد ممالک کے واحد متاثر ملک ہیں جہاں کوئی بھی ٹیم آجانہیں سکتی اور نہ ہی ہماری حمایت میں آواز بلند کرکے کہے کہ کس ملک میں دہشت گردی نہیں ہورہی کہیں کم کہیں زیادہ مگر صرف پاکستان ہی اس کا نشانہ کیوں ہے؟خیراس کا کچھ جواب مجھے حالیہ دورہ برطانیہ میں نظر آیا۔ہوا کچھ اِس طرح میری صاحبزادی چارسال قبل اپنی فیملی کے ہمراہ کراچی کے حالات سے متاثر ہوکر برطانیہ منتقل ہوگئی۔میرا نواسہ عمر ذیشان اور نواسی فاطمہ ذیشان کو دوبارہ اپنی تعلیمی سرگرمیاں برطانیہ کے لحاظ سے شروع کرنی پڑیں تو پہلے 2 سال وہ سرکاری اسکولوں میں پڑھتے رہے اگرچہ برطانیہ میں ہر علاقے میں رہنے والوں کیلئے اسکول اور کھیل کا میدان لازمی ہوتا ہے داخلہ میں کوئی دقت نہیں پیش آئی۔مگر پرائیویٹ اسکول کے معیار سرکاری اسکولوں کے مقابلے میں بہت بہتر ہوتے ہیں اور اُن سکولوں کی فیس بھی بہت زیادہ ہوتی ہیں۔اُن کا داخلہ صرف میرٹ پر ملتا ہے۔خوش قسمتی سے دونوں تعلیم کے میدان میں بہت تیز ثابت ہوئے پھر میرٹ پرانہیں پرائیویٹ اسکولوں میں داخلہ بھی مل گیا۔یہاں تعلیم کے ساتھ ساتھ اضافی خصوصیات کا ہونا بھی لازم ہوتا ہے

یعنی کھیل موسیقی وغیرہ تو نواسہ چونکہ پاکستان میں کرکٹ سے بہت لگاؤ رکھتا تھا تو اُس نے جلد ہی اپنے اسکول میں نمایاں مقام بنایا اور وہ آل راؤنڈر ابھر کر انڈر 13 کیپٹن بن گیا یہ اُس کیلئے بھی اور پاکستان کیلئے بھی اعزاز تھا پھر یہاں بچوں کی تعلیم اور تربیت خصوصاً کھیل کو دبچوں کیلئے لازمی درجہ رکھتے ہیں تو اسکول کی طرف سے اُس علاقے کی ٹیموں میں دن رات مقابلے کرائے جاتے ہیں تو عمر ذیشان صرف 12 سال کی عمر میں اسکول میں بہترین اوپنر اور بہترین اسپنر بن کر اُبھرا تو دوسرے اسکولوں کو ہرانے میں بہت جلد اپنے اسکول کا نام روشن کرنے لگا پھر اس کو ماضی کے اسپنر جو برطانیہ کی ٹیم میں کرکٹ کے میدان میں نمایاں مقام رکھتے تھے گا ہے بگاہے اس کے اسکول میں آکر کھیل کی ٹیکنیک سکھا جاتے تھے پھر ایک مقام ایسا آیا کہ اس کی ٹریننگ اب برطانیہ کے سب سے بڑے کھیل کے میدان لارڈز میں شروع ہوگئی اتفاق سے میں بھی گرمیوں کی چھٹیوں میں آجکل یہاں آیا ہوا تھا۔وہ مجھے لارڈز کی ایم سی سی اکیڈمی اپنی پریکٹس دکھانے لے گیا یہاں مجھے پتہ چلا برطانیہ والے کرکٹ کے میدان میں کیوں نمایاں مقام رکھتے ہیں اس اکیڈمی میں 10 بچوں کو باؤلنگ آٹومیٹک مشین سے بیک وقت صبح 9 بجے سے شام 6 بجے تک لگاتار اسکولوں کالجوں کے طالب علموں کو ترتیب وار ٹریننگ دیتی ہیں اگرچہ اس کی فیس بہت زیادہ ہوتی ہے 60 پونڈ فی گھنٹہ لیتے ہیں مگر آپ نہیں ادا کرسکتے تو آپ اپنے علاقے کی کاؤنٹی کونسل کو جا کر اپنے شوق سے آگاہ کرسکتے ہیں وہ آپ کی طرف سے یہ فیس ادا کرے گی اگر آپ کی کارکردگی

بہت بہتر ہوگی تو آپ کا اسکول آپ کو سپورٹ کرے گا جیسا کھیل کے میدان میں اضافی صلاحیت کی بنیاد پر اب عمر کا اسکول اُس کو اسکالر شپ دے رہا ہے یوں اُس کے تعلیمی اخراجات میں کمی آرہی ہے دوسری طرف اس سال اُس کو علاقہ کی ٹیم سے نکال کر اُس کی کاؤنٹی ٹیم میں شمولیت لازمی ہورہی ہے اب وہ مڈل سکس سے انڈر 15 ٹیم میں شامل ہوجائے گا اور پاکستان کا نام بھی روشن کرے گا اس اکیڈمی میں بیک وقت 100 بچے روزانہ کرکٹ کی تربیت حاصل کرتے ہیں ہر بچہ ایک گھنٹہ کی ٹریننگ کے بعد دوبارہ جب اُس کا نمبر آئے گا تب ہی وہ صرف ایک گھنٹے کیلئے آئے گا۔ گویا سینکڑوں بچے اس اکیڈمی سے فائدہ اٹھا رہے ہیں۔ یہ اکیڈمی اُس کے علاقے کی اکیڈمی کے علاوہ ہے جہاں چھوٹے بچے اسکول کی چھوٹی کلاسوں کے بچوں کے ساتھ تربیت حاصل کرتے ہیں اس درجہ کے بعد 8 دس چھوٹے علاقوں کے بعد اُن کی کونسل جس کو وہ بارو (Barrow) کہتے ہیں اس سے بڑے بچوں کیلئے وہ اکیڈمیاں بناتی ہیں پھر کاؤنٹی کا نمبر آتا ہے۔ اس ایم سی سی اکیڈمی کی بیرونی دیواروں پر پاکستانی یونس خان کے علاوہ دیگر نمایاں کھلاڑیوں کے بڑے بڑے فوٹو لگے ہوئے ہیں صرف نمایاں طور پر ایک بہت بڑی دیوار پر بھارت کے سچن ٹنڈولکر کا فوٹو بھی لگا ہوا ہے البتہ اکیڈمی کے اندرونی دیواروں پر دوسرے کرکٹ کھیلنے والے ممالک جن میں پاکستان بھی شامل تھا اُس کی ہسٹری نمایاں طور پر 1954 سے 1998 تک یعنی پاکستان کے پہلے کرکٹ کے کپتان عبدالحفیظ کاردار سے لیکر 1998 کے آخری کپتان انضمام الحق

کپتانی میں ٹیموں کے فوٹو اور کتنے میچ جیتے اور ہماری ساری ہسٹری لکھی تھی یہاں کی اس اکیڈمی کے علاوہ برطانیہ میں تقریباً 53 کاؤنٹیز ہیں جو اپنے اپنے علاقوں میں ہر کھیل میں خواہ کرکٹ، فٹ بال، ہاکی، پیراکی، موسیقی ہر میدان میں اپنے شہریوں کے بچوں کی تربیت دے رہی ہیں کیا پاکستان کھیل کی وزارت نے اکیڈمیاں بنائی ہیں جو ہمارے مستقبل کے معماروں کو تربیت دے سکیں۔

بلیک فرائیڈے

پاکستان میں آج کل مذہبی حلقوں میں بلیک فرائیڈے پر بڑی تنقید ہورہی ہے۔ خصوصاً لفظ جمعہ کے نام پر، مغرب میں اُس بلیک جمعہ کو خصوصی رعایت پر بازار لگتے ہیں۔ 50فیصد سے 70فیصد تک اشیاء پر سیل لگتی ہے اورعوام اس موقع سے فائدہ اُٹھا کر بہت زیادہ خریداری کرتے ہیں۔اس طرح کی سیل سال میں مختلف موقعوں پر لگتی رہتی ہے۔ مثلاً ایک سیل گرمیوں کے شروع میں سمر سیل کہلاتی ہیں اُس پر ہلکے پھلکے کپڑے خصوصی طور پر خریدے جاتے ہیں۔اُن کے ساتھ دیگر اشیاء بھی شامل کرکے کاروبار بڑھایا جاتا ہے۔ پھر سردی آنے سے پہلے بھی سردیوں کے کپڑے سیل پر لگا دیئے جاتے ہیں۔جس سے کم قیمت پرعوام گرم کپڑے خرید کر کافی بچت کرتے ہیں۔ پھر کرسمس کے تہوار پر بہت بڑی سیل لگا کر ہر کسی کوتہوار منانے میں آسانی ہوجاتی ہے اور تحفے تحائف بھی سستے کرکے عوام کوخوش کیا جاتا ہے۔ بڑے بڑے ادارے اس میں اپنا حصہ ڈالتے ہیں۔ پھر یہ سیل بڑھتے بڑھتے

نیو ائیر میں داخل ہوجاتی ہے۔ جو چیز خریدنے سے رہ جاتی ہے وہ نیو ائیر یعنی نئے سال کے شروع میں اس سیل سے فائدہ اُٹھایا جاتا ہے۔ سب سے زیادہ رش پہلے امریکہ، کینیڈا اور یورپ میں باکسنگ ڈے کا نام دے کر جو سامان سارے سال بکنے سے رہ جاتا ہے اُس کوختم کرنے کی غرض سے ایک دن یعنی نئی سال کے رات سے لے کر دوسرے دن تک ہوتی تھی۔ جس کو اب ایک ہفتے تک بڑھا دیا گیا ہے۔ اور آپ پورے ہفتے جو سامان بچ جاتا ہے خرید سکتے ہیں۔ اس کے پیچھے ایک کامیاب اکانومی اصول ہے ایک طرف تمام پُرانا سامان ختم ہوجاتا ہے شیلف خالی ہوجاتے ہیں، پیسے وصول ہوجاتے ہیں اور پھر نئے نئے ڈیزائن متعارف کرائے جاتے ہیں۔ اور پھر سے خریداروں کو للچایا جاتا ہے کہ نئے نئے کپڑے، چیزیں خریدیں۔ اُس سے نئی کمائی کا راستہ کھلتا ہے۔ ملک میں نئے نئے کارخانے وجود میں آتے ہیں۔ عوام کو روزگار ملتا ہے اور گلشن کا کاروبار کامیابی سے چلتا رہتا ہیں۔ اس موقع پر ہوائی جہاز کے کرائے بھی کم ہوتے ہیں۔ بد قسمتی سے ہمارے اسلامی ممالک بشمول پاکستان، اول تو ایسے مواقع عوام کو نہیں دیئے جاتے اُلٹا مذہبی تہواروں پر قیمتیں دُگنی تگنی کرکے مسلمانوں کا تہوار دشوار کردیا جاتا ہے۔ مثلاً رمضان المبارک کی آمد سے پہلے ہی کھانے پینے کے اشیاء غیر ضروری طور پر تمام بازاروں میں از خود مہنگی کردی جاتی ہیں۔ رمضان کے آخری عشرے میں کپڑوں

،جوتوں اور سامان آرائش بھی مہنگا کر دیا جاتا ہے ۔ ہر سال مقامی انتظامیہ دوکانداروں کو وارننگ دیتی ہے ۔ چند دن پکڑ دھکڑ ہوتی ہیں پھر ہر سال کی طرح بقایا دن اُسی طرح مہنگے داموں فروخت ہوتا ہے۔ وہ مذہبی حلقے اُس کے خلاف کیوں مہم نہیں چلاتے ،مہنگا بیچنے والوں کے خلاف کیوں خاموش رہتے ہیں۔ مگر جب بلیک جمعہ کے نام پر سستے داموں اشیاء فروخت کرنے کی بڑے سٹور والوں نے شروع کی تو علماء اُس کے خلاف فتوے دینے لگے ۔ یہ مغربی ،یہودی طرز تجارت کا نام لگا دیا اور مسلمانوں کو سستے داموں فروخت کرنے سے منع کر دیا۔ اور خریداری اور فروخت کو حرام قرار دے دیا۔ اول یہ نام مغربی مما لک نے خود رکھے ہیں۔ جیسے سنڈے بازار ،منگل بازار ،ویک اینڈ بازار وغیرہ وغیرہ ،کبھی ہمارے علماء یا مذہبی حلقوں نے یہ بھی بتایا کہ مغرب والوں نے تمام اچھے اصول جو اسلام نے وضع کئے مثلاً سچ بولنا ،فروخت شدہ مال واپس لینا یعنی خراب یا ناپسند مال اگر خریدار واپس کرنا چاہے تو وہ واپس لے کر رقم لوٹا دینا۔ ان یہودی اور عیسائی مما لک میں قانون کی حکمرانی ہے ۔ کوئی رشوت ،سفارش کام نہیں آتی نہ رشتہ داریاں کام آتی ہے جو حق پر ہے وہ صحیح ہے اس کے خلاف کبھی ہمارے مذہبی حلقے کیا اس پر فتوے دیتے ہیں۔ فتوے کو کھیل بنا رکھا ہے جب سرسید احمد خان نے انگریزی تعلیم پڑھنے کی مہم چلائی تا کہ مسلمان غیر ملکی زبان پڑھ کر آگے بڑھیں تو اُن کے خلاف فتویٰ دیا گیا۔ قائداعظم

نے ہندوستان کی تقسیم اور مسلمانوں کا الگ ملک بنانے کی کوشش شروع کیں تو بھارتی ہندوؤں سے زیادہ مسلمان علمائے ہند نے سب سے زیادہ مخالفت کی۔ اور قائداعظم پر بھی کافر ہونے کا فتویٰ دیا۔ اور یہی وہ حلقے چاند پر جانے پر بھی لاحول پڑھتے تھے۔ شروع شروع میں تو تصویر کھچوانے پر بھی فتویٰ ،ٹی وی حرام ،آذان لوڈ سپیکر سے منع کی گئی ۔ آج کے موجودہ دور میں بہت سے تبلیغی حلقے نماز بھی لوڈ سپیکر سے نہیں پڑھاتے ۔ یہ حلقے کیوں فتویٰ نہیں دیتے جو حکومت نے درجنوں ٹیکس لگائے ہیں۔ اسلام میں زکوٰۃ کے علاوہ مسلمانوں پر کوئی ٹیکس نہیں ہے کیا یہ مغربی مما لک کے ٹیکسوں پر کوئی فتویٰ جاری کیا۔ اُس پر کیوں خاموش رہتے ہیں۔ خود جب پرویز مشرف کے دور میں ایم ایم اے کے نام پر سیاسی گٹھ جوڑ بنا اور بہت بڑی تعداد میں علماء قومی اور صوبائی اسمبلیوں میں پہنچے تو کیا انہوں نے ان غیر اسلامی ٹیکسوں کے خلاف کوئی کاروائی کی ،اسلامی نظام نافذ کیا۔ شیور کی مرغی حرام اور سیاسی رشوتیں لے کر بڑی بڑی وزراتیں ،پرمٹ ،مراعات حلال ہیں۔ جمعہ سے یاد آیا قرآن نے صاف کہا ہے کہ اے مسلمانو! جب جمعہ کی نماز کا وقت آئے تو کاروبار بند کر دو۔ اور پھر جمعہ کے نماز کے بعد پھر کاروبار جاری کرو۔ اور زمین پر پھیل جاؤ، ہمارے علماء جمعہ کے چھٹی کرنے کو عین اسلامی قرار دیتے ہیں ۔ مرحوم ذوالفقار علی بھٹو کے دُور میں اور درمیان میں نواز شریف دُور میں بھی جمعہ کے چھٹی کروا کر اسلامی

کامیابی قرار دیتے ہیں۔ ہمارے 50 سے زائد مسلمان مما لک میں جمعہ کی چھٹی ہوتی ہیں۔ جبکہ قرآن اس دن کو کاروبار کے لئے فائدے مند قرار دیتا ہے۔ان علماء نے کبھی ہندوؤں کی رسومات ،شادی کی رسومات ،پتنگ بازی کی رسومات کے خلاف مہم چلائی۔فتووں کا بازار لگا ہوا ہے،ایک دوسرے کو کافر قرار دے کر مذہبی آڑ میں عوام کو بیوقوف بنا کر ان میں تفرقہ ڈال کر لڑایا جاتا ہے۔دنیا چاند پر جاری رہی ہے۔روز روز نئی ایجادات کر رہی ہے۔ہم نہ خود ترقی کرر ہے ہیں اور نہ ہی عوام کو ترقی کرنے دینا چاہتے ہیں۔ہم کب تک ان مذہبی فرقوں میں بٹے رہیں گے۔اوران کی جیبیں بھرنے کا کام کرتے رہے گے۔اُن کے پاس 10 دس لینڈ کروزر کہاں سے آرہی ہیں۔بڑے بڑے مدرسے چلا رہے ہیں۔ایک طرف حکومت کو بلیک میل کرتے ہیں تو دوسری طرف عوام کو بیوقوف بنا کر اپنے پیٹ بھر رہے ہیں۔

کنیڈا میں مذہبی آزادی

میں سال میں دو مرتبہ کم از کم کنیڈا امریکہ اور یورپ جاتا ہوں ایک گرمیوں میں دوسرا سردیوں میں۔سردیوں میں جب کنیڈا اور لندن برف سے ڈھکا ہوا ہوتا ہے جیسا کہ آج کنیڈا میں درجہ حرارت منفی 28 سینٹی گریڈ ہے ہر طرف برف ہی برف جمی ہوئی ہے سڑکیں ویران ہیں کیونکہ محکمہ موسمیات نے مزید سردی کی پیشگی اطلاع کے ساتھ سخت جھکڑ چلنے کا عندیہ دیا ہوا ہے خصوصاً خواتین اور بچوں کو زیادہ سے زیادہ گھروں میں رہنے کا مشورہ دیا ہوا ہے لہٰذا میں بھی گھر میں بیٹھ کر سکون سے کالم لکھ رہا ہوں۔آج کل پاکستان کے موجودہ حالا ت کی وجہ سے تقریباً اکثر پاکستانی صنعکاروں کے کاروبار اور فیملیز پاکستان سے باہر جانے پر مجبور ہو چکی ہیں خصوصاً گذشتہ 7 آٹھ سال سے ہر کسی کو دہشت گردوں، بھتہ خوروں سے ڈرا ہوا رہتا ہے مگر جب سے سانحہ پشاور کا واقعہ ہوا ہے تو پورا پاکستان ہل کررہ گیا مگر جب ہماری افواج کی طرف سے فوجی عدالتیں لگنے کا عمل شروع ہوا تو قوم نے سکون کا سانس لیا اور پھانسی کے مجرموں کو لٹکانا شروع کیا تو اب امید ہو چکی ہے کہ پاکستان کے حالات

میں یقیناً تبدیلی آئے گی۔ جب ماضی میں راقم کنیڈا میں کسی بھی پاکستانی دوست یا رشتہ دار سے ملتا تھا تو وہ سب سے پہلے پاکستان کے بگڑے حالات پر تبصرہ کئے بغیر نہیں رہتا تھا مگر اس مرتبہ فوجی عدالت کی وجہ سے یہاں پر رہنے والے لاکھوں پاکستانیوں میں خاصی تبدیلی بھی دیکھنے میں آئی ہے اور اب وہ یہ دوبارہ سمجھتے ہیں کہ اگر دہشت گردوں کا مکمل طور پر صفایا نہ کیا گیا تو حالات مزید بگڑ سکتے ہیں جس سے قوم اور فوج دونوں کو ہوشیار رہنا ہوگا۔ ہمارے دشمن ممالک کو اب تک ہمارا ایٹمی پروگرام ہضم نہیں ہوسکا اور ماضی کا مضبوط پاکستان اور اسکی بہادر افواج آج بھی آنکھوں میں کھٹکتی ہیں۔ وہ پاکستان کو ترقی کرتا نہیں دیکھ سکتے اُن کے ایجنٹ آج بھی پاکستان میں بیٹھ کر ہر طرح کا نقصان پہنچانے کے درپے ہیں اسی طرح کچھ سیاسی جماعتیں بھی ان کے ساتھ ملکر دانستہ طور پر رکاوٹیں ڈالنے کی کوشش کرتیں ہیں خصوصاً جب انکے مفادات کو نقصان پہنچے تو وہ کھل کر سینہ سپر ہوجاتی ہیں فوجی عدالتیں چونکہ فوری طور پر انصاف دینے کی صلاحیت رکھتی ہیں اور ان کا کوئی مفاد بھی نہیں ہوتا اس وجہ سے مذہبی جماعتیں مدارس کی آڑ میں غلط کام بھی کروانے کی کوشش کرتی ہیں اگر صحیح معنوں میں تجزیہ کیا جائے تو مدارس حقیقی درسگاہوں کا درجہ رکھتے تھے، علماء کا بہت احترام ہوتا تھا علماء دنیاوی کاموں خصوصاً سیاست سے دور ہوکر اسلام کی تعلیم دینے میں دلچسپی رکھتے تھے مگر آج یہ بھی ایک کمائی کا ذریعہ بن چکا ہے اب تو بہت سے مفتی اور علماء نے تو حد ہی کردی اربوں کھربوں روپے کے مضاربوں کی آڑ میں عوام کو لوٹا جا رہا ہے دین کو تجارت بنا کر قوم کو

بیوقوف بنا رکھا ہے۔ یہاں میں حکومت کو ایک صائب مشورہ دینا چاہتا ہوں کہ تمام مدارس اور اسکولوں میں جہاں جہاں قرآن پڑھایا جاتا ہے لازمی طور پر اس کا ترجمہ بھی پڑھایا جائے تاکہ پڑھنے والے بچے کو پتہ چلے کہ وہ کیا پڑھ رہا ہے جس طرح انگریزی کا ترجمہ کرایا جاتا ہے بالکل اسی طرح قرآن کا عربی ترجمہ بھی ساتھ ساتھ پڑھایا جائے تو یقیناً آنے والے زمانے میں ہمارے بچے بھی قرآن کے صحیح معنوں میں مسلمان بنیں گے ورنہ لاکھوں حافظ قرآن زبانی تو پورے قرآن کو حفظ کرلیتے ہیں مگر بدقسمتی سے ایک لفظ کے معنی بھی نہیں جانتے اس لئے وہ عملی طور پر لاعلم ہی رہتے ہیں مگر جب وہ معنی کے ساتھ قرآن پڑھیں گے تو وہ بہکانے والے مولویوں کی باتوں میں نہیں آئیں گے اور اسی لاعلمی کی وجہ سے ان سے آج غلط کام کروا کر اسلام کو بدنام کردیا گیا ہے۔ آج پوری دنیا میں ڈیڑھ ارب مسلمانوں میں عربوں کو چھوڑ کر 99 فیصد مسلمان قرآن کی ہدایت سے ناواقف ہیں مفتیان و علماء اُن کو مسلکوں میں الجھا کر دونوں ہاتھوں سے لوٹ رہے ہیں آج صبح کنیڈا کی خبروں میں پیرس کے واقعہ کا ردِعمل بھی دیکھنے اور سننے میں آیا جس میں بتایا گیا کہ فرانس کے جریدے نے جو 60 ہزار کی طباعت کرتا تھا تیں لاکھ تو اشاعت کرکے پوری دنیا میں فروخت کردیا ہے اب مزید تیں لاکھ اور چھاپ کر فروخت کرنے کا فیصلہ کیا ہے دو لاکھ تو کنیڈین قوم بھی خریدے گی اعلانات میں بتایا گیا ہے کہ جمعہ تک یہ اخبار کنیڈا میں بھی فروخت کے لئے آجائے گا اس سے یقیناً مسلمانوں کے خلاف نفرتیں بڑھیں گی۔ پاکستانی علماء اور عوام کی اطلاع کے

لئے بتاتا چلوں کہ کنیڈا میں ہر مذہب کو اتنی آزادی ہے جتنی شاید کسی بھی 56 مسلمان ملکوں میں ہو ہمارے محلے میں ایک گرجا گھر ہے جس میں جمعہ کی باقاعدہ نماز اور خطبہ ہوتا ہے ہفتہ کو وہی گرجا یہودی استعمال کرتے ہیں اور اتوار کو عیسائی اپنی عبادت کرتے ہیں آج تک کسی کو اعتراض نہیں ہوا۔ میں بھی اکثر جمعہ کی نماز اسی گرجے میں جا کر پڑھتا ہوں جو دو گلیاں پیچھے واقع ہے اس گرجے کی ایک دن کی بکنگ صرف مسلمانوں کے لئے مخصوص ہے پچھلے سال محرم میں ہم ایک بازار سے گزر رہے تھے تو ایک طرف کی سڑک بند تھی جب دوسری طرف سے ہم گزرے تو دیکھا اہل تشیع ماتم کر رہے تھے اور کنیڈین تعجب سے دیکھنے کے لئے جمع تھے۔ جلوس کے ساتھ ساتھ چند پولیس والے بھی چل رہے تھے۔ گذشتہ سال چند خواتین نے جمعہ کی نماز پڑھانے کا اعلان کیا تو اس مسجد میں تو بیس پچیس خواتین نماز باجماعت خاتون کی امامت میں پڑھ رہی تھیں البتہ سینکڑوں مرد حضرات انہیں دیکھنے جمع ہو گئے تھے مگر یہاں کے قانون کے مطابق کوئی کسی پر اعتراض نہیں کر سکتا آزادی کی ایک جھلک یہ بھی دیکھنے میں آئی کہ ایک سرکاری زمین جو کمیونٹی سروس کے لئے خالی تھی تو مسلمانوں نے مل کر مسجد بنانے کی درخواست دی ساتھ ساتھ عیسائیوں نے بھی گرجے کی درخواست دی تو انتظامیہ نے وہ قطعہ اراضی مسلمانوں کو الاٹ کر دیا کیونکہ اس علاقے میں گرجا گھر پہلے سے موجود تھا مگر مسجد نہیں تھی اور مسلمانوں کے گھر بھی زیادہ تھے۔ اکثر مسلمان جہاں مسجد ہوتی ہے اس کے نزدیک رہنے کو ترجیح دیتے ہیں اس وجہ سے وہاں حلال سامان کی دوکانیں بھی

کھل جاتیں ہیں جس سے مسلمانوں میں جن میں اکثریت پاکستانی اور ہندوستانی ہوتے ہیں سب بہت محبت کے ساتھ گھل مل کر رہتے ہیں ایک دوسرے کے دکھ درد میں بھی شریک ہوتے ہیں۔ کیا پاکستان میں ایک مسلک کی مسجد میں دوسرے مسلک سے تعلق رکھنے والے امامت کر سکتا ہے۔ جہالت کی وجہ سے ہم خود آپس میں بٹے ہوئے ہیں اسی وجہ سے ہم کمزور ہو چکے ہیں یہاں اگر کوئی پانچ سال رہے جائے تو اس کو کنیڈین شہریت مل جاتی ہے کیا کسی مسلمان ملک میں بیس بیس سال سے پاکستانی رہتے ہیں ان کو شہریت تو کجا لاکھوں روپے لیکر بھی کفیل اور سرکاری فیس کی مد میں خرچ کرکے ہر دو سال بعد اُس کی تجدید کرانی پڑتی ہے۔

کینیڈا میں پاکستانیوں کی خدمات

پچھلے ہفتہ کے دن ہمارے ایک دوست شاکر رحمت اللہ نے جو کینیڈا میں گزشتہ 20 سال سے مقیم ہیں، بہت بڑے بلڈر بھی ہیں۔ ہمیں ایک دن ایک ڈاکومنٹری فلم میپل مورننگ (Meaple Morring) دیکھنے کے لئے مدعو کیا جو پاکستانی سفارتخانے کے سابق قونصل جنرل ڈاکٹر اصغر گولو کی خواہش پر پاکستانی آرٹسٹ و کیروگرافر جناب فہیم حامد علی خان نے بہت خوبصورت فلم بنائی جس میں صرف پاکستان سے تعلق رکھنے والے کامیاب ترین پڑھے لکھے ہنر مند تاجر، صنعت کار، بلڈرز، ڈاکٹر، پروفیسرز، انجینئرز جو گزشتہ نصف صدی سے لے کر گزشتہ 10 سال سے کینیڈا میں مقیم ہیں۔ جس میں آغا خانی، بوہری، قادیانی فرقوں سے تعلق رکھنے والے افراد شامل ہیں۔ ان کی کامیاب زندگی کی عکاسی کی گئی ہے، یہ فلم تقریباً ڈھائی 3 گھنٹوں پر محیط تھی۔ جس کو کھچا کھچ بھرے تھیٹر میں بڑے شوق اور اطمینان سے مقیم پاکستانیوں نے دیکھا اور کامیابیوں کو سراہا۔ اس فلم میں صرف کاروباری یا ہنر مندی کو واضح نہیں کیا گیا بلکہ ان کینیڈین کمیونٹی کی خدمات کو بھی اُجاگر کیا گیا تھا اور متفقہ طور

پر ہر شخص نے اپنے اپنے پیشے کے لحاظ سے کمیونٹی کے لئے بہت وقت نکالا اور عوام الناس کی خدمت کی۔ فلم میں بہت بڑی لسٹ میں شامل ہمارے پاکستانی ایم پی حضرات یاسر نقوی، محترمہ اقراء خالد، سلمٰی زاہد ممبر پارلیمنٹ ڈاکٹر شفیق قادری، سینیٹر سلمٰی عطاءاللہ جان صاحبہ، سابق ایم پی خالد عثمان صاحب شامل تھے۔ کاروباری حضرات میں کیم صدیقی، شاکر رحمت اللہ، علی قلزلباش، ڈاکٹر محبوب الٰہی کے علاوہ درجنوں قابل قدر افراد شامل ہیں۔ اس فلم میں خصوصاً کینیڈا اور پاکستان بزنس کونسل کے صدر جناب سمیر ڈوسل کی خدمات کا بھی اعتراف کیا گیا ہے۔ جن کی بدولت ان دونوں ملکوں کی درآمدات اور برآمدات کا ہدف ایک ارب ڈالر سالانہ تک پہنچ گیا ہے۔ فلم کے اختتام پر مارکھم شہر کے میئر جناب فرانک اسکارپٹی نے تقریر میں مزید حیرت زدہ کر دیا کہ مارکھم میں سب سے زیادہ پاکستانی تجارت اور پڑھے لکھے پیشوں سے وابستگی کے ساتھ ساتھ کمیونٹی سروس میں دوسرے ممالک سے آئے ہوئے امیگرینٹس میں سب سے آگے ہیں اور مذہبی ہونے کے ساتھ ساتھ قانون کے احترام میں بھی سب سے آگے ہیں۔ مارکھم ہسپتال کی مد میں 56 ملین ڈالرز کی خطیر رقم کونسل کو جمع کر کے مارکھم کا سب سے اہم مسئلہ حل کرایا۔ پھر مہمان خصوصی اونٹوریو کی پری میئر (چیف منسٹر) آنرایبل کیتھلین وائن صاحبہ نے بھی خطاب میں کمیونٹی کی تعریف ان الفاظ میں کی کہ ان پر میں اپنی سیاسی کیریئر میں شروع ہی سے متاثر رہی ہوں۔ ان کی انتھک خدمات کی وجہ سے میں آج اس عہدے پر 2 مرتبہ منتخب ہو کر پہنچی ہوں۔ یہ کمیونٹی سب سے اعلیٰ

کردار کی حامل ہے اور میں ان کی شکر گزار ہوں۔ کینیڈا کے وزیر سائنس اور تحقیق کے ڈاکٹر رضا مریدی نے جو ایران سے کینیڈا میں سیٹل ہوئے ہیں نے بتایا کہ وہ ڈاکٹر عبدالسلام کے شاگردوں میں سے ہیں۔ انہوں نے بہت کچھ نوبل انعام یافتہ ڈاکٹر عبدالسلام سے سیکھا۔ آج ان کی بدولت میں یہاں کا وزیر سائنس اور تحقیق ہوں اور کینیڈا میں جو بھی محنت کرتا ہے بغیر کسی رنگ، نسل، زبان، ثقافت و تعصب نام کی کوئی شے نہیں ہے۔ کینیڈین صرف اور صرف کینیڈین ہوتا ہے اور ہم سب کو کینیڈین ہونے پر فخر ہے۔ آخر میں پاکستان کے قونصل جنرل جناب عمران صدیقی نے بھی تقریر میں پاکستان اور کینیڈا حکومت کے مشترکہ تعاون کا ذکر کیا۔ سب سے پہلے کراچی میں سمندر پاکس بے پر کینیڈین پاور پلانٹ شامل ہے اور دیگر شعبوں میں بھی کینیڈا نے پاکستان سے بھرپور تعاون کیا اور پھر پاکستانیوں کی کینیڈا میں ترقی و کامیابیوں پر خراج تحسین پیش کیا۔ کینیڈا میں اس وقت 5لاکھ مقیم پاکستانی پڑھے لکھے کامیاب افراد میں شمار ہوتے ہیں۔ یہاں کسی بھی قسم کی نسل پرستی نہیں ہے، سب مل کر خوشحالی کی زندگی گزار رہے ہیں۔ اس فلم میں پی آئی اے کا بھی ابتدائی دنوں میں خدمات کا اعتراف شامل تھا۔ جس نے کینیڈین ائر لائنز کو ہوائی ٹیکنالوجی سے روشناس کرایا اور مانٹریال اولمپکس میں پاکستان کی ہاکی گولڈ میڈل کا بھی ذکر تھا۔ الغرض پاکستانیوں کی روشن مستقبل کے لئے کینیڈا ایک لاجواب ملک ہے۔ جس نے ہر ملک کے پڑھے لکھے شہریوں کو اپنے اندر ایک اکائی میں سمو رکھا ہے۔ یہاں ہر چیز سے بالاتر ہو کر صرف کینیڈین کلچر کو فروغ دیا جاتا ہے۔

دل کو بہت خوشی ہوئی، کاش ہماری حکومت ان 5لاکھ موتیوں کی قدر کرتی اور ان کو ملک چھوڑ کر جانے پر مجبور نہ کرتی۔ تو یہی ان کروڑوں غیر ممالک میں پاکستانی باہر جا کر اپنے جوہر اپنے ہی ملک میں دکھاتے تو آج ہم کہاں سے کہاں ہوتے۔ اس تقریب کے دوسرے ہی دن کینیڈا کے شہر کیوبیک کی مسجد میں ایک دہشت گرد نوجوان نے رات عشاء کی نماز کے وقت بزدلانہ حملے میں 6 مسلمان نمازیوں کو شہید اور 20 مسلمانوں کو گولیوں سے زخمی کر دیا۔ تو پورے کینیڈا میں سوگ کے بادل چھا گئے۔ دیکھتے ہی دیکھتے یہاں کی وفاقی، صوبائی حکومتیں حرکت میں آ گئیں۔ قاتل کو دوسرے ہی دن گرفتار کر کے مقدمات بنا کر جیل میں ڈال دیا اور ہر طرف مسلمانوں سے ہر طرح کی یکجہتی دیکھنے میں آئی۔ کیوبیک مسجد کے باہر ہر قوم، مذہب، نسل کے باشندے اظہارِ یکجہتی کے لئے جمع ہو گئے۔ ایسا لگتا تھا کہ پورا کینیڈا سوگوار ہو گیا ہے۔ میں نے آج تک دیارِ غیر میں مسلمانوں کے ساتھ اتنی ہمدردیاں خود مسلمان ملکوں میں نہیں دیکھی جو کہ کینیڈا میں دیکھی۔ خود یہاں کے وزیراعظم جسٹن ٹرودو اس قتل کے خلاف ایسے ڈٹے کہ جس کی کوئی مثال نہیں دی جا سکتی ہے۔ وزیراعظم نے ان مسلمانوں کے جنازے میں پہلے دن شرکت کی جو انتقال کر چکے تھے اور دوسرے 3 مسلمانوں جن کی تدفین کینیڈا میں ہوئی، ذاتی طور پر شرکت کی۔ اس طرح ہزاروں غیر مسلموں نے نماز جنازہ میں شرکت کی جس کی کوئی مثال نہیں ملتی ہے۔ کیا اس طرح کی مثال 52 مسلمان ممالک کے رہنماؤں اور شہریوں نے اپنے ملک میں قائم کی ہے۔ اس کے برعکس کچھ مسلمان دشمن

عناصر جو غصے میں بھرے ہوئے تھے، ردِّعمل کے طور پر مساجد پر پتھراؤ بھی کیا۔ ہر شخص خواہ وہ کسی بھی مذہب، فرقے ملک سے تعلق رکھتا تھا، قاتل پر تھوتھو کرتا تھا۔ مساجد اور گرجا گروں میں یکجہتی کے لئے افراد جمع ہوئے۔ انہوں نے کہا کہ مسلمانوں یہ تمہارا ملک ہے، ہم تمہارے غم میں برابر کے شریک ہیں۔ تمام بڑے بڑے شہروں میں، سٹی سینٹرز میں تعزیتی جلسے ہوئے جس میں مسیحی پادریوں نے خصوصی طور پر کیونکہ قاتل کا تعلق مسیحی برادری سے تھا خاص طور پر مذمت کی اور کھل کر مسلمانوں کو مخاطب کر کے اپنے گرجا گروں میں بھی اظہارِ یکجہتی کیا۔ مرنے والوں کے لئے جہاں مسلمانوں نے فاتحہ خوانی کی، انہوں نے مسجد کے باہر پھولوں کے انبار لگا دیئے اور شمع جلا کر ثابت کیا کہ وہ واقعی کینیڈین ہیں اور بس صرف کینیڈین کے علاوہ کچھ نہیں۔

کینیڈا میں بچوں کا ہسپتال

پاکستان کی آبادی 20 کروڑ سے بھی بڑھ چکی ہے ہمارے سیاستدانوں اور حکمرانوں نے عوام سے صرف ٹیکس وصول کرنے کا طریقہ ڈھونڈ رکھا ہے۔ یعنی طرح طرح کے ٹیکس جو دنیا میں کہیں نہیں پائے جاتے۔ ہمارے بیوروکریٹس حضرات نے جبراً مسلط کر رکھے ہیں جبکہ یہ حکمران اور بیوروکریٹس ہر ممکن اُن سے بچنے کے طریقے بھی وضع کر رکھے ہیں اور ہمارے مظلوم عوام خاموشی سے اُن کو ادا کر کر کے ہلکان ہو چکے ہیں۔ گزشتہ ایک چوتھائی صدی میں ایک درجن سے زائد نئے ٹیکس ایجاد ہوئے۔ حتیٰ کہ شیر خوار بچے کی غذا سے لے کر بوڑھے افراد کو بھی نہیں بخشا گیا۔ اس کے برعکس اس عرصہ 25 سال میں ایک نیا ہسپتال، کالج، یونیورسٹی یا کوئی فلاحی ادارہ حکومت نے تشکیل نہیں دیا، جو ترقی ہوئی وہ خود عوام نے اپنے مدد آپ خود تشکیل کی۔ اگر پرائیویٹ اسکول نہ ہوتے تو ہم ترقی پذیر ممالک کی طرح اچھی تعلیم سے بھی محروم ہوتے۔ سرکاری کالجوں اور یونیورسٹریز کا اسٹینڈرڈ سب کے سامنے ہے۔ ہسپتالوں کی حالت سے بھی ہر کوئی واقف ہے۔ صرف غریب غرباء اُس

کی طرف رُخ کرتے ہیں۔اور اُن کو بھی خود ادویات لانے کی ہدایت ملتی ہیں ،گندے بستر اُن کا مقدر ہیں۔گزشتہ تین ہفتوں سے راقم کینیڈا میں مقیم ہے اتفاقاً ایک عزیز کے صاحبزادے جو ٹورنٹو شہر کے ہسپتال میں داخل تھے اُن کی تیمارداری کے لئے جانا پڑا تو بہت حیرت ہوئی کہ یہاں مریضوں کا کیسے خیال رکھا جاتا ہے۔خصوصاً بچوں کے لئے ایک خصوصی ہسپتال جس کا نام (Sick kids) یعنی بیمار بچوں کے لئے جو پیدائش سے لے کر 18 سال تک کے بچوں کے لئے مخصوص تھا، دیکھ کر دل عش عش کر اُٹھا کہیں سے ہسپتال نہیں لگ رہا تھا۔ایسا محسوس ہو رہا تھا کہ آپ کسی عالی شان فائیو اسٹار ہوٹل میں آ گئے ہوں۔ایسا ہسپتال جس کو ہسپتال نہیں کہا جا سکتا تھا۔داخل ہوتے ہی ہوٹل جیسے استقبالیہ، آپ نے کہاں جانا ہے، رہنمائی کے لئے تندہی سے اپنے فرائض انجام دینے میں مصروف تھے۔آگے بڑھے تو کسی مال (Mall) کا نقشہ تھا۔10 بارہ ریسٹورنٹس، کافی شاپ، بیٹھنے اور گپ شپ کیلئے بہت خوبصورت علاقہ مخصوص تھا۔مریضوں کے اہلخانہ اور ملنے والوں کے لئے آسائش سے بھرپور کاؤنٹر تھے۔ساتھ ساتھ گروسری کی دکان بھی تھی۔مریض بچوں کی رہائش بھی قابل دید تھیں۔خوبصورت بسترے رنگ برنگے پھولوں کی ٹوکریاں ننھے منھے بچوں کے کھیلنے کے لئے چھوٹے بڑے کھلونے ایسا لگ رہا تھا جیسے بچے پکنک منانے آئے ہوں۔ہر فلور پر مریضوں کے بیٹھنے کے لئے باقاعدہ خوبصورت سیٹیں بنی ہوئی تھیں۔مریض بچوں کے والدین کو فون پر آنے کا وقت اور کہاں کس ڈاکٹر سے ملنا ہے ایڈوانس مطلع

کر دیا جاتا ہے تاکہ کسی کو انتظار کی زحمت بھی نہ ہو اور نہ ہی غیر ضروری بھیڑ بھاڑ لگے۔ہم بتائے ہوئے کمرے میں گئے تو کوئی دقت نہیں ہوئی۔اتفاق سے اُسی وقت مطلوبہ ڈاکٹر بھی کمرے میں آیا۔مریض کے کوائف تیار کر کے نرس نے پہلے ہی بستر پر رکھ دیئے تھے۔ڈاکٹر کے ساتھ 2 جونیئر ڈاکٹرز بھی تھے جن کو وہ مرض اور مریض کے کیفیت بتا کر علاج و ادویات کی تفصیل بتا رہا تھا۔ہم بھی اُن کی باتوں سے متاثر ہوئے۔ایسا لگتا تھا کہ مریض اُن ڈاکٹروں کا رشتہ دار یا خصوصی شخصیت کا حامل ہے۔حالانکہ وہ گورے اور ہم پاکستانی ،خود ہمارے ملک میں مہنگے ترین ہسپتالوں میں نرسوں اور ڈاکٹروں کے نخرے دیکھتے رہتے تھے۔کہیں سے محسوس نہیں ہوا کہ ہم کینیڈا میں ہیں وہ بھی دیارِ غیر میں، جان کتنی قیمتی ہے ایک مریض کی ڈاکٹروں و نرسوں کو معلوم ہے۔

قارئین کی اطلاع کے لئے عرض ہے کہ کینیڈا میں ہر کینیڈین شہری یا رہائشی کے لئے تعلیم اور علاج معالجہ حکومت کی ذمہ داری ہے۔وہ بھی صوبائی حکومت کی کیونکہ صوبائی ٹیکس جو صوبوں سے وصول ہوتا ہے وہ اور اُس میں کمی بیشی مرکزی حکومت پورا کرتی ہے۔کینیڈا کی آبادی تقریباً 36 ملین یعنی ساڑھے 3 کروڑ سے کچھ زیادہ ہے، اس کے 10 صوبے ہیں اور 3 اضافی صوبے جن کو Territories کہتے ہیں، ملا کر 13 صوبے بنتے ہیں۔ہر صوبے کا اپنا اپنا بجٹ ہوتا ہے، اس میں بھی کئی شہر ہوتے ہیں۔ان کے میئر اور صوبائی چیف منسٹر ،وزراء ہوتے ہیں۔یہ سب عوام کی خدمت میں لگے رہتے ہیں۔ہم جس شہر میں مقیم تھے اس شہر مارکھم کے میئر سے ملنے کا اتفاق ہوا تو معلوم ہوا کہ اربوں

روپے کا بجٹ ہونے کے باوجود اس میئر کو ڈرائیور نہیں ملتا اور بہت سے چھوٹے چھوٹے شہروں کے میئروں کو تو گاڑی بھی نہیں ملتی۔ یہی حال ان کے وزراء کا بھی ہے، وہ ذاتی کام کے لئے سرکاری گاڑیاں استعمال نہیں کر سکتے۔ خود وزیر اعظم کے لئے صرف ایک رہائش گاہ مخصوص ہے۔ اگر وہ کسی دوسرے شہر میں سرکاری دورے پر جائے گا تو مقامی ہوٹل میں ہی ٹھہرے گا۔ کسی دوست کے ہاں بھی نہیں ٹھہرے گا۔ کہیں وہ دوست اس سے سرکاری کام نہ کرائے یا کوئی اضافی فائدہ اٹھانے کی کوشش نہ کرے۔ وہاں ہر شخص عوام کو جوابدہ ہے۔ کسی قسم کی رشوت یا رشوت نما فائدہ قابل جرم ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ یہ ٹیکس دینے والوں کا حق ہے کہ ان کا پیسہ غیر ضروری خرچ نہیں ہونا چاہئے۔ دنیا کے 50 سے زائد ممالک دیکھنے کے بعد (جس میں مسلمان خلیجی ممالک نہیں، جہاں بادشاہت ہے) ان جمہوریت پرست ممالک میں ترقیوں کی وجہ صرف کرپشن سے پاک سیاستدان ہی حکمران بن سکتے ہیں۔ اس میں کینیڈا کا نمبر 1 ہے، جہاں عوام سے مذہب، زبان، تہذیب وتمدن کے بجائے صرف اور صرف کینیڈین کا تشخص سمجھا جاتا ہے۔ یہاں کسی کے ساتھ کوئی خصوصی یا کمی کا برتاؤ قانونی جرم ہے۔ تعصب کا دور دور تک واسطہ نہیں ہے۔ ہر قوم یہاں آکر آباد ہے، خواہ وہ مسلمان، یہودی، عیسائی، لامذہب ہوں اس سے سرکار کا کوئی واسطہ نہیں ہے۔ آپ کسی سے اقربا پروری نہیں کر سکتے، قانون کی سختی سے حفاظت کی جاتی ہے۔ حتیٰ کہ آپ اپنے بنگلے کے سامنے رات 2 بجے کے بعد گاڑی سڑک پر نہیں کھڑی کر سکتے تا کہ سڑک سے گزرنے والی گاڑیوں کے

لئے رکاوٹ نہ ہو اور آڑی ترچھی گاڑی کھڑی کرنے سے آپ کا چالان ہو سکتا ہے۔ انسان ہی نہیں یہاں جانوروں، درختوں کی بھی حفاظت اسی طرح کی جاتی ہے، جیسے انسانوں کی قدر کی جاتی ہے۔ اسلام میں جن جن باتوں کی عوام سے ہمدردیاں اور ضروریات کی اہمیت بتائی گئی ہے وہ سب کینیڈا میں آپ کھلی آنکھوں سے دیکھ سکتے ہیں۔ اگر کسی کا روزگار ختم ہے، اس کی دیکھ بھال حتیٰ کہ رہائش بھی حکومت کی ذمہ داری ہے۔ اس میں نقد امداد بھی شامل ہے، جیسے خلفائے راشدین کے زمانے میں بیت المال کا کردار، آپ کو موجودہ دور میں بھی کینیڈا میں نظر آئے گا۔ کاش ہمارے مسلمان ممالک اس سے سبق سیکھیں جہاں 1 درجن سے بھی زیادہ قومیں آزادی کے ساتھ رہتی ہیں۔ ان کو بھی وہی حقوق حاصل ہیں جو بنیادی طور پر مقامی کینیڈین کو حاصل ہیں۔

دھرنوں کی گولڈن جوبلی

ہمارے ملک میں غالباً سب سے پہلے موثر دھرنوں کی ابتداء جنرل ضیاءالحق مرحوم کے دور میں اہل تشیع حضرات نے اسلام آباد میں زکوٰۃ کے نفاذ پر کی تھی۔ان کے مسلک میں غیر اہل تشیع کو زکوٰۃ ادا نہیں کی جاسکتی ۔ وہ دھرنا اتنا مؤثر ثابت ہوا کہ جنرل ضیاءالحق کو زکوٰۃ آرڈیننس میں ترامیم کرنی پڑی اور آج تک اہل تشیع زکوٰۃ کے کٹوتی سے مستثنیٰ ہیں ۔ پھر دوبارہ کراچی میں ایم اے جناح روڈ پر پھر اہل تشیع حضرات نے اپنے مطالبات منوانے کے لئے دھرنا دیا، وہ مطالبات منوانے میں کامیاب بھی رہے ۔ پاکستان پی پی پی کے آخری دور میں کوئٹہ میں مسلسل ہزارہ برادری پر خودکش حملوں کے خلاف دھرنا دیا گیا اور وحدت المسلمین بھی اپنے مطالبات منوانے میں کامیاب رہی۔ مگر جب مسلم لیگ (ن) الیکشن میں کامیاب ہوئی تو اس میں کھلی دھاندلیوں کے خلاف تحریک انصاف نے ابتداء ہی سے کراچی میں دھرنوں کا سلسلہ شروع کیا اور فوری طور پر الیکشن کمیشن کو دھاندلیوں کے خلاف ثبوت پیش کیے جس پر کوئی توجہ نہیں دی گئی اور حکومت نے انتظامیہ کی مدد سے ان دھرنوں کو ختم کروادیا،

پھر دھرنوں میں شریک ایک خاتون تحریک انصاف کی سینئر عہدیدار زہرہ شاہد کو دن دیہاڑے ان کے گھر کے سامنے قتل کر دیا گیا اور بقول عمران خان سندھ حکومت اس میں شامل تھی ، قاتل آج تک نہیں پکڑے گئے اور معاملہ کو دبا دیا گیا۔ پھر صوبائی حکومت پنجاب کی ایک بڑی نا اہلی منہاج القرآن لاہور مرکز سے جبری رکاوٹیں (لوہے کے بیریئر) ہٹانے کی پولیس اور انتظامیہ کی ملی بھگت سے ، پولیس کی گولیوں سے نہتے معصوم شہری اور عورتیں قتل ہوئیں ۔ نا اہل صوبائی وزراء سمیت وزیر اعلیٰ پنجاب نے نہ ایف آئی آر درج ہونے دی اور نہ کسی کے خلاف کوئی کاروائی کی جس کی وجہ سے لاہور کے عوام طاہر القادری کی معیت میں سڑکوں پر نکل آئے تو وزیر اعلیٰ نے خود کو بچانے کے لئے صوبائی وزیر قانون رانا ثناءاللہ کو قربانی کا بکرا بنا کران سے استعفیٰ طلب کر کے ان ہی کے رشتہ دار کو ان کی جگہ پر وزیر قانون بنا کر معاملے کو ٹھنڈا کرنے کی بھر پور کوشش کی۔ پھر انکوائری رپورٹیں حکومت پنجاب کے خلاف آئیں تو اس کو بھی کئی ہفتوں تک دبائے رکھا۔ عدلیہ نے جب اس میں شریک افراد بشمول وزیر اعلیٰ پنجاب اور وزیر اعظم میاں نواز شریف معہ متعلقہ وزراء اور پولیس کے خلاف مقدمات درج کرنے کا حکم دیا تو لنگڑی لولی ایف آئی آر درج کی گئی جس سے طاہر القادری مطمئن نہیں ہوئے اور 14 اگست کو بیک وقت لاہور سے تحریک انصاف کے عمران خان اور پاکستان عوامی تحریک کے طاہر القادری دونوں الگ الگ آزادی ، انقلاب مارچ کے نام پر جلوسوں کی شکل میں اسلام آباد روانہ ہوئے اور الگ الگ مقام پر اسلام آباد میں دھرنا دیا۔ شروع شروع

میں حکومت نے کوئی سنجیدگی نہیں دکھائی اس کے برعکس مسلم لیگ (ن) کے لال بھجکڑ وزراء نے ان دونوں لیڈروں کے خلاف محاذ آرائی، بیان بازی، پھبکیوں، دھمکیوں کے انبار لگادیئے۔صرف چندایک کالم نگاروں نے حکومت کو حوصلہ دینے کی کوشش کی جبکہ اس کے برعکس اکثر ٹی وی چینلز نے ان دھرنا دینے والوں کا ساتھ دیا۔ جوقوم گذشتہ 7 ہفتوں سے دیکھ رہی ہے ان دھرنوں میں جیواور جنگ کے خلاف بھی محاذ کھولے گئے جوآج تک جاری ہیں اور اب ان دھرنوں کی سلور جوبلی کے بعد گولڈن جوبلی منانے کا اعلان کر دیا گیا ہے اور ماضی کے تمام دھرنوں کا ریکارڈ توڑ کر گینز بک آف ورلڈ ریکارڈ کی طرف گامزن ہیں۔ تینوں متعلقہ فریق باوجود مصالحتی جرگوں، سیاسی، مفاہمتی، مشترکہ افراد کی کوششوں کو ناکام بنا چکے ہیں۔ درمیان میں ان استعفوں کی جنگ میں کچھ توڑ پھوڑ بھی ہو چکی ہے۔چند ایک استعفے دینے سے انکاری اور کچھ ہچکچا رہے ہیں۔سب سے بڑا نقصان تحریک انصاف کے صدر جاوید ہاشمی کی علیحدگی سے ان کے دھرنے کو پہنچ چکا ہے، دوسری طرف ہماری معیشت کو جتنا بڑا نقصان ان 7 آٹھ ہفتوں میں پہنچا اس کو تاریخ پاکستان کا سب سے بڑا المیہ کہا جا سکتا ہے۔اوپر سے بھارت نے روایتی دشمنی دکھا کر بارشوں کا سیلابی ریلا پاکستان کی سرحدوں میں داخل کر کے رہی سہی کسر پوری کر دی ہے۔ جو پنجاب کی فصلوں کو تباہ کر کے، لاکھوں افراد کو بے گھر کر کے صوبہ سندھ میں داخل ہو چکا ہے۔ایک طرف عوام مہنگائی، بے روزگاری، دہشت گردی سے تنگ تھے تو دوسری طرف گیس، بجلی کے سیلابی بلوں نے عوام کو دہلا کر رکھ دیا

ہے۔جس کے سامنے موجودہ حکومت صرف ڈیڑھ سال میں ہل کر رہ گئی ہے مگر تمام حقائق کو چھپا کر ان عوامی تبدیلیوں کو ماننے کے لئے تیار نہیں ہے اور اس کے وزراء آج بھی بڑے بڑے دعوے کر کے یہ باور کرانے کی ناکام کوشش میں لگے ہوئے ہیں کہ عوام نے دھرنوں کی سیاست ناکام بنا دی ہے۔وزیر اعظم میاں نواز شریف صاحب امریکہ پہنچ چکے ہیں، لندن میں بھی ٹھہرے پاکستانیوں نے ان کی رہائش گاہ کے باہر مظاہرہ اور دھرنا بھی دے کر" گو نواز گو" کا نعرہ لگا کر باور کرانے کی بھی کوشش کی۔مگر مضبوط اعصاب کے مالک وزیر اعظم ابھی تک ڈٹے ہوئے ہیں۔ کیا اس قومی المیہ پر صرف عوام کو قربانی کا بکرا سمجھ کر اس کی دادرسی ہماری افواج پاکستان اور عدلیہ نہیں کر سکتی۔ ہماری محب وطن دنیا کی چھٹی مضبوط ترین افواج جس طرح سرحدوں کی حفاظت کرنے کا ریکارڈ رکھتی ہے اب ملک کی اندرونی سرحدوں میں جو انتشار اپنی حدوں کو چھو چکا ہے اور معیشت کو مکمل تباہی کی طرف لے جا رہا ہے کیا اس کا فرض نہیں بنتا کہ وہ اس میں مداخلت کر کے اس کو رکوائے اور خاموشی کا بندھن توڑے اور اسٹیٹ بنک آف پاکستان کا خطرناک تجزیہ جو حال ہی میں اس نے بنک کی طرف سے جاری کیا تھا۔مزید معاشی تباہی کے آگے بند باندھے، خصوصاً آزاد الیکشن کی رپورٹیں بھی دھاندلیوں کی نشاندہی کر چکی ہیں۔خدارا قوم کے حال پر رحم کھایئے اور اس کو حل کریں۔ آخری خبریں آنے تک وزیر اعظم نواز شریف صاحب کا بیان کہ قوم امریکہ سے واپسی پر خوشخبری سننے کے لئے تیار رہے۔قوم کو کھل کر بتایا جائے کہ وہ کونسی خوشخبری سنانے والے ہیں۔

دوسری طرف آج میرے ایک دوست جو ستاروں کا حال اکثر مجھے سناتے رہتے ہیں کہہ رہے تھے کہ 15 اکتوبر سے 15 نومبر تک پاکستان کے ستارے کروٹ بدل رہے ہیں اور جب ایسے ستارے کروٹ بدلتے ہیں تو کچھ انہونی کو ہونی کر دیتے ہیں جس سے ہمارا ماضی بھرا پڑا ہے۔ مگر افسوس صد افسوس ہم نے اور ہمارے سیاستدانوں نے ماضی سے کبھی سبق حاصل نہیں کیا۔

واللہ اعلم

دھرنوں سے جلسوں تک کی سیاست

دھرنوں کی شدت اب ماند پڑتی جا رہی ہے خصوصاً عید الاضحیٰ کی وجہ سے بھی اور ریکارڈ توڑ دنوں کی زیادتی سے شرکاء بھی اب تھک ہار کر آہستہ آہستہ کم ہوتے جا رہے ہیں۔ یہ اعصاب کی جنگ تھی جس نے بیشک پوری قوم کو ایک نیا شعور تو ضرور دیا ہے مگر تمام سیاستدانوں کے گٹھ جوڑ نے اسے پنپنے نہیں دیا۔ مگر یہ دبی چنگاری کسی وقت بھی بھڑک سکتی ہے اور بقول ہمارے ہر دم تیار شیخ رشید صاحب کو اب مارشل لاء کی بو بھی آنے لگی ہے۔ دوسری طرف ہمارے وزیر اعظم صاحب کو چیف آف آرمی اسٹاف جنرل راحیل شریف صاحب ضرب عضب کی مکمل بریفنگ دیتے دکھائی دیئے۔ جیسے فوج اور حکومت میں مکمل ہم آہنگی پائی جاتی ہے جب تک پرویز مشرف صاحب کو رہائی نہیں ملتی، فوج کے گلے میں یہ کانٹا چبھتا رہے گا۔ اگرچہ نواز شریف صاحب اس کو معمولی کانٹا سمجھے ہوئے ہیں اور اپنی اور چند اپنے رفقاء کی انا کا معاملہ سمجھتے ہیں، جبکہ چوہدری نثار اس خطرے سے مکمل آگاہ ہیں۔ مگر اس میں ہاتھ ڈالنے سے ہچکچا رہے ہیں۔ دھرنوں کی یہ وباء اب پورے ملک میں پھیل چکی ہے خصوصاً جس کسی کو بھی حکومت سے شکایت ہو وہ دھرنے سے فوراً اپنی

طرف توجہ مبذول کرالیتا ہے۔کراچی تو گویا اب دھرنوں کا شہر بن چکا ہے۔ ہر روز کسی نہ کسی کا دھرنا دیکھنے کو ملتا ہے، جس سے ٹریفک جام ہو جاتی ہے اور عوام کی پریشانیوں میں مفت اضافہ ہو جاتا ہے۔مگر کسی کو بھی اس کا احساس نہیں ہوتا، نہ ہی حکومت کے کانوں میں جوں تک رینگتی ہے۔

دھرنوں سے آگے بات بڑھ کر جلسوں تک جا پہنچی ہے، خصوصاً عمران خان کے جلسوں میں عوام کی شرکت اور جوش و خروش دیکھ کر پاکستان عوامی تحریک کے سربراہ طاہر القادری صاحب کو بھی خیال آ گیا اور انہوں نے بھی جلسوں کا اعلان کر دیا ہے۔ادھر سندھ میں گذشتہ 7 سال کی خاموشی کے بعد نوجوان بلاول بھٹو زرداری کو عمران خان کے مد مقابل لا کر جلسوں کا آغاز کر دیا گیا ہے۔اگر چہ انہوں نے نہایت گھن گرج کے ساتھ دیگر مخالف پارٹیوں کے سربراہوں کو کھلی زبان سے لتاڑا ہے۔ابھی تک یہ سمجھ نہیں آ رہا ہے کہ آیا یہ پی پی پی کی نئی حکمت عملی ہے یا پھر بذات خود بلاول بھٹو کی اپنی ذاتی پالیسی ہے۔کیونکہ سابق صدر جناب آصف علی زرداری صاحب نے اپنے پورے 5 سالہ دور حکومت میں کسی کے خلاف کوئی محاذ نہیں کھولا، جبکہ بلاول بھٹو نے یکے بعد دیگرے متحدہ قومی موومنٹ کے قائد الطاف حسین کے خلاف نامعلوم افراد کو روکنے کا حکم صادر کیا۔بصورت دیگر خطرناک نتائج کی دھمکی بھی دے ڈالی جو اس سے قبل یہ کام پی پی پی کے وزیر اطلاعات سندھ شرجیل میمن کے ذمہ تھی۔وہ ہر ایک کو سندھ کے نام پر بلیک میل کرنے میں ماہر سمجھے جاتے تھے، پھر کارٹون کا لفظ طاہر القادری صاحب کے لئے استعمال کیا۔آخری خبریں آنے تک دونوں سربراہان نے کم عمری، ناسمجھی اور ناتجربہ کاری کی بناء پر ان کو معاف کر

دیا ہے اور 18 اکتوبر کے کراچی میں ہونے والے جلسے کے لئے راہ کھول دی اور خون خرابے سے بچالیا۔اگر چہ متحدہ کی رابطہ کمیٹی فوری طور پر 2 دو ہاتھ کرنے کے موڈ میں تھی، مگر الطاف حسین صاحب نے بڑے پن کا مظاہرہ کرتے ہوئے اپنے کارکنوں کو ٹھنڈا کر دیا ہے۔اب دیکھنا یہ ہے کہ اس خیر سگالی کے جواب میں نوجوان بلاول بھٹو زرداری اس 18 اکتوبر کے جلسے میں کیا حکمت عملی دکھاتے ہیں۔ان کو اپنی مرحومہ والدہ بےنظیر بھٹو کی طرح بردباری والی سیاست کرنی چاہئے اور ہوش مندانہ طریقہ اپنا کر پی پی پی کو واپس میدانِ سیاست میں لا کر اس کا کھویا ہوا مقام دلوائیں۔ویسے بھی مڈ ٹرم الیکشن کے امکانات اب بڑھتے جا رہے ہیں اور عمران خان دوبارہ تیزی سے جلسے کر کے اس کی راہیں ہموار کر رہے ہیں۔دوسری طرف " گو نواز گو " کے نعروں کے جواب میں ملتان میں (ن) لیگ کے حامیوں نے شیخ رشید کا گھیراؤ کر کے ان کے ہوٹل پر زبردست پتھراؤ کر کے " گو شیخ رشید گو " کے نعرے لگا کر انکی پریس کانفرنس نہیں ہونے دی جس سے لگتا ہے کہ (ن) لیگ والے جوابی کاروائی کرنا چاہتے ہیں جس سے دونوں سیاسی جماعتوں میں تصادم کا خطرہ ہے۔خصوصاً جاوید ہاشمی کے الیکشن کے موقع پر عوامی تحریک اور پاکستان تحریک انصاف کے کارکن مل کر جاوید ہاشمی کے جلسے میں ان کے خلاف ہنگامہ آرائی کر کے ان کو ناکام بنانے کی پوری کوشش کرینگے اور مسلم لیگ (ن) اور اسکے اتحادی جاوید ہاشمی کو ہر صورت میں کامیاب کرا کر ہی دم لیں گے۔

ادھر تحریک انصاف میں خیبر پختونخواہ میں بھی پھوٹ پڑ چکی ہے اور خیبر پختونخواہ کے وزیر اعلیٰ پرویز خٹک کے خلاف بھی ایک درجن سے زائد ایم پی اے جمع ہو کر

ان کو ہٹانے کے درپے ہیں ۔جن میں جاوید نسیم پوری طرح بغاوت پر اتر چکے ہیں ۔اگر ایسا ہوا تو جاوید ہاشمی سے زیادہ اس بغاوت سے تحریک انصاف بری طرح متاثر ہوسکتی ہے ۔ایسی صورت میں اگر دوبارہ الیکشن ہوئے تو عمران خان کا خواب چکنا چور ہو جائے گا اور اے این پی دوبارہ اپنا کھویا ہوا مقام واپس لینے میں کامیاب ہو جائے گی اور مسلم لیگ (ن) کے خلاف اٹھنے والا مشترکہ محاذ ناکام ہو جائے گا۔ جس سے عوام کو مایوسی کا سامنا کرنا پڑے گا اور نواز شریف کے پاؤں دوبارہ جم جائیں گے ۔مگر ہمارے ستارہ شناس دوست عظیم جعفری صاحب جنہوں نے 2 ہفتے قبل پیش گوئی کی تھی کہ 15 اکتوبر سے 15 نومبر تک نواز شریف صاحب کے ستارے گردش میں رہیں گے ۔ان کا ابھی تک یہی اصرار ہے کہ 16 اکتوبر کا چاند اور 25 اکتوبر کو ہونے والے سورج گرہن کا اثر اپنی جگہ رہے گا۔مگر حکومت میں تبدیلی ناگزیر ہے ۔**واللہ اعلم**

ڈرائیور کی اہمیت

دوسری جنگِ عظیم میں جرمنی کو شکست کا سامنا کرنا پڑا ،اوپر سے حکم آیا فوراً پیرس خالی کردو۔جرمن کمانڈر نے اپنے ساتھیوں کو جمع کیا اور بتایا ہم جنگ ہار چکے ہیں فوراً پیرس کے عجائب گھروں سے قیمتی سامان اربوں ڈالرز کے نوادرات ،تصاویر اور جو بھی سامان سمیٹ سکتے ہو سمیٹ کر اکٹھا کرلو اور جب فرانسیسی فوج واپس آئے تو اُس کو پیرس کی اُجڑی سڑکوں اور گلیوں کے سوا کچھ نہ ملے۔سارے سپاہی عجائب گھروں کی طرف دوڑ گئے اور جو بھی قیمتی سامان ان کے ہاتھ لگا وہ جمع کر کے ایک پوری ٹرین بھر کر جرمنی کی طرف روانہ ہو گئے ٹرین پیرس سے نکل کر جب 10 بارہ کلومیٹر دور گئی تو اُس کا انجن فیل ہو گیا پیرس سے انجینئرز بلوائے گئے انہوں نے جیسے تیسے کر کے انجن چالو کیا اور ٹرین روانہ ہوگئی۔ابھی چند میل کا فاصلہ طے کیا تھا کہ بریک خراب ہوگئے ۔ ٹرین پھر رک گئی اور ان انجینئرَ نے بریک ٹھیک کیئے تو پھر ٹرین رینگنے لگی ،مگر پھر چند میلوں کا فاصلہ طے ہوا تھا کہ برائلر پھٹ گیا۔انجینئرَ پھر لگے مگر نیا برائلر کے آتے آتے کافی وقت ضائع ہوگیا۔پھر بڑی کوشش کے بعد ٹرین چلی تھی تو

اچانک پریشر بنانے والے پسٹن جواب دے گئے۔ یہ جرمن انجینئرز پریشان ہو گئے، جیسے تیسے کرکے پسٹن کا پریشر بحال ہوا ٹرین ابھی تک فرانس کی حدود میں ہی تھی تو ٹرین کے ڈرائیور کو پیغام ملا کہ فرانسیسی فوج پیرس میں واپس آ چکی ہے۔ لہٰذا ٹرین موڑ کر واپس لاؤ۔ ڈرائیور نے جلدی جلدی مکا لہرایا ٹرین واپس پیرس کی طرف موڑ کر دوڑا دی۔ جب یہ ٹرین پیرس کے ریلوے اسٹیشن پر پہنچی تو پوری قوم اس ٹرین کے ڈرائیور کے استقبال کے لئے جمع تھی۔ اس کے ہاتھ میں مائیکروفون دے کر پوچھا کہ اتنی دیر میں تم 2 مرتبہ جرمن کی سرحد میں آ جا سکتا تھا، تم وہاں کیوں نہیں گیا۔ اس نے بتایا کہ جرمن گدھے فوجی یہ بھول گئے تھے کہ اس ٹرین کا ڈرائیور جرمن نہیں، فرانسیسی تھا اس کو وقت کا احساس تھا اور اپنے قیمتی اربوں ڈالرز کے سامان کو بھی بچانا تھا۔ اس نے اپنا قومی فرض پورا کر دکھایا اور ٹرین کو اپنی حکمتِ عملی سے جرمنوں کو خوب بیوقوف بناتا رہا تو یہ ثابت ہوا کہ اگر گاڑی کا ڈرائیور نہ چاہے تو وہ گاڑی منزل مقصود تک نہیں پہنچ سکتی۔ اس وقت یہی حال بدقسمت پاکستان کا ہے۔ جس کو 2 چار سال کے بعد سے ہی اچھے ڈرائیور نہ مل سکے۔

پہلے قائداعظم کی اچانک موت نے پہلا ڈرائیور جس نے اس کی سمت طے کی تھی، اللہ کو پیارے ہو گئے۔ ابھی ٹرین نے صحیح سمت میں دوڑنا شروع کیا تھا تو ظالموں نے قائد ملت لیاقت علی خان کو بھی سازش کرکے شہید کروا دیا۔ ساتھ ہی قاتلوں کو گولی مار کر ثبوت بھی ختم کر دیا۔ اس کے بعد جس کی مرضی آئی گاڑی کو رخ بدل بدل کر دوڑاتے رہے۔ بیچ بیچ میں فوجی بھی اس کا استحصال کرکے

اقتدار کے مزے لوٹتے رہے۔ ملک بچانے کے نام پر دس دس سال تک حکمرانی کرتے رہے، سمت متعین نہ ہو سکی۔ کبھی عوامی ادارے قومیا لئے، معیشت کو تباہ کر دیا، تعلیمی ادارے قومیانے سے تعلیم کا معیار 50 سال سے پیچھے چلا گیا۔ بینک، انشورنس کو قومیانے سے صنعتکار ملک چھوڑ گئے۔ کسی نے پرواہ نہیں کی کہ ہم اپنے پاؤں پر کھڑے ہونے کے بجائے دائیں بائیں دیکھنے لگے۔ ہمارے حکمران جمہوریت کی آڑ میں کھل کر کرپشن میں آہستہ آہستہ اضافہ کرتے رہے۔ ہر حکمران ایک دوسرے سے بڑھ کر آئی ایم ایف سے من مانی شرائط پر قرضے لے کر قوم پر مہنگائی کا بوجھ بڑھاتے رہے اور اپنی اپنی جیبیں بھرتے رہے۔ عدلیہ بار بار بیچ میں آ کر روکنے کی کوشش کرتی رہی، صرف ایک بڑے ادارے اسٹیل ملز کا کم مکانہ ہو سکا۔ مگر جس حکومت نے عوامی اداروں کو قومیایا تھا اسی پارٹی نے ان اداروں کو اونے پونے بیچ کر خوب کمائی کی۔ پھر ہاکی کے کھیل کی طرح بال سمیع اللہ سے کلیم اللہ کی طرف بڑھا دی جاتی۔ الیکشن ہوئے حزب اختلاف اقتدار چھین کر دوبارہ حزب اقتدار بن جاتی۔ قانون اور الیکشن کے ضوابط دھرے کے دھرے رہ جاتے۔ جہاں جس کا زور چلتا دھاندلیاں ہوتیں، ووٹوں کے ڈبے بھر کر الیکشن جیت لیا جاتا۔ جب تعلیمی پابندیاں لگیں تو جعلی ڈگریوں کا سہارا لے کر اسمبلیوں کو بھرا گیا۔ دھاندلیاں، جعلی ووٹ ڈالنا فیشن ٹھہرا، عدلیہ پر حملے ہوئے۔ جج صاحبان ڈر ڈر کر فیصلے کرتے رہے، پھر ایسا بھی دور آیا کہ اپنے من پسند کے اشخاص عدلیہ میں بھرتی کروا کر سیاسی فیصلے ہونے لگے۔ انصاف کے نام پر پاکستان میں

وکلاء نے عدالتوں پر اپنا دباؤ بڑھا کر ججوں کو بے بس کر دیا۔ گویا ہر طرح کا گھناؤنا طرزِ عمل اپنا کر پاکستان کو بدنام کر ڈالا۔ پھر دہشت گردی کی ہر آئی، ہم نے غلط فیصلے کیئے، 2 مرتبہ افغانستان کو بچانے کا ٹھیکہ لیا۔ آج ہم دہشت گرد ممالک کی فہرست میں ہیں، سارے اس میں شامل ہیں۔ جبکہ ہم خود دہشت گردی کا شکار ہیں۔ اتنا سب کچھ لکھنے کا مقصد اگلے سال کے الیکشن کی تیاری میں مسلم لیگ (ن) جس نے پی پی پی کی حکومت میں جان بوجھ کر مصالحت کی پالیسی اپنائی تھی۔ پی پی پی نے جواباً 4 سال کی خاموشی توڑ کر اعلان جنگ کرنے کا فیصلہ کرلیا ہے مگر اس مرتبہ شطرنج کے مہرے تبدیل ہو گئے ہیں۔

پی پی پی کی طرف سے نیا خون بھٹو، زرداری خاندان یعنی بلاول، بختاور اور آصفہ ہونگے۔ مگر تجربہ کار سابق صدر پاکستان آصف علی زرداری ڈرائیونگ کی سیٹ پر بیٹھیں گے۔ تو دوسری طرف مسلم لیگ (ن) کی مریم نواز، حمزہ شہباز شریف اور عابد شیر علی ہونگے۔ اس کی طرف کے ڈرائیور کی سیٹ پر نواز شریف اور کو پائلٹ شہباز شریف ہونگے۔ اب دنگل پاناما لیکس کے فیصلے کے بعد شروع ہوگا۔ وہی گھسے پٹے نعرے، وہی سنہری وعدوں کی یلغار ہوگی۔ ایک دوسرے کو برا بھلا کہہ کر عوام کو پھر بیوقوف بنایا جائے گا، جس کی بھرپور تیاریاں دونوں بڑی سیاسی جماعتوں میں شروع ہو چکی ہیں۔ اس مرتبہ ابتداء حزب اختلاف یعنی پی پی پی نے کی ہے، جس طرح پچھلی مرتبہ مسلم لیگ (ن) نے کی تھی اور پھر الیکشن کا نتیجہ مسلم لیگ (ن) کے حق میں پلٹ گیا۔ غالباً اسی وجہ سے آصف علی زرداری تاریخ کو دوہرا رہے ہیں۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ

عوام بار بار کیوں ان کے وعدوں اور دھوکے میں آتے ہیں۔ صرف چند سیاستدان اپنی وابستگی تبدیل کر لیتے ہیں۔ جب تک ہم صحیح لیڈر کا انتخاب نہیں کریں گے اور ڈرائیور کی سیٹ پر وہی حکمران بیٹھے رہیں گے، 70 سال نہیں، 700 سال تک ہم اپنی منزل نہیں پاسکیں گے اور اسی طرح منہ بھر کر حکمرانوں کو برا بھلا کہتے رہیں گے۔ خدا نے کبھی اس قوم کی حالت نہیں بدلی جسے خود اپنی حالت بدلنے کا خیال نہ ہو۔ قدرت ہمیں ہر 5 سال بعد موقع دیتی ہے، مگر ہم نے ان ہی حکمرانوں کا انتخاب کیا ہے جن کو ہم 70 سال سے آزماتے چلے آئے ہیں۔ لگتا ہے کہ اگلے سال پھر وہی غلطی دوہرائی جائے گی۔ اللہ ہمیں عقلِ سلیم عطا فرمائے۔ (آمین)

مسلمانوں کی زبوں حالی کا ذمہ دار کون ہے

میرے ایک مہربان دوست جو اکثر مجھے ای میلز بھیجتے رہتے ہیں، انہوں نے گذشتہ ہفتے ایک دلچسپ سوال نامہ بھیجا۔ جس میں لکھا تھا کہ آج کل نام نہاد شدت پسند جہادی گروپ جیسے افغانستان میں طالبان، پاکستان میں تحریک طالبان پاکستان (ٹی ٹی پی)، عراق میں آئی ایس آئی ایس، شام میں النصرہ فرنٹ، صومالیہ میں الشباب، نائجیریا میں بوکوحرام، لیبیا میں انصار الشرعیہ اور القائدہ مختلف مسلمان ممالک میں مسلمانوں کو قتل کر رہے ہیں اور سب اسلام کے جھنڈے تلے یہ 9/11 کے بعد سے پھیلتا جا رہا ہے۔ ان میں سے ایک نے بھی اسرائیل یا یہودیوں کے خلاف کوئی جہاد نہیں کیا، نہ فلسطین کے مسلمانوں کی مدد کی۔ آج ہزاروں فلسطینی مسلمان، عورتیں، مرد، بچے، بوڑھے گاجر مولی کی طرح کاٹے جا رہے ہیں اس پر کوئی آواز تک بلند نہیں کر رہے۔ یہ کس قسم کا جہاد ہے جو صرف مسلمانوں کے خلاف ہے، یہودیوں کے خلاف کیوں نہیں ہے۔ پھر 2 دن بعد انہوں نے ایک ویڈیو ٹیپ میری WHATSAPP پر بھیج دی۔ اس میں ایک

عربی نیوز پیپر الاخبار کی رپورٹر ایک یورپین پارلیمنٹیرین کا انٹرویو کرتے ہوئے پوچھتی ہے کہ اب سب یہودی مل کر جو فلسطین میں مسلمانوں کو مار رہے ہیں کچھ نہیں کرتے اور مسلمانوں کو مسلمانوں سے لڑا کر فائدہ اٹھا رہے ہیں۔ وہ یہودی پارلیمنٹیرین کہتا ہے کہ ہم عربوں کو آپس میں لڑا رہے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ عرب خود آپس میں متحد نہیں ہیں اور نہ وہ خود متحد ہونا چاہتے ہیں۔ اس وقت 22 عرب ممالک میں 35 کروڑ مسلمان رہتے ہیں، ان کی زبان ایک ہے، خدا ایک ہے مگر وہ خود ایک نہیں ہیں اور نہ ایک ہونا چاہتے ہیں۔ وہ خود شیعہ، سنی، وہابی بن کر ایک دوسرے کو نیچا دکھا رہے ہیں۔ ایک طرف ایرانی شیعہ شام کی مدد کر رہا ہے تو سعودی عرب اور دوسرے مسلمان ممالک اس کے خلاف جہاد کر رہے ہیں۔ عرب ممالک کے حکمران اپنی اپنی عیاشیوں میں لگے ہوئے ہیں۔ وہ پانی کی طرح دولت لٹا رہے ہیں۔ لبنان شام سے الجھ رہا ہے، یمن سعودی عرب کی سرحدیں عبور کر کے خانہ جنگی کر رہا ہے۔ خود عرب عوام قہوہ خانوں میں شیشہ پینے میں لگے ہوئے ہیں۔ آپس میں بیٹھ کر وہ کبھی امریکہ کو گالیاں نکالتے ہیں، کبھی اقوام متحدہ کو کوستے ہیں، کبھی وہ ترکی کو موردِ الزام ٹھہراتے ہیں کہ یہ مسلمانوں کو متحد کرنے میں رکاوٹ ہیں۔ حالانکہ آدھے سے زیادہ مسلمان اسرائیل سے تجارتی لین دین کرتے ہیں۔ انہوں نے اسرائیل کو بھی تسلیم کیا ہوا ہے۔ آدھے عرب ممالک نے قطر سے سفارتی تعلقات توڑ رکھے ہیں، وہ خود آپس میں تو ایک مؤقف پر قائم نہیں رہتے ہیں۔ یورپ کو برا بھلا کہتے ہیں۔ اس نے بتایا کہ یورپی پارلیمنٹ میں 650 افراد ہیں۔ یورپ میں 150 سے زیادہ زبانیں بولی جاتی ہیں مگر سب یک زباں ہو کر مسلمانوں

کی دولت لوٹنے میں شامل ہیں۔وہ عربوں کا تیل پہلے ہی قبضہ میں لے چکے ہیں، گیس، معدنیات سب پر ان کی نظر ہے۔تمام عربوں کی دولت امریکہ اور یورپی ممالک میں لگی ہوئی ہے۔عربوں کی تجارت اور تیل کی فروخت سے وہ اپنے کارخانے چلا رہے ہیں۔اپنے کروڑوں باشندوں کو روزگار فراہم کر رہے ہیں۔ ہر طرف ان ممالک میں خوشحالی ہے، مسلمان عرب ممالک بقایا 32 دیگر مسلمان ممالک کے غریب عوام کو دوسرے درجے کا شہری سمجھتے ہیں۔ جب تک ان عربوں کو ہوش نہیں آئے گا وہ اسی طرح لٹتے رہیں گے اور 30 لاکھ اسرائیلی ان کو اسی طرح ذلیل کر کے مارتے رہیں گے۔کوئی ان مسلمان عربوں کی مدد کو نہیں آئے گا ۔دنیا دور سے تماشہ دیکھتی رہے گی، زیادہ سے زیادہ ہمدردی کے چند بول بول کر مسلمانوں کو ٹھنڈا کر دے گی۔آج فلسطین کا قتل عام دیکھ کر ایک ارب سے بھی زیادہ مسلمان بے بس ہیں جس میں ہمارے حکمران اور سیاستدان دونوں شامل ہیں۔شاباش ہے پاکستانی نژاد برطانوی خاتون سعیدہ وارثی کو جس نے وزارت کو ٹھکرا دیا اور فلسطین کے مسلمانوں کا ساتھ دیا۔مسلمان حکمرانوں کو اس عورت سے سبق سیکھنا چاہئے۔اللہ کا شکر ہے ہمارے پڑوس میں بھی ہم سے 10 بارہ گنا بڑا دشمن بھارت ہے جو اسرائیل کی طرح پاکستان پر بری نظر رکھتا ہے۔گذشتہ 5 سالوں میں 2 مرتبہ اُس نے پاکستان کی سرحدوں پر فوجیں جمع کر کے پاکستان کو دھمکانے کی کوشش کی، مگر اللہ کے فضل سے ہماری افواج پاکستان کی قوت اور ہمارے محسن پاکستان جناب ڈاکٹر عبدالقدیر خان اگر پاکستان کو ایٹمی طاقت نہ بناتے تو غزہ کی طرح بھارت بھی ہمارے جس شہر پر چاہتا گھس کر جارحیت کر کے

ہمیں ذلیل و خوار کر دیتا۔مگر اس کو معلوم ہے کہ پاکستان اینٹ کا جواب پتھر سے دینے کے قابل ہے۔لاکھ اندرونی اور بیرونی سازشیں کر کے وہ پاکستان کو کمزور کرنے کی پوری کوشش کرتا رہتا ہے۔مگر اللہ نے پاکستان کو اس کی قہر آلود نگاہوں سے محفوظ رکھا ہے۔عرب ممالک کو بھی چاہئے کہ وہ اونچی اونچی عمارتیں بنانے میں وقت ضائع کرنے کے بجائے، اسلحہ اور جدید جنگی ساز و سامان بنائے۔آج کی ٹیکنالوجی سے اپنے نوجوانوں کو آگے لائیں۔ان کو تعلیم اور فوجی تربیت، جس طرح اسرائیل اپنے ہر شہری کو 3 سال لازمی فوجی تربیت دیتا ہے۔ ہر مسلم ممالک میں اس فوجی تربیت کو لازمی قرار دیا جائے کیونکہ طاقت کا مقابلہ طاقت سے ہی ہو سکتا ہے۔مردہ باد اور زندہ باد کے نعروں سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔اسلام ایک طرف اگر امن کا پیغام دیتا ہے تو دوسری طرف اپنی حفاظت کے لئے تمام ممکنہ اسباب استعمال کرنے کا بھی مشورہ دیتا ہے۔فلسطین سے ہمیں سبق سیکھنا چاہئے، آج اُس پر برا وقت آن پڑا ہے کل کسی اور مسلمان ملک کا نمبر بھی آ سکتا ہے۔ ہمارے حکمرانوں کو بھی چاہئے کہ خدارا آپس میں سیاسی جنگیں لڑ کر ہماری افواج کو نہ استعمال کریں۔ دنیا کے سامنے اپنا مذاق نہ اڑائیں، عقل کے ناخن لیں۔کراچی میں عید ملن پارٹی میں ہماری برادری کے وفد سے صدر پاکستان جناب ممنون حسین نے ملاقات کی اور کھل کر پاکستان میں ہونے والے اقتصادی پروگراموں کی تفصیل سے آگاہ کیا۔ جس میں بجلی اور گیس کی صورتحال بہتر بنانے کے لئے حکومت کی کوششوں سے روشناس کراتے ہوئے فرمایا کہ چین بجلی کے مسئلے پر عملی طور پر پاکستان سے بھرپور تعاون کر رہا ہے۔3 سال میں وہ اس بحران پر قابو پا لے گا، اسی طرح ایران سے

گیس کی سپلائی میں پاکستان نے اپنی سرزمین پر پائپ لائنیں بچھانے کا کام شروع کردیا ہے۔انہوں نے بتایا کہ کراچی سے پشاور تک موٹروے کا کام شروع کردیا گیا ہے جس سے کراچی کو پورے شہروں سے ملا دیا جائے گا۔آخر میں انہوں نے ایک دھماکہ خیز خبر بھی سنائی کہ جب پی پی پی کی حکومت اقتدار میں آئی تو پاکستان 7 ہزارارب روپے کا مقروض تھا۔جب مسلم لیگ (ن) نے اقتدالیا تو اس کو 14 ہزارارب روپے کا مقروض پاکستان ملا۔ایک سوال کے جواب میں کہ ڈیڑھ سال میں پاکستان نے کتنا قرض اتارا تو انہوں نے بتایا کہ ابھی تک تو قرضوں کا سود ہی ادا ہوسکا ہے۔البتہ آہستہ آہستہ یہ قرضے بھی اتارنے کی کوششیں جاری ہیں۔

﴿کیا اب بھی ہماری آنکھیں نہیں کھلیں گی؟﴾

چند سال قبل راقم کراچی میں برطانیہ کے سفارت خانے کی ایک تقریب میں مدعو تھا اور میرا قونصل جنرل برطانیہ سے اکثر دونوں ممالک کے بارے میں تبادلۂ خیال ہوتا رہتا تھا۔اُس گفتگو میں جب میں نے پوچھا کہ برطانیہ میں اگر کوئی سانحہ ہوجائے تو وہاں کی پولیس کیا کرتی ہے، جو ہماری پولیس نہیں کر پاتی۔اُس نے قریب رکھی ہوئی کرسی پر بیٹھنے کا اشارہ کیا جب ہم دونوں بیٹھ گئے تو اُس نے برطانیہ میں ہونے والے کئی سانحات گنوائے اور بتایا کہ جب کوئی سانحہ ہوجاتا ہے تو پولیس سب سے پہلے لگے ہوئے خفیہ کیمروں کی مدد سے مجرموں کا سراغ لگاتے لگاتے اُن کے ٹھکانوں تک پہنچ جاتی ہے۔وہ شواہد کی روشنی میں مجرموں کو عدالتوں میں پیش کرکے جلد از جلد سزا دلوادیتی ہے اور ساتھ ساتھ ہونے والے سانحے کی تہہ تک پہنچ کر اُس کے اسباب تلاش کرتی ہے تاکہ ایسا کوئی سانحہ دوبارہ نہ ہو اور جب تک تمام مجرم نہ پکڑے جائیں اُس وقت تک ان کی فائل بند نہیں ہوتی۔یہی وجہ ہے کہ برطانیہ دنیا کا سب سے زیادہ غیر ممالک کے باشندوں کی آبادیوں کے باوجود وہاں کرائم

ریٹ سب سے کم ہے۔ کبھی کبھی تو 10 پندرہ سال بعد بھی مجرموں کا کھوج لگتا ہے۔ 50 سال کی تاریخ میں اسکاٹ لینڈ یارڈ پولیس صرف چند مجرموں کو نہیں پکڑ کر سزا دلوا سکی بس وہی چند کیس التواء میں پڑے ہیں مگر پولیس آج بھی اُس کے مجرموں کو تلاش کرنے میں مصروف ہے جبکہ آپ کے ملک پاکستان میں معاملہ اس کے بالکل برعکس ہوتا ہے۔ جب کوئی سانحہ ہوتا ہے تو پولیس اور انتظامیہ حرکت میں تو آجاتی ہے مگر یہ کام صرف چند دنوں تک محدود ہوتا ہے۔ اول تو مجرم پکڑے ہی نہیں جاتے اور اگر کسی طرح پکڑے بھی جائیں تو ان کی وابستگی کسی نہ کسی مذہبی، سیاسی یا لسانی جماعتوں سے نکل آتی ہے تو اس طرح وہ چھوٹ جاتے ہیں۔ اگر کسی طرح ایسا بھی نہ ہو تو مجرم کمزور بنیادوں کی وجہ سے بَری ہو جاتے ہیں۔ یہ سب سے خطرناک عمل ہوتا ہے جس سے چھوٹا مجرم بڑا مجرم بن جاتا ہے۔ اُس کے دل سے پولیس اور قانون دونوں کا خوف نکل جاتا ہے پھر وہ عادتاً مجرم بن کر اپنے ساتھ اور لوگوں کو شامل کر کے منظّم طریقے سے واردات کرتا ہے۔ کل جب میں نے پشاور کے آرمی اسکول میں ہونے والے سانحہ کا جائزہ لیا تو واقعی اُس سفارت کار کی باتوں میں بڑا وزن تھا۔

ہمارے ان سانحات کا سلسلہ فوجی حکمران جنرل ضیاء الحق کے دور سے شروع ہوا تھا۔ ہم نے 1985ء میں کراچی کی بشریٰ زیدی کیس سے نہ سبق حاصل کیا نہ اُس کی تہہ تک جانے کی کوشش کی، سمجھوتہ کر کے ہم اور قانون دونوں خاموش بیٹھ گئے۔ پہلے مسجدوں پہ حملے ہوتے تھے پھر امام بارگاہیں نشانہ بنیں اس کے بعد گرجے تک محفوظ نہ رہے۔ پھر افغانستان جنگ میں روس کے

خلاف ہم کود پڑے۔ 40 لاکھ افغان مہاجرین معہ مجاہدین کو ہم نے اپنے ملک میں پناہ دی۔ اس کا ہمیں کیا صلہ ملا، اسلحہ، منشیات، دہشت گردی، افراتفری، قتل و غارت گری جو پہلے برائے نام اور غیر منظّم تھی جس میں کم از کم سیاسی جماعتیں ملوث نہیں تھیں ان افغان مجاہدین کی آڑ میں اسلام کو میدان میں لایا گیا اور صرف اپنی کرسی کو مضبوط کرنے کے لئے علمائے دین سے فتوے لئے گئے۔ مدرسے استعمال ہوئے، دینی فریضہ سمجھ کر ہم پڑوسی ملک افغانستان کو بچانے کے لئے کود پڑے۔ پھر بڑھتے بڑھتے وقت کے ساتھ 9/11 کا واقعہ ہو گیا ہم پھر دوسرے فوجی حکمران پرویز مشرف کے دور میں امریکہ کے ایک ٹیلیفون پر بغیر سوچے سمجھے پھر دوسروں کی آگ میں کود پڑے۔ نتیجتاً خود افغانستان جس کی پہلی جنگ ہم نے لڑی وہی سب سے بڑا مخالف ہو گیا، وہ بھول گیا کہ 40 لاکھ مہاجرین کی 30 سالہ میزبانی کا صلہ حامد کرزئی کی نفرت تعصبی تقاریر، الزامات کی بوچھاڑ، طوطا چشمی کی صورت میں ملا جبکہ موصوف خود بلوچستان میں پناہ لئے ہوئے تھے۔ اصلی طالبان کی آڑ میں ان کی دیکھا دیکھی بھارت کی شہ پر پورا بلوچستان اُس کی لپیٹ میں آتا گیا۔ سوات آپریشن ہوا پاکستانی طالبان، افغانستان سے ملحقہ علاقوں میں جا کر چھپ گئے پھر اُن کو دشمنوں نے جدید اسلحہ فراہم کیا۔ اب وہ منظّم طریقے سے پولیس، رینجرز اور بات بڑھتے بڑھتے فوجی تنصیبات بھی اُن سے محفوظ نہ رہیں۔ وہ جب چاہتے ہیں جہاں چاہتے ہیں دن دہاڑے اور کبھی کبھی رات کے اندھیروں میں حملہ کرتے، کچھ مارے جاتے ہیں اور کچھ بچ کر نکل جاتے ہیں۔ ہماری عدالتیں اور

جمہوری حکومتیں قانونی تقاضے پورے کر کے مجرموں کو سزائے موت تو ضرور سناتیں ہیں مگر سزائے موت پر انجانے خوف سے مغلوب ہو کر عمل درآمد نہیں کرتیں ۔ آج پورے پاکستان کی 88 جیلوں میں اخبارات اور میڈیا کی رپورٹ کے مطابق 8 ہزار سے زائد قیدی سزائے موت پا کر بھی سات سال سے جیل کی کوٹھریوں میں بند ہیں جن کی حفاظت بھی ہماری پولیس کو کرنی پڑ رہی ہے۔ کئی جیلوں سے تو ان کے ساتھی دن دہاڑے دندناتے ہوئے آتے ہیں اور کچھ کو چھڑا کر بھی لے جاتے ہیں۔ ہماری پھر بھی آنکھیں نہیں کھلتیں اور تو اور ہر واردات کے بعد فخریہ اعلان طالبانِ پاکستان کا بھی سامنے آجاتا ہے۔ وہ تو بھلا ہو ان 133 معصوم بچوں کا جنہوں نے شہادت کا درجہ پا کر پوری قوم کو ہی نہیں بلکہ پوری دنیا کو بھی ہلا کر رکھ دیا ہے۔ اب یہ دیکھنا ہے کہ ہمارے حکمران، سیاستدان اور افواجِ پاکستان اس سانحہ سے عملی سبق حاصل کر کے مجرموں کو کیفرِ کردار تک پہنچاتے ہیں یا پھر گرم گرم ماحول کو ٹھنڈا ہونے کی نوید سنا کر ماضی کا کردار دوہرا کر پھر الزامات اپنے پڑوسی ملک پر ڈال کر اُس سے امن کی آشاء کو پروان چڑھاتی ہے ۔ اب تو بھارتی عوام بھی 2 منٹ کی خاموشی میں شامل ہو گئے ہیں، کہاں ہیں وہ 56 مسلمان ممالک اور کہاں ہے انکی او آئی سی کہ جس نے ایک لفظ بھی ہمدردی کا اس سانحہ پر نہیں کہا بلکہ صرف ترکی نے ہمارا ساتھ دیا اور ایک دن سوگ منایا۔ خدارا! ان معصوم بچوں، ان کے ٹیچروں کا خون رائیگاں جانے دو گے یا پھر دہشت گردی کے خاتمے تک اپنے اپنے سیاسی اختلافات بھلا کر 1965ء کی جنگ کی طرح

ایک سیسہ پلائی دیوار بن کر افواجِ پاکستان کو کھلی اجازت دو گے ۔ اب وہ ان مٹھی بھر ظالموں کو چن چن کر عبرتناک سزائیں دلوائیں گے یا سب سے پہلے سزائے موت کے 88 جیلوں کے مجرموں کو 88 شہروں کے چوراہوں پر لا کر پھانسی پر لٹکا کر ان کے والدین کے سینے کی آگ کو ٹھنڈا کر کے 18 کروڑ عوام کی مشترکہ خواہش کو پورا کرنے سے ہی دہشت گردی کو پہلا لگام لگے گا۔ صرف چند افراد کو لٹکانے سے کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔ مکمل صفایا ضروری ہے اور ساتھ ساتھ اُن تمام مجرموں اور ان کے سرپرستوں پر بھی ہاتھ ڈالنا ضروری ہے جو کھلم کھلا اُن کی پشت پناہی کرتے ہیں، ان کو اپنے ہاں پناہ دیتے ہیں ۔ اگر ایسا نہیں کیا گیا تو پھر کسی بڑے سانحے کے لئے تیار رہنا ہوگا۔ خاکم بدہن اگلا سانحہ اس سے بھی بڑا ہو سکتا ہے ۔ کیونکہ ہم نے 16 دسمبر 1971ء کے سانحہ سقوطِ ڈھاکہ سے سبق نہیں سیکھا۔ اب 16 دسمبر 2014ء کے پشاور سانحہ سے بھی عملی طور پر اگر سبق نہیں سیکھا تو پھر میں کہوں گا

انا للہ و انا الیہ راجعون

کینیڈا کے شب وروز

کینیڈا میں جوں جوں سردی اور برفباری کا زور ٹوٹتا ہے تو دھوپ نکل آتی ہے عوام میں خوشی کی لہر دوڑ جاتی ہے۔ چھوٹے بڑے، عورتیں، بوڑھے بچے سب کے چہرے کھل اٹھتے ہیں۔کینیڈا میں پڑے لکھے پاکستانیوں کی بہت بڑی تعداد ہے۔جس میں ڈاکٹرز، انجینئرز، آئی اسپلیشلسٹ، گریجویٹ ان سب کو کینیڈین حکومت کو باہر سے بلوایا جاتا ہے جس کی وجہ کینڈا کی اپنی آبادی اتنی زیادہ نہیں ہے اب تو بہت سے علاقوں میں چینی، کورین، پاکستانی، بھارتی اور سری لنکن کی واضح آبادی نظر آتی ہے۔کینیڈا رقبے کے اعتبار سے دنیا میں دوسرے یا تیسرے نمبر پر آتا ہے۔مگر آبادی چند کروڑ سے زیادہ نہیں ہے ۔بیشتر زمین زیر کاشت رہتی ہے۔بجلی کینیڈا نیاگرہ فال سے پیدا کرتا ہے اور امریکہ کو خصوصاً نزدیکی شہروں خاص طور پر نیویارک کو سپلائی کرتا ہے۔اسطرح کینیڈا تیل کی پیداوار میں بھی خودکفیل ہے مگر یہ تیل صفائی کیلئے امریکہ کی ریفائنریوں میں صاف کرکے واپس کینیڈا کو لوٹا دیا جاتا ہے معاہدے کے مطابق کینیڈا میں تیل صاف کرنے کی کوئی ریفائنریاں نہیں ہیں۔اس وجہ سے

تیل کی ٹرانسپورٹیشن کے اخراجات بڑھ جاتے ہیں اور اس طرح کینیڈا کو مہنگا تیل بیچنا پڑتا ہے۔کینیڈا میں ہر قوم اور مذاہب کی پوری آبادی ہے مگر کینیڈین حکومت صرف عیسائی کمیونٹی کو امداد و دیگر ان کے گرجوں، مشینوں کی کفالت کرتی ہے اس کے علاوہ کینیڈا میں دوسرا بڑا مذہب اسلام ہے جگہ جگہ مساجد اور اسلامی اسکولوں کا بہت بڑا نیٹ ورک قائم ہے جس کو مختلف ممالک کے مسلمان آپس میں چندہ جمع کرکے چلاتے ہیں۔اسلامی اسکولوں کی فیس بہت زیادہ ہوتی ہیں کیونکہ ان پر مساجد کے اخراجات بھی اٹھانے پڑتے ہیں ۔کینیڈا میں آپ کوئی گرجا یا دوسرے مذاہب کی عمارتیں خرید کران کو مساجد اور سکولوں میں تبدیل کرکے آزادی سے اپنے مذہب کی رسومات ادا کرسکتے ہیں۔البتہ یہ سب کچھ چاردیواری میں اس طرح کیا جاتا ہے کہ لاؤڈ اسپیکر کی آوازیں یعنی خطبے اور اذانوں کی آوازیں اندر تک محدود رہنی چاہئیں۔بہت سی مساجد میں دو جمعہ کی نمازیں اور کئی کئی عیدیں کی نمازیں ادا کی جاسکتی ہیں ۔اس مرتبہ جب میں اپنے گھر پر ٹھہرا تو میرے صاحبزادے خرم خلیل نے بتایا کہ محلے کے مسلمانوں نے مل کر ایک گرجے کی عمارت کرائے پر لے کر جمعہ اور عیدین کی نمازوں کا بندوبست کرلیا ہے۔اس کو مسلاء کہا جاتا ہے 12 بجے سے 3 بجے تک وہ گرجے کی عمارت خالی کرنی پڑتی ہے۔ساتھ میں پارکنگ کا بھی بندوبست کرلیا گیا ہے لوگوں کو خیال ہے اگر یہ گرجے کی عمارت بیچنی پڑے تو مسلمان مل کر چندا اکٹھا کرکے اس مسلاء کو مسجد میں تبدیل کرسکتے ہیں کسی کو بھی اعتراض نہیں ہوسکتا۔البتہ مذہبی اداروں پر حکومت اور مقامی

کاؤنٹیز کا کوئی ٹیکس نہیں ادا کرنا پڑتا اور اس پر عطیات انکم ٹیکس سے بھی مستثنیٰ ہوتے ہیں مگر اس کے لئے حکومت سے اجازت اور ہر سال آڈٹ کرانا ضروری ہے۔ میں سوچتا ہوں ہمارے مسلمان ممالک میں مساجد میں ایک دوسرے مسلک کی نمازیں ادا نہیں کی جاسکتی اگر ایسا ہو جائے تو خون خرابہ ہونے کا احتمال ہوتا ہے۔ حالانکہ دونوں طرف مسلمان ہی ہوتے ہیں یہاں کسی عیسائی، ہندو، سکھ، یہودیوں کو اعتراض کی اجازت نہیں ہے۔ اگر کسی نے ایسی شرارت کرنے کی کوشش بھی کی تو فوراً پولیس حرکت میں آ کر کسی کو بھی نہیں چھوڑتی۔ کینیڈین حکومت کی سادگی کی مثالیں ملاحظہ ہوں۔

یہاں ہر شہر کا ایک MP ہوتا ہے جس کا اس علاقے میں دفتر ہوتا ہے اور اس کے اوقات درج ہوتے ہیں یہی سینیٹروں کا کام ہے وہ اپنے اپنے علاقوں کی عوام کی تکالیف نا صرف سنیں بلکہ ان کو حل بھی کرتے ہیں۔ کینیڈا کا دارلخلافہ اٹاوہ ہے۔ اگر وزیر اعظم کسی بھی دوسرے شہر میں وزٹ کرے گا تو وہ مقامی ہوٹل میں ٹھہرے گا کوئی وزیر اعظم یا گورنر ہاؤس نہیں ہوتے۔ ان کی حفاظت کا معمولی سا انتظام ہوتا ہے۔ صرف ایک پولیس گاڑی یا پھر چند گارڈ آگے پیچھے ہوتے ہیں۔ جس علاقے میں ہمارے رہائش ہے وہاں کا مئیر بہت ہنس مکھ اور ہر ایک سے بڑی عاجزی سے ملتا ہے اس علاقے میں پاکستانیوں کی اکثریت ہے تو ہمارے پاکستانی MP اور دیگر عہدیداران اکثر اس کو بلاتے رہتے ہیں میری بھی ملاقات رہتی ہے۔ ہر دفعہ مجھ سے پوچھتا ہے کہ کوئی تکلیف ہو تو مجھے بتائیں۔ میں نے اس کو بتایا میں اپنی چھٹی کتاب ''صوبے کیوں ضروری

ہیں'' کی لانچنگ کرنا چاہتا ہوں اس نے نا صرف فلیٹو مارکھم آڈیٹوریم دیا جو ایک مقامی پاکستانی شاکر رحمت اللہ کے نام ان کی خدمات کی وجہ سے منسوب ہے۔ یہ بھی ایک پاکستانیوں کیلئے اعزاز ہے۔ پھر تقریب میں بھی شرکت کے تمام انتظامات جناب شاکر رحمت اللہ اور مقامی سابق MP خالد عثمان صاحب نے چند دنوں میں ہی کر دیئے۔ تقریب میں ہمارے پاکستانی قونصل جنرل محمد نفیس ذکریا صاحب بنفس نفیس تشریف لائے اور اپنے خیالات کا بھی اظہار کیا۔ اس تقریب کو جناب تسلیم الٰہی زلفی صاحب جوار دو ٹی وی کینیڈا کے مالک ہیں کینیڈا کے عوام کو بھی اپنے چینل سے دکھایا اس تقریب کو جیو ٹی وی کے بدر منیر چودھری صاحب نے بھی کور کیا اور کینیڈا میں جیو چینل سے نشر کیا۔ تقریب کو کینیڈا میں راول ٹی وی کے محمد افضل صاحب نے بھی کور کیا اور بعد میں نشر بھی کیا یہ پاکستانی چینل کینیڈا میں رہنے والوں کیلئے ایک نعمت سے کم نہیں ہیں جو خبروں کے علاوہ مختلف تقریبات دکھاتے رہتے ہیں اس طرح اسی ہفتے ہمارے قونصل جنرل پاکستان جناب محمد نفیس زکریا صاحب نے ایک مشاعرہ بھی منعقد کروایا جس میں پاکستان سے بہت سے شعراء امجد اسلام امجد محمود شام، پیرزادہ قاسم خصوصی طور پر مدعو تھے۔ مشاعرہ کینیڈین پاکستانی شاعروں نے محفل لوٹ لی رات دیر تک جاری رہا اسی طرح تسلیم الٰہی زلفی صاحب نے ایک اور مشاعرہ مقامی شاعروں کا منعقد کیا جس میں خواتین شاعرہ بھی شامل تھیں۔ ابتداء میں ایک مقامی شاعر جناب صالح اچھا صاحب کی کتاب دیدہ حیران کی بھی رونمائی ہوئی جس کی صدارت خود راقم نے

کی۔کھانے کے بعد مشاعرہ شروع ہوا۔ویک اینڈ کی وجہ سے وہ بھی رات دیر تک جاری رہا۔اس میں بھی مقامی لوگوں نے بھرپور شرکت کی۔اس تقریب میں بھی ہمارے قونصل جنرل محمد نفیس زکریا صاحب بھی شریک ہوئے۔

قارئین کینیڈا میں زندگی اتنی آسان نہیں ہے جتنی یہاں رہنے والے پاکستانیوں کو میسر ہے۔خود گاڑی چلانی پڑتی ہے۔گھر کا سامان خواتین خریداری کرتی ہیں۔ان کے ذمہ گھر کی صفائی، کھانا پکانے کے علاوہ بچوں کو سکول سے لانا اور لے جانا بھی ہوتا ہے کیونکہ مرد حضرات ڈیوٹیوں پر ہوتے ہیں صرف ویک اینڈ بھی جمعہ کی شام سے اتوار کی رات تک لوگ تفریح کرتے ہیں۔ہر طرف سکون ہی سکون ہے۔قانون کی حکمرانی ہے، سڑکوں پر بہت کم پولیس نظر آتی ہے، ہر شہری کو سکول تک مفت تعلیم کا بندوبست، ہسپتال، علاج معالجہ مفت ہوتا ہے۔مارکھم ہسپتال کو مزید بڑھانا تھا 50 ملین ڈالر کی اپیل کی گئی تو مقامی لوگوں نے 56 ملین جمع کرا دیئے اس میں بہت سے پاکستانی، بھارتی اور دیگر بھی شامل تھے۔اگر آپ کے گھر یا دفتر میں آگ لگ جائے تو منٹوں میں فائر بریگیڈ آجائے گا مگر بعد میں آنے والے اخراجات کا بل بھیج دے گا ہر چیز میسر ہے مگر اس کی قیمت ادا کرنی پڑتی ہے۔ہر ایک کی حفاظت کی ذمہ داری حکومت کی ذمہ داری ہے۔اسی وجہ سے اب زیادہ تر پڑھے لکھے اور صنعتکار باہر کا رخ کر رہے ہیں کینیڈا اس میں سرفہرست ہے اگر ہماری حکومت نے لاء اینڈ آرڈر ٹھیک نہیں کیا تو نقل مکانی میں بہت اضافہ ہو سکتا ہے۔ویسے بھی پاکستان میں بجلی کی لوڈشیڈنگ ماضی سے بھی زیادہ بڑھ چکی ہے حکومتی

وعدے خود حکومت کے الیکشن وعدوں کا منہ چڑا رہے ہیں خصوصاً ایک سال کا وعدہ اب 5 سال تک کے وعدوں تک پہنچ چکا ہے۔

حکیم سعید شہید

اکثر قارئین مجھے ای میلز بھیجتے رہتے ہیں ایک بہت دردناک ای میل مجھے میرے بہت پیارے دوست انور نقوی ایڈووکیٹ جو غالباً 1990 میں اس وقت حالات سے دلبرداشتہ ہو کر کینیڈا جا بسے تھے۔ جبکہ آج کے مقابلے میں پاکستان کے حالات کہیں بہتر تھے بھیجی ہے جوں کی توں لکھ رہا ہوں۔ قارئین کتنے افسوس کا مقام ہے مرحوم حکیم سعید شہید کے قاتل آج بھی اپنے انجام کو نہیں پہنچے اور قوم بھی آہستہ آہستہ بھولتی جارہی ہے۔ اس کے راوی کا تو پتہ نہیں مگر 100 فیصد سچ لکھا ہے۔ حکیم سعید صاحب میرے بہت مشفق دوست تھے کئی عادتیں ہم میں مشترک تھیں مثلاً وہ بھی وقت کے بہت پابند ہوتے تھے اور وہ بھی چائے نہیں پیتے تھے۔ انہوں نے بھی گورنر ہوتے ہوئے کوئی مالی و قانونی مراعات مثلاً تنخواہ نہیں لی اور میں بھی جب سندھ کا مشیر اطلاعات بنا تو میں نے بھی کوئی مراعات نہیں لی۔ ملاحظہ ہو

پچھلے موسم سرما میں ایک نامور پاکستانی دانشور بھارت گئے۔ دورے کے اختتام پر ایک غیر سرکاری تنظیم نے دہلی میں ان کے اعزاز میں ایک نشست کا

اہتمام کیا جس میں پاکستانی دانشور کو "خراج عقیدت" پیش کرنے کیلئے چوٹی کے بھارتی دانشور تشریف لائے، نشست کے آخر میں جب سوال و جواب کا سلسلہ شروع ہوا تو ایک ہندو دانشور نے اپنے معزز مہمان سے ایک عجیب سوال پوچھا، پوچھنے والے نے پوچھا یہاں بھارت میں تو مسلمان مساجد میں نماز ادا کرتے ہیں وہاں پاکستان میں کہاں پڑھتے ہیں؟ پاکستانی دانشور نے اس سوال کو مذاق سمجھ کر فلک شگاف قہقہہ لگایا لیکن جب انہیں محفل کی طرف سے کوئی خاص ردِ عمل موصول نہ ہوا تو انہوں نے کھسیانا ہو کر سوالی کی طرف دیکھا، ہندو دانشور کے چہرے پر سنجیدگی کے ڈھیر لگے تھے۔ پاکستانی دانشور نے بے چینی سے پہلو بدل کر جواب دیا کہ ظاہر ہے مسجدوں میں ہی پڑھتے ہیں، یہ جواب سن کر ہندو دانشور کھڑا ہوا، ایک نظر حاضرین پر ڈالی اور پھر مسکرا کر بولا لیکن ہماری اطلاعات کے مطابق تو پاکستانی مسجدوں میں نماز پڑھنے والوں کو گولی ماردی جاتی ہے۔ ہندو دانشور کا یہ تبصرہ پاکستانی دانشور کو اسکڈ میزائل کی طرح لگا۔ اس کا ماتھا پسینے سے بھیگ گیا۔ ہاتھوں میں لرزہ طاری ہو گیا اور آنکھوں میں سرخی آ گئی۔ منتظمین موقع کی مناسبت بھانپ گئے لہٰذا انہوں نے فوراً نشست کے اختتام کا اعلان کر دیا۔ یوں پاک بھارت تعلقات مزید بگڑنے سے بچ گئے۔

یہ واقعہ مجھے مرحوم حکیم سعید نے سنایا تھا مجھے آج بھی وہ گرم سہ پہر یاد ہے۔ میں ہمدرد دواخانہ راولپنڈی میں حکیم صاحب کے کمرے میں بیٹھا تھا۔ مرحوم خلاف معمول تھکے تھکے لگ رہے تھے۔ میں نے ادب سے طبیعت کے اس

بوجھل پن کی وجہ دریافت کی تو دل گرفتہ لہجے میں بولے ہم نے اس دکھ سے بھارت چھوڑا تھا کہ ہمیں وہاں مذہبی آزادی حاصل نہیں تھی۔ ہم نماز پڑھنے جاتے تھے تو ہندو مسجدوں میں سور چھوڑ دیتے تھے۔ خانۂ خدا کے دروازے پر ڈھول پیٹتے تھے۔ بول و براز کی تھیلیاں ہمارے اوپر پھینکتے تھے۔ ہندو شر پسند پچھلی صفوں میں کھڑے نمازیوں کو چھرے گھونپ کر بھاگ جاتے تھے۔ ہم نے سوچا چلیں پاکستان چلتے ہیں وہاں کم از کم ہمارے سجدے تو آزاد ہونگے۔ ہماری مسجدیں، ہماری درسگاہیں تو محفوظ ہونگی۔ لیکن افسوس آج مسلح گارڈ کے پہرے کے بغیر پاکستان کی کسی مسجد میں نماز کا تصور تک نہیں۔ مجھے میرے بڑے بھائی حکیم عبدالحمید دہلی سے لکھتے ہیں۔ سعید واپس آجاؤ، پاکستان کے حالات ٹھیک نہیں۔ یہاں ادھر کم از کم مسجدیں تو محفوظ ہیں۔۔۔ لیکن میں ۔۔۔ ان کی آواز اُکھڑ گئی۔ پاکستان آنے پر آپ کو بھی پچھتاوا ہوا؟ میں نے نرمی سے پوچھا۔ انہوں نے اچکن کے بٹن سہلائے۔۔ نہیں ہرگز نہیں۔ یہ سودا ہم نے خود کیا تھا۔ حمید بھائی ہمارے اس فیصلے سے خوش نہیں تھے۔ ان کی خواہش تھی کہ میں دہلی میں ہی ان کا ہاتھ بٹاؤں۔ لیکن مجھے لفظ پاکستان سے عشق تھا لہٰذا ادھر چلا آیا۔ اللہ نے کرم کیا اور وہ ادارہ جس کی بنیاد میں نے 12 روپے سے رکھی تھی آج پاکستان کے چند بڑے اداروں میں شمار ہوتا ہے۔ یہ سب پاکستان سے عشق کا کمال ہے۔ ان کی آواز میں بدستور ملال تھا۔ لیکن پاکستان کے حالات سے دکھ تو ہوتا ہوگا۔ میں نے اپنے سوال پر اصرار کیا۔۔۔ ہاں بہت ہوتا ہے، اخبار پڑھتا ہوں، سیاستدانوں کے حالات دیکھتا ہوں۔

عوام کی دگرگوں صورتحال پر نظر پڑتی ہے تو بہت دکھ ہوتا ہے۔ جب ادھر دہلی سے کوئی عزیز رشتہ دار پاکستان آکر کہتا ہے تو پھر دل پر چھری چل جاتی ہے۔ لیکن کیا کریں گھر جیسا بھی ہے، ہے تو اپنا۔ ہم اسے چھوڑ تو نہیں سکتے۔ لہٰذا لگے ہوئے ہیں، لگے رہیں گے آخری سانس تک۔ کوئی ایسی خواہش جس کا آپ نے کسی کے سامنے اظہار نہیں کیا؟ انہوں نے کچھ دیر سوچا۔ ہاں۔ کبھی کبھی جی چاہتا ہے کہ میری موت حمید بھائی (حکیم صاحب کے بڑے بھائی) سے پہلے ہو۔ وہ میرے جنازے پر آئیں۔ میرے چہرے سے چادر سرکا کر دیکھیں اور پھر آہستہ سے مسکرا کر کہیں۔ ہاں سعید تمہارا فیصلہ درست تھا۔ وہ گرم دوپہر ڈھل گئی تو اس کے بطن سے آج کی خنک اور غمناک صبح طلوع ہوئی۔ میرے سامنے میز پر آج کے اخبار بکھرے پڑے ہیں۔

ہر اخبار کی پیشانی پر آج کے سب سے بڑے انسان کی تصویر چھپی ہے۔ خون میں نہائی اور حسرت میں ڈوبی تصویر جو ہر لحاظ سے چیخ چیخ کر ایک ہی سوال کر رہی ہے۔ کہ میرا جرم کیا تھا مجھے کیوں مارا گیا۔ میں تو زخموں پر مرہم رکھنے والا شخص تھا پھر میرے جسم کو زخمی کیوں بنا دیا گیا۔ میرا دماغ سلگی لکڑیوں کی طرح چٹخنے لگا۔ میں نے سوچا یہ تصویر آج دہلی کے کسی اخبار میں بھی چھپی ہوگی۔ وہ اخبار ہمدرد نگر کے ایک چھوٹے سے غریبانہ کمرے میں بھی پہنچا ہوگا۔ چٹائی پر بیٹھے 82 برس کے ایک بوڑھے نے بھی اس کو اُٹھایا ہوگا۔ اس کی آنکھیں بھی ہزاروں لاکھوں لوگوں کی طرح چھلک پڑی ہونگی۔ اس نے بھی شدت جذبات سے اخبار پھینک دیا ہوگا۔ اس نے بھی بازو پر دانت دبا کر چیخ ماری ہوگی۔ اس

نے بھی اپنی چھاتی پر ہاتھ مارا ہوگا۔ اس نے بھی چلا چلا کر کہا ہوگا۔ سعید تمہارا فیصلہ غلط تھا۔ مجھے دیکھو 82 برس کے اس بوڑھے کو یہ بغیر محافظ کے مسجد جاتا ہے۔ پیدل مطب پہنچتا ہے۔ روز صبح شام کافروں کے درمیان چہل قدمی کرتا ہے۔ لیکن اس پر کبھی کوئی گولی نہیں چلی۔ اس کا کبھی کسی نے راستہ نہیں روکا۔ ہاں اس 82 برس کے کمزور بوڑھے نے چلا چلا کر کہا ہوگا۔ سعید! میں کربلا میں تو زندہ رہا، تم مدینے میں مارے گئے۔ قارئین میں بھی حکیم سعید کے جنازے میں تو شریک نہیں ہوسکا تھا کیونکہ خطرے کی بو پا کر اُس وقت کی انتظامیہ نے جلدی جلدی نہلا دھلا کر خاموشی سے اُن کی وصیت کے مطابق مدینۃ الحکمت میں دفنا دیا۔ البتہ مرحوم کے بڑے بھائی حکیم محمد حمید صاحب انکے سوئم میں کربناک چہرے سے عیاں تھا کاش سعید تم ہم کو چھوڑ کر نہ جاتے تو آج مجھے یہاں نہیں آنا پڑتا۔

ہمارے صنعتکار بیرون ممالک کیوں جا رہے ہیں؟

پاکستان کے 67 سالوں کا اگر معاشی صورتحال کا جائزہ لیا جائے تو پاکستان کے ابتدائی جمہوری 14 سال گزرنے کے بعد فوجی دور کے صدر ایوب خان نے ابتدا کی اور اپنے 10 سالہ دور میں پاکستان کی معیشت کو مضبوط بنیادیں فراہم کرکے اس کو مستحکم کردیا اور پاکستان کو صنعتی میدان میں لا کھڑا کیا۔ نئی نئی فیکٹریاں، ٹیکسٹائل ملز، شوگر ملز، سیمنٹ کے کارخانے اور ہیوی کمپلیکس مشینریز، فیکٹریاں الغرض ہر بنیادی ضرورت کی پیداوار شروع کی۔ اس کے بعد یحیٰی خان کا دور شروع ہوا مگر ان کے دور میں سیاسی اکھاڑ پچھاڑ، مشرقی، مغربی پاکستان کے سیاستدانوں کی کشمکش پھر ملک دولخت ہوگیا جس کے بعد پھر فوجی دور کا خاتمہ اور جمہوری دور ذوالفقار علی بھٹو سے شروع ہوتا ہے۔ بدقسمتی سے پی پی پی کے بنیادی نعرے روٹی، کپڑا اور مکان نے اقتدار تو دلا دیا مگر گزشتہ 14 سال کی مضبوط معیشت کو نیشنلائزیشن کی پالیسی قومی معیشت پر کاری ضرب لگا کر اس کو نیچے کی طرف لے گئی۔ تمام بڑی صنعتیں، بینک، انشورنس کمپنیاں تھوک کی تعداد میں قومیالی گئیں۔ جس نے پاکستانی صنعتکاروں کو

راتوں رات کنگال کردیا تو دوسری طرف قومیائے گئے ادارے تنزلی کی طرف اور ساتھ ساتھ کرپشن کی ابتدا ثابت ہوئے صنعتکاروں نے بیرون ملک اپنا سرمایہ منتقل کرکے صنعتی میدانوں سے ہاتھ اٹھالیا۔صنعتکار کو بدنام سمجھا جانے لگا پھر ہمارے تعلیمی اداروں کے قومیانے سے دوسرا بڑا دھچکا ہمارے بچوں کے تعلیمی معیار کو پستی کی طرف لے گیا۔کسی نے بھٹو مرحوم کے دور میں آواز تک بلند نہ کی مگر قوم کو دوہرا نقصان ہوا۔پھر فوجی حکومت مارشل لاء کے زور پر ضیاء الحق مرحوم کی قیادت میسر آئی ۔انہوں نے ابتدا میں تو ڈی نیشلائزیشن کی طرف توجہ نہ دی مگر جب فیکٹریاں اور مدارس واپس کئے گئے تو صنعتکاروں کو ڈھارس بندھی اور انہوں نے آہستہ آہستہ اپنا پیسہ واپس پاکستان لانا شروع کیا ۔نئے نئے تعلیمی ادارے بھی کھلے اور دوبارہ نجی صنعتکاری بھی شروع ہوئی پھر مارشل لاء کا دور ہوائی حادثہ کا شکار ہوا۔پھر پی پی کی جمہوری حکومت آئی ، صنعتکار گھبرائے گئے مگر بے نظیر صاحبہ نے صنعتکاروں کی حوصلہ افزائی کی جس کی وجہ سے ہمارا سرمایا ملک میں ہی گردش کرتا رہا۔البتہ فوجی دور کی نسبت اس جمہوری دور میں کرپشن مزید پروان چڑھی۔ سیاسی افراتفری مرکز اور صوبائی حکومتوں میں محاذ آرائی نے ایک طرف صنعتکاری کو مزید پھلنے پھولنے نہیں دیا تو دوسری طرف صدر اسحٰق خان نے کرپشن کے الزامات لگا کر پی پی کی حکومت کو رخصت کردیا۔ جب دوبارہ الیکشن ہوئے تو پاکستان کی تاریخ میں پہلے صنعتکار وزیراعظم میاں محمد نواز شریف کو حکومت ملی تو امید تھی کہ صنعتکاری کو فروغ حاصل ہوگا۔مگر حکومتی سطح پر نہ صنعتکاروں کو تحفظ دیا گیا نہ تعلیمی اداروں

کے معیار کو بہتر بنایا گیا مگر کرپشن کو دوام بخشا گیا سیاسی اکھاڑ پچھاڑ جاری رہا۔ پھر صدر اسحٰق خان نے مسلم لیگ ن کی حکومت کو بھی فارغ کردیا الغرض پی پی پی کا دوسرا دور اور زیادہ بھیانک ثابت ہوا۔اب کہ خود ان کے لائے ہوئے صدر فاروق لغاری نے ان کا تختہ الٹا اور پی پی پی کا دوسرا دور بھی ختم ہوا پھر الیکشن میں مسلم لیگ نواز شریف کو دوسرا موقع ملا جو صرف بلند دعویٰ ثابت ہوئے بلکہ پاکستان نے ایٹمی دھماکہ کیا تو حکمرانوں نے خود بھٹو مرحوم کی غلطی دہرائی اور فارن کرنسی اکاؤنٹ منجمد کرکے دوبارہ صنعتکاری اور حکومت کے اعتماد کو بری مجروح کیا ڈالر ایک رات میں 45 روپے سے 67 روپے تک جا پہنچا معاشی بحران اپنی انتہا کو چھونے لگا اب صنعتکاروں تاجروں نے اپنا سرمایہ دوبارہ بیرون ممالک بھیجنا شروع کردیا خصوصیت کے ساتھ UAE تو ابھی اپنی ابتدائی صنعتکاری کے مرحلے میں تھا پاکستانی تاجروں ،،صنعتکاروں ، بنکاروں ، ڈاکٹرز ، پروفیسرز ، انشورنس سے وابستہ افراد دبئی میں سیٹل ہونا شروع ہوگئے اب صنعتی بوم دبئی کی طرف چل دیا اور کل کا ریگستان آج ہر لحاظ سے ایشیاء کا سب سے بڑا صنعتی ، تعلیمی ، معاشی ہر اعتبار سے آگے جا چکا ہے ہماری حکومتوں بشمول پرویز مشرف کے فوجی دور میں بھی اس کی طرف توجہ نہ دی 9/11 نے تو پاکستانیوں کے جینے پر بھی کاری ضرب لگائی افغانستان جنگ نے ہماری معیشت کو بالکل مفلوج کردیا۔ طالبان اور طالبانائزیشن نے پاکستان کے سب سے بڑے صنعتی شہر کراچی کو یرغمال بنا کر دہشت گردی ، منشیات ، ڈکیتیاں ، قتل ، اغوا ، بھتے کے کلچر کو فروغ دیا اور ہمارا بچا کھچا سرمایہ اور

سرمایہ دار پاکستان سے مایوس ہوکر آہستہ آہستہ بیرون ممالک منتقل ہونا شروع ہو گئے اب صورتحال یہاں تک جا پہنچی جب پی پی پی کے وزیراعظم یوسف رضا گیلانی کی توجہ اس طرف مبذول کرائی گئی تو انہوں نے ازراہ تمسخر فرمایا ان صنعتکاروں کے جانے سے پاکستانی معیشت پر کوئی اثر نہیں پڑے گا۔ آج صورتحال یہ ہے کہ خود ہمارے وزیراعظم نواز شریف اور چوہدری برادران کے خاندان بیرون ملک صنعتکاری کرر ہے ہیں۔ عام صنعتکار اور تاجر تو کجا ہمارے ڈاکٹرز اور ہنرمند افراد جس کو جب موقع ملتا ہے بیرون ملک جانے کو مع اپنے خاندان ترجیح دے رہا ہے آج صرف کراچی کے 90% صنعتکاروں کا جزوی سرمایہ تو منتقل ہو چکا ہے اب تاوان کے خاندان اس دہشت گردی اور اغوا برائے تاوان سے گھبرا کر بیرون ملک منتقل ہور ہے ہیں دو تہائی ٹیکسٹائل کا شعبہ بنگلہ دیش منتقل ہو چکا ہے جہاں بجلی، گیس سستا لیبر میسر ہے مگر اس کو روکنے کیلئے حکومت بالکل خاموش ہے۔ لاپتہ افراد کو تلاش کرنے کیلئے تو کمیشن بن رہے ہیں دکھاوے کیلئے آپریشن بھی ہور ہے ہیں۔ معذرت کے ساتھ وزیراعظم میاں نواز شریف صاحب صنعتکاروں، تاجروں کے کنونشن میں کراچی کے حالات سدھارنے کی بات تو کرتے ہیں مگر آج تک انہوں نے ایک رات بھی کراچی میں نہیں گزاری۔ احکامات در احکامات صرف اظہار تشویش سے کام نہیں چلے گا۔ ڈالروں کے گرنے اور چڑھنے پر تو سیاستدان اور حزب اختلاف اپنی توانائیاں ضائع کرر ہے ہیں۔ ڈیڑھ ارب ڈالر کا تو چرچا ہے مگر ارب پتی کھرب پتی صنعتکاروں کا پاکستان سے ناطہ توڑنے کا دکھ

کسی کو نہیں ہے کیا سیاستدان ایک پوائنٹ ایجنڈا یعنی پہلے پاکستانی معیشت کی بحالی پھر سیاست پر اکٹھے نہیں ہو سکتے۔ طالبان سے مذاکرات ہو سکتے ہیں تو صنعتکاروں کو ان کو مال و جان کی حفاظت دینے کیلئے فیڈریشن چیمبرز آف کامرس، علاقائی تاجر تنظیموں، وکلاء برادری، ڈاکٹرز صاحبان سے مل کر مشاورت کے ذریعے معیشت کی بحالی اور سرمایہ کو بیرون ملک روکنے کے مثبت اقدامات کیوں نہیں ہو سکتے۔ یاد رہے جب 1972 میں نجکاری ہوئی تھی تو 20 پچیس سال تک اس کے مضر اثرات پاکستان کی معیشت کو تنزلی کی طرف لے گئے تھے اور آج اس سے بھی زیادہ بری حالت ہمارے صنعتکاروں پر اثر انداز ہو رہی ہے اگر موجودہ حکومت نے سنجیدگی سے اس کی طرف توجہ نہ دی اور سرمایہ کی روک تھام نہیں کی تو ڈیڑھ ارب کے بجائے 10 کھرب ڈالرز بھی ناکافی ہونگے۔ خدارا تمام مقتدر ادارے مل کر اس کو سنجیدگی سے مل بیٹھ کر سوچیں۔ صنعتکاروں کے بچے تو پہلے ہی بیرون ممالک سیٹل ہو چکے ہیں۔ بچے کھچے صنعتکار بھی کہیں اس اغوا برائے تاوان اور دہشت گردی سے گھبرا کو بیرون ملک کی راہ نہ دیکھیں۔ فیصلہ حکومت کو کرنا ہے ایک طرف بھارت کو پسندیدہ ملک قرار دے کر اپنی ہی صنعتیں بند کرانے کی تیاری ہماری معیشت پر برا اثر ڈالے گی۔ جب تمام سرمایہ اور کاروبار باہر چلا جائے گا تو کیا پھر حکومت کی آنکھیں کھلیں گی؟

ہماری خارجہ پالیسی کیا ہے

ہماری خارجہ پالیسی کیا ہوگی ڈیڑھ سال گزر چکے ہیں ہمارا کوئی مستقل وزیر خارجہ ہی نہیں ہے ہم سابقہ وزیر خزانہ سے کام چلا رہے ہیں وہ بھی مشیر خارجہ کا قلمدان پکڑا کر زبر دستی اس بڑھاپے میں ان کو دوڑا رہے ہیں افسوس تو پوری قوم کو ہو رہا ہے کہ ہم نے اپنی سر زمین امریکہ کو استعمال کرنے دی پہلے اس کی خاطر ہم افغانستان میں کودے روس کو باہر تو کر دیا مگر ہم کو کیا ملا۔ پورا ملک جہادیوں، طالبانوں، مہاجروں، اسلحہ منشیات میں خود کفیل ہو گیا اس کی آڑ میں ضیا الحق اپنا اقتدار مضبوط کر کے پاکستان کو کھوکھلا کر گئے ہر طرف امن کے بجائے دہشت گردی کا راج چھوڑ گئے پھر دوسری مرتبہ پرویز مشرف امریکہ کی حمایت میں بغیر سوچے سمجھے دوبارہ اسی افغان جنگ کے سب سے بڑے کھلاڑی بن گئے، ڈالروں کی بارش تو ہوتی رہی مگر ہمارا سب کچھ داؤ پر لگ گیا۔ جنگ کسی اور کی تھی دہشت گرد کا لیبل ہم پر لگ گیا ہر طرح کی پابندیاں پاکستان کا مقدر بن چکی ہیں غیر ملکی سیاح تو کجا اب تو خود ہمارے پاکستانی دیارِ غیر سے آتے ہوئے ڈرتے ہیں۔ کل رات ہم کنیڈا میں ایک پاکستانیوں کی

دعوت میں مدعو تھے میزبان خاتون کہنے لگی کہ میرے میاں کو پاکستان جانے کا بہت شوق ہے ہم کو بھی ہمارے دوست و احباب بہت یاد آتے ہیں یہاں کی سردی اور گھر کا کام کاج بہت گراں لگتا ہے مگر ہم یہ سختیاں برداشت کرنے کے لئے تیار ہیں کم از کم ہم اور ہمارے بچے تو محفوظ ہیں کسی طرح کا کوئی خطرہ نہیں ہے نہ جان کا نہ مال کا۔ ہم ہر وقت امریکہ کو برا بھلا کہتے ہیں ان کے جھنڈے بھی جلاتے ہیں ان کے خلاف بڑے بڑے جلوس بھی نکالتے ہیں مگر یہاں یہ ہم کو پھر بھی کچھ نہیں کہتے ان کے اپنے شہریوں کی طرح ہمارے برابر کے حقوق ہیں یہ الگ بات ہے کہ بھارتی پروپیگنڈا اتنا ہمارے خلاف زہر اگلتا ہے جیسے ہر پاکستانی دہشت گرد ہے حالانکہ آج تک جتنے بڑے بُرے واقعات 9/11 جیسے ہوئے ایک بھی پاکستانی اس میں ملوث نہیں ہے مگر ہماری کمزور ترین خارجہ پالیسی ان کا مقابلہ نہیں کرسکتی۔ ان بھارتی سفارخانوں نے مقامی میڈیا کو قبضہ میں کر رکھا ہے وہ T.V اور اخبارات میں کھل کر پاکستان کے خلاف ہر وہ کام کرتے ہیں جس سے پاکستان کی ساکھ کو نقصان پہنچے خصوصاً امریکہ اور کنیڈا میں وہ پاکستانی مصنوعات کا بائیکاٹ کر کے صرف بھارتی اشیاء ان کے اپنے گروسری اسٹورز سے خریدتے ہیں مگر ہم پاکستانی ایسا کوئی امتیاز نہیں برتتے۔ پچھلے دنوں جب بھارتی وزیر اعظم نریند مودی جن کا گجرات میں قتل عام کی وجہ سے امریکہ میں داخلہ بند کر دیا گیا تھا اس کو اتنے پرتپاک سے امریکی صدر نے ون ٹو ون ملاقاتیں اور اربوں ڈالرز کے معاہدے کئے تھے اور پھر چند ہی ماہ گزرے تھے کہ خود بھارت کا دوسرا دورہ کر ڈالا صدر اوباما

امریکہ کے واحد صدر ہیں جنہوں نے اپنے دور میں 2 مرتبہ بھارت کا دورہ کیا معاشی معاہدے تو ایک طرف ایٹمی توانائی میں پاکستان کو نظر انداز کر کے بھارتی برتری مسلط کروادی اور افغانستان کو بھی بھارت کا بہترین پارٹنر بنوادیا۔ ہمارے حکمران خاموشی سے امریکہ اور بھارت کی اس دوستی کو اپنے ہی خلاف استعمال ہوتا دیکھ کر بھی احتجاج نہیں کرتے اس خطے میں طاقت کا توازن بگڑے گا تو بھارت اپنی من مانی کرے گا ویسے بھی اس نے سرحدوں پر کھلی جارحیت برپا کر رکھی ہے۔ گزشتہ دنوں ہمارے فوجی سربراہ جنرل راحیل شریف کے دورہ امریکہ سے یہ تاثر ملا تھا کہ اب امریکہ بھارت کی طرف زیادہ جھکاؤ نہیں رکھے گا کیونکہ انہوں نے بھارتی جارحیت کے ٹھوس ثبوت بھی دیئے تھے اسی وجہ سے ان کا دورہ بھی ایک ہفتہ مزید امریکہ کی درخواست پر بڑھایا گیا تھا مگر آخر میں وہی ہوا جو پاکستان کے ساتھ ہوتا چلا آرہا ہے۔ ہر کوئی اپنا کام نکال کر ٹشو پیپر کی طرح پھینک دیتا ہے خارجہ اور وزیراعظم کے امور تو ہمارے فوجی سربراہ نباہ رہے ہیں ایک طرف مودی امریکی صدر کو خود چائے بنا کر پیش کر رہے تھے اور 100 قیمتی ساڑھیوں کی رشوت ان کی اہلیہ کا دل جیتنے کی کوشش میں لگے تھے تو دوسری طرف ہمارے فوجی سربراہ چین کا دورہ کر کے ان کا حساب برابر کرنے میں لگے ہوئے تھے۔ ہم کو اب کھل کر صرف چین ہی نہیں بلکہ روس کے ساتھ بھی دوستی کا ہاتھ بڑھا کر مشترکہ مفادات خصوصاً ایٹمی توانائی کے معاہدے کرنے چاہیں مگر ہم تو اپنے ملک کے اندرونی معاملات چوتھی مرتبہ حکومت ملنے کے باوجود اپنی گرفت مضبوط نہیں کر سکے۔ اندرونی

انتشار، بجلی، گیس، پیٹرول، پینے کے پانی تک کی سپلائی برقرار نہیں رکھ سکتے کراچی جیسے واحد، معاشی، تجارتی، صنعتی شہر کو بھتہ خوروں، رشوت خوروں، دہشت گردوں سے نہیں بچا سکے صرف نوٹس لینے سے کام نہیں چلے گا۔ کہاں ہیں وہ فوجی عدالتیں جن کا اعلان کیا جا رہا ہے قاتل آزاد گھوم رہے ہیں، دن دہاڑے ڈاکے پڑ رہے ہیں اربوں کھربوں کا سرمایہ باہر جا چکا ہے کوئی ترقیاتی کام نہیں ہو رہا ہے پیٹرول کی قیمتیں زمین پر آچکی ہیں مگر ہماری گیس کی قیمتوں میں اضافہ ہو رہا ہے کبھی ایران کا نام لیا جاتا ہے تو کبھی ہم قطر کی بات کرتے ہیں۔ حکومت کے اندر خود وزراء کی جنگ جاری ہے بحران آتے ہیں چلے جاتے ہیں وزیراعظم مردِ بحران بنے کبھی ایک وزیر سے سوال کرتے ہیں تو وہ الزام دوسرے وزیر پر ڈال کر خود کو بے قصور ثابت کر دیتا ہے۔ آج تک ایک وزیر کو بھی برطرف نہیں کیا سب رشتہ داروں دوستوں کو بھر رکھا ہے سب ایک زنجیر میں جکڑے ہوئے ہیں سب کے سب ماضی کے آزمودہ نا اہل ثابت ہو چکے ہیں ہر 2 ماہ کے بعد حکومت کی کرسی ڈول جاتی ہے پھر نہ جانے مردِ بحران کیسے پھر اس بحران سے نکل آتے ہیں اور غیر ملک کے دورے پر روانہ ہو جاتے ہیں بھاڑ میں جائیں عوام اسی طرح 5 سال گزر جائیں گے۔ قوم اس نا اہل حکومت کو چھوڑ کر پھر الیکشن کے وعدوں میں دھوکہ کھا کر پھر زمینداروں، وڈیروں کے جھانسوں میں آجائے گی اور پاکستان کا مستقبل انہی کے گرد گھومنا شروع ہو جائے گا دنیا ہم پر تھو تھو کرے گی مگر نہ عوام کی فکر ہے کسی کو اور نہ پاکستان عزیز ہے۔ سب کچھ اپنی حکومت بچانے کی

فکر ہے پاکستان کی خارجہ پالیسی صرف میڈیا کے ٹاک شوز میں باہر والے آکر قوم کو بتاتے ہیں کہ ایسا ہونا چاہئے ویسا ہونا چاہئے۔ ہمارے سفارتی حلقے تنخواہیں مراعات غیر ملکی دوروں کی حد تک محدود ہیں آج تک ہمارے کسی بھی سفارت خانے نے ایسا کوئی کارنامہ انجام نہیں دیا جس سے پاکستان کی عزت میں اضافہ ہوا ہو، نہ آج تک کوئی تجارتی فائدہ پہنچایا گیا۔ جب کہ بھارت کے ہر سفارت خانے کا کام ملک کی صنعتی سرگرمیوں کو بڑھانا اور بھارتی معیشت کو مضبوط بنیادیں مہیا کرنا اور ثقافت کے فروغ کا کام کرکے دنیا کے سب سے بڑے جمہوری ملک کا درجہ دلانا ہے اور پاکستان کے خلاف پروپیگنڈہ ضروری ہے مگر ہمارے سفارت خانے اس کی روک تھام بھی نہیں کرتے۔

اختیارات کی منصفانہ تقسیم

گزشتہ ہفتے راقم نے پوری دنیا کی طرح پاکستان میں بھی صوبوں کو بڑھانے کی تجویز پیش کی تھی۔ جو آج کل زیر بحث ہے، خصوصاً اس کا ردعمل سندھ میں دیکھنے میں آیا۔ پہلے ترقی پسند سندھیوں کی طرف سے ردعمل کے طور پر پورے سندھ کے اندرونی شہروں میں علامتی ہڑتال کی گئی اور کراچی میں دھرنا بھی دیا گیا۔ اس کے جواب میں ایم کیو ایم کی طرف سے بھی شٹر ڈاؤن کی گئی۔ مگر دیگر 3 صوبے ابھی تک کوئی ردعمل دکھانے سے قاصر ہیں۔ البتہ مرکزی حکومت مسلم لیگ (ن) کی طرف سے پہلی مرتبہ عندیہ دیا گیا۔ پاکستان میں مزید صوبوں کی گنجائش ہے اور اس پر مثبت پیش رفت ہونی چاہئے۔ سب سے پہلے تو وضاحت کردوں کہ یہ تاثر ہی غلط ہے جو سندھ میں شدت سے پھیلایا جارہا ہے کہ سندھ دھرتی کی تقسیم ہورہی ہے، ایسا ہرگز نہیں ہے۔ بقول جناب الطاف حسین صاحب یہ جاگیرداروں، وڈیروں، چوہدریوں اور نوابوں کی طرف سے عوام کو اکسا کر لڑانے کی سازش ہے۔ جس سے تمام محبِّ وطن پاکستانی عوام کو ہوشیار ہونا پڑے گا۔ کیونکہ یہ صرف ان چند مراعات یافتہ افراد

کی کمر توڑنے کا عمل ہے، جس پر قیام پاکستان سے لے کر آج تک ہماری قومی اور صوبائی اسمبلیوں میں مشترکہ کوششوں سے تسلط جاری ہے۔ جبکہ ہمارے پڑوسی ملک بھارت میں 1947ء سے ہی جاگیردارانہ نظام ختم کر کے جمہوری نظام کا نفاذ کر دیا گیا۔ جبکہ پاکستان کی 12 اکائیاں پہلے 1955ء تک موجود تھیں پھر ون یونٹ کی سازش کی گئی جس کو 1970ء میں 4 صوبوں کی شکل میں فوجی ڈکٹیٹر جنرل یحییٰ خان نے تبدیل کر دیا۔ اب جب دوبارہ دھرنوں کی شکل میں عوام کی مشکلات کے پیش نظر، علامہ طاہر القادری جو فی الحال دھرنوں سے خائف ہو کر یا تائب ہو کر اپنے اصلی اور موجودہ شہریت حاصل کردہ ملک کینیڈا، دوسری مرتبہ سدھار چکے ہیں اور ہمارے چند حلقوں کی طرف سے چند ارب روپے حکومت سے وصول کر کے اپنے تمام تر دعووں کی نفی کر کے اپنی ضروریات پوری کر چکے ہیں اور تمام تر قسموں، دعووں اور وعدوں سے دستبردار ہو چکے ہیں۔ مگر عمران خان ابھی تک کنٹینر پر چڑھے روز ہجوم لگا کر اور ہفتہ وار جلسے کر کے عوام کو بیدار کرنے میں مصروف ہیں اور ملتان کے حالیہ انتخابات میں اپنے پروردہ اُمیدوار کو کامیاب کرانے میں کامیاب ہو چکے ہیں۔ وہ الگ بات ہے کہ ڈوگر نے انتخابات کے دوسرے ہی دن آزاد اُمیدوار ہونے کا اعلان کر کے ایک اور دھچکا پی ٹی آئی کو پہنچا دیا ہے اور ثابت کر دیا ہے کہ لوٹا لوٹا ہی ہوتا ہے، وہ کسی کا نہیں ہوتا ہے۔ اب میں دوبارہ تھوڑی سے وضاحت کر دوں کہ قیام پاکستان کے وقت صوبہ سندھ کی اسمبلی میں 73 نشستوں میں سے 37 نشستیں ہندوؤں کی تھیں۔ ریکارڈ دیکھئے 1937ء سے 1945ء تک

سندھ اسمبلی کا ریکارڈ آج بھی انٹرنیٹ کی مدد سے دیکھا جا سکتا ہے۔ حتیٰ کہ مسلم لیگ کے صدر سندھ جناب جی ایم سید صاحب کی کتاب "Case of Sindh" بھی موجود ہے۔ انہوں نے جب سندھی ہندو، سندھ چھوڑ کر جا رہے تھے تو انہوں نے گزارش کی کہ وہ سندھ نہ چھوڑیں اور پاکستان میں برابری کی بنیاد پر رک جائیں۔ کیونکہ سندھ کے 30 شہروں یعنی کراچی سے گھوٹکی تک 24 شہروں میں ان کی اکثریت تھی اور وہ 80 فیصد زرعی زمینوں کے مالک تھے جو متروکہ قانون یکم مارچ 1947ء کے تحت یعنی 6 ماہ قبل بھارت سے معاہدے کی شکل میں متروکہ املاک بن چکی تھیں۔ یعنی بھارتی مسلمانوں کی تمام جائیدادیں بطور سرکاری عمل مغربی پاکستان سے جانے والے ہندو شرنارتھیوں (مہاجروں) کو ملنی طے پائی تھی اور پاکستانی ہندوؤں کی تمام جائیدادیں بشمول زرعی زمینیں جو کروڑوں ایکڑز پر مشتمل تھیں، بھارتی مسلمانوں کو بدلے میں ملنی تھیں۔ یہ معاہدے آج بھی بھارتی قانونی کتابوں میں محفوظ ہیں اور اب یہ کہا جا رہا ہے کہ یہ مہاجر بھارت سے خالی ہاتھ آئے تھے، یہ صحیح ہے۔ کیونکہ ہندوستان اور پاکستانی حکومت وقت نے صرف 75 روپے نقد لے جانے کا معاہدہ کیا تھا اور تمام نقد رقوم اور زیورات بنکوں سے منتقل ہونے تھے۔ پاکستانی ہندوؤں نے بھارت جا کر حکومت سے جائیدادیں اور نقد رقوم جو انہوں نے پاکستان بننے کے بعد بنکوں میں جمع کروائی تھیں وہ وصول کر کے بھارتی شہریت اختیار کر لی مگر ہندوؤں اور سکھوں نے نقل مکانی کرتے وقت مسلمان مہاجروں کے پاس چھپائی ہوئی ان کی

دولت، زیورات راستے میں لوٹ کر قتل عام بھی کیا۔ ماؤں، بہنوں کی عزتیں بھی لوٹیں۔ تو ظاہر ہے کہ وہ راستے ہی میں کنگال کر دیئے گئے تھے۔ مگر تبادلہ کے طور پر جب ان کو معاہدے کی رو سے ہندوؤں کی زمینیں ملیں، جائیدادیں متروکہ املاک کے طور پر ملیں تو وہ پھر سے آباد بھی ہوئے اور خوشحال بھی ہوئے۔ وہ تمام زمینیں صرف اور صرف غیر مسلموں کی تھیں اور قانون کے تحت آج بھی ہندوستان میں متروکہ کہلاتی ہیں۔ ان پر صرف مہاجروں کا حق تھا۔ مقامی آبادی میں رہنے والے باشندوں کی آسانی میں اضافہ ہو گا۔ البتہ بڑے بڑے جاگیرداروں کی اجارہ داری ختم ہو کر چھوٹے چھوٹے مقامی لوگ اس میں شامل ہونگے جو پوری دنیا میں ہوتا رہا ہے اور ہوتا رہے گا۔ صرف جذباتی نعروں کی ضرورت نہیں ہے، تمام معاملات مل بیٹھ کر محبت اور مشاورت کے ساتھ اختیارات کی تقسیم کے ذریعے طے کریں، کسی کا حق غضب کریں اور نہ اس بے یقینی کی کیفیت پیدا کریں اور نہ اس غیر منصفانہ نظام کو جاری رکھیں۔ جس کی وجہ سے پاکستان ویسے ہی گردش میں ہے۔ بھارتی اور اسرائیلی ایجنٹوں کے آلہ کار بن کر مزید نقصان نہ پہنچائیں اور حقیقی معنوں میں پاکستانی بن کر اس مسئلے کو گفت وشنید سے حل کر کے دیگر ممالک کی طرح معاشی ترقی کریں۔

عمران خان کی شادی اور موجودہ حالات

پاکستانی قوم بھی عجیب جذباتی قوم ہے جو موسم کے ساتھ ساتھ بدلنے میں مہارت رکھتی ہے۔ اسی وجہ سے 68 سال گزرنے کے باوجود مستقل مزاجی اس میں آج تک نہیں آسکی اور تمام سیاستدان ان کے جذبات سے کھلواڑ کر کے اپنا الّو سیدھا کرتے گئے۔ شروع شروع میں مسلم لیگ اور قائداعظم کے نام پر 11 سال بہکائے گئے پھر 10 سال پہلے مارشل لاء کے نذر ہو گئے۔ 3 سال الیکشن کے نام پر پھر ملک دولخت ہو گیا، قوم سہم گئی مگر سیاستدان ویسے کے ویسے ہی رہے۔ نیا پاکستان اور روٹی، کپڑا اور مکان کا نعرہ لگا تو قوم پھر اس کے سائے میں چل پڑی۔ روٹی، کپڑا اور مکان کہاں ملنا تھا سوشلزم پر تجربہ ناکام ہوا، نئے پاکستان کو پھر نظر لگ گئی، معیشت جم گئی، مہنگائی کا نہ رکنے والا دور کھل گیا، اسلام کو دوبارہ میدان میں اتارنے کے لئے تمام مکتبہ ہائے فکر سوشلزم کو کاؤنٹر کرنے کے لئے نظام مصطفیٰ کا نعرہ لگاتے ہوئے ایک جھنڈے کے تلے تو جمع ہو گئے مگر اسلام اور سوشلزم میں سے ایک بھی کامیاب نہیں ہو سکا۔ فوج دوبارہ کو دی اور پھر اسلام اسلام کی بازگشت ضیاء الحق صاحب نے مضبوطی سے نافذ کرنی شروع کی۔ درمیان میں افغانستان

میں روس کو داتو ہم بھی افغانستان کو بچانے کے لئے ہر اچھی اور بری توقع پر امریکہ کا ساتھ دیتے رہے اور روس بھاگ کھڑا ہوا۔ہم منشیات، اسلحہ، مجاہدین اور 40 لاکھ افغانیوں کے سرپرست بن گئے۔وہ دن ہے اور آج کا دن ہم سکھ، چین، حرام، حلال سب سے فارغ ہو گئے۔اب نہ ہم ایک قوم رہے نہ مسلمان اور نہ پاکستانی، اسلام کو ہم نے فرقوں میں بانٹ لیا۔مساجد جو امن گاہیں ہوتی تھیں سب سے زیادہ فسادات اس کے زیر سایہ پروان چڑھتے گئے۔مجاہدین طالبان کی شکل میں ہمارے تمام مساجد، مدرسوں، شہروں، گاؤں میں اپنے اڈے بناتے گئے۔جمہوری دور پھر فوجی دور بھی آیا اور ختم ہو گیا، قوم ٹوٹتی گئی۔اب شیعہ سنی تو پھر سنی، بریلوی وغیرہ وغیرہ کی گردان ہوتی رہی۔اب سڑکوں اور مساجد میں خودکش حملے روز کا معمول بن گئے، شہر والے بھتہ، قربانی کی کھالیں، زکوٰۃ وغیرہ وصول کرنے میں لگے رہے۔یہ سیاسی جماعتیں اب کاروباری انداز میں تبدیل ہوتی گئیں۔کسی کو کچھ پرواہ نہیں رہی تھی ہر شخص ایمانداری اور بے ایمانی کی تکرار بھول کر اپنی جیبیں بھرنے میں لگ گیا، خواہ وہ عام آدمی ہو، مزدور، کسان، ہاری، زمیندار، تجارت پیشہ، صنعتکار، بنکرز، وکیل، انجینئر، فوجی ہو یا سرکاری ملازم سب ایک پوائنٹ ایجنڈے پر کام کر رہے ہیں۔یعنی مال، مال اور صرف مال کیسے بنایا جائے۔حکمران تو پہلے ہی سے اس پر مکمل طور پر عمل کر رہے تھے۔پی پی پی دور میں تو حکمرانوں کے ساتھ فوجی جنرل کیانی اور اس کے بھائی کا نام بھی سننے میں آیا۔جس کی وجہ سے 5 سال کے بجائے 8 سال تک وہ عہدے پر رہ سکے۔پھر اچانک دہشت گردی میں شدت یہاں تک بڑھی کہ معصوم بچے بھی محفوظ نہ رہے اور سانحہ پشاور پیش

آ گیا۔قوم بیدار ہوئی، فوج نے ہر چیز کی پرواہ کئے بغیر سیاستدانوں کو ایک ٹیبل پر جمع کر کے دہشت گردوں کے گرد گھیرا تنگ کرنے کا عزم کیا اور پہلی مرتبہ اکثریت نے قومی اسمبلی میں فوج کی مکمل حمایت کا ووٹ دیا۔اگرچہ آج بھی کچھ سیاسی جماعتیں درپردہ یہ نہیں چاہتیں کہ اس ملک سے جہادی تنظیمیں ختم ہوں۔مدارس، مساجد کی آڑ میں وہ اپنے گھناؤنے کاروبار کو پاکستان دشمنوں کے ہاتھ مضبوط کرنے میں مصروف ہیں۔فوج اور قوم کو ان کے عزائم سے ہوشیار رہنا ہوگا۔ابھی قوم اس سوگوار سانحہ سے نہیں نکلی تھی اور فوجی عدالتیں اپنا کام کرنا چاہتی تھیں کہ تحریک انصاف کے سربراہ عمران خان کی شادی کا شوشہ چھوڑ کر فوج اور قوم کو پھر دوسری طرف لگانا شروع کر دیا۔اخبارات اور میڈیا والے بھرپور طریقے سے عمران خان کی شادی کو موضوع بنا کر ہر طرف شادی کی خوبیوں اور خرابیوں کی طرف قوم کا دھیان ہٹانا چاہتے ہیں۔میں حیران ہوں کہ اس نازک موقع پر ہی کیوں عمران خان جو نئے پاکستان بنانے تک شادی نہ کرنے کا وعدہ کر چکے تھے، دیگر سیاستدانوں کی طرح اپنے پہلے ہی وعدے سے جان چھڑا کر ایک نیا محاذ بنانے میں مصروف ہیں۔کیا یہ شادی دھرنوں کا حاصل تھی تو پھر نوجوان آزاد خیال لڑکیوں کے جم گھٹے لگانے کی کیا ضرورت تھی۔قوم ان کو سنجیدہ ذہن کا مالک سمجھ کر ان کے پیچھے چل نکلی تھی۔تمام سنجیدہ حلقے اس وقت مایوسی سے دوچار ہیں، اس سے ان کی ماضی کی طرح ایک مرتبہ پھر سیاسی غیر پختگی نمایاں نظر آتی ہیں۔کچھ ہمارے ہی بہت سے قلمکار جو پہلے ہی ان کے ہر کام پر کھلی تنقیدیں کرتے چلے آئے ہیں اور جو خصوصاً موجودہ حکمرانوں کے گیت گاتے اور ان کو سراہتے نظر آتے ہیں، جنہیں

تخت لاہور سے عقیدت ہے، جنہیں گلو بٹ اور سانحہ ماڈل ٹاؤن جیسے حادثات پر قلم اٹھانا پسند نہیں ہے، وہ حکومتی شراکت میں رہ کر عمران خان کی مقبولیت پر کاری ضرب لگا کر پیچھے دھکیلنا چاہتے ہیں۔وہ اب یقیناً آگے بڑھ کر اس کا فائدہ حکومت کی جھولی میں ڈالنے کی پوری کوشش کرینگے۔

عمران خان کھل کر قوم کو آگاہ کریں کہ ایسی کیا مجبوری تھی کہ ان کو اس نازک موقع پر شادی کرنا پڑی۔اگر انہوں نے قوم اور خصوصاً نوجوانوں کو مطمئن نہیں کیا تو آنے والے الیکشن میں ان کی ساکھ کو نا قابلِ تلافی نقصان تو پہنچے گا مگر اس کے ساتھ ساتھ قوم کا اعتماد پھر اچھے سیاستدانوں سے بھی اُٹھ جائے گا۔فوج کو دہشت گردی کے خلاف اٹھنے والے اقدامات سے ہرگز ہاتھ پیچھے نہیں ہٹانا چاہئے۔نیز پی پی کے سربراہ سابق صدر آصف علی زرداری صاحب کا بھی سیاسی فیصلہ ایک عام سنگ میل ثابت ہوگا۔اگر انہیں خراج تحسین نہ پیش کریں تو زیادتی سمجھی جائے گی۔وہ پھر ایک مرتبہ قائدانہ صلاحیتیں منوانے میں کامیاب ہوئے ہیں۔ان چھوٹی بڑی کوتاہیوں کے باوجود فوجی عدالتیں جب کام شروع کریں گی تو دہشت گردوں اور ان کے ساتھیوں کے حوصلے ٹوٹ جائیں گے۔وہ پاکستان میں کہیں پناہ نہیں لے پائیں گے۔

اسلام، ٹیکس اور مغربی جی ایس ٹی

اسلام میں شروع ہی سے مسلمانوں سے ٹیکس وصول کرنے کا کوئی ذکر نہیں ہے البتہ عشر، نصف عشر اور زکوۃ کا نظام ہے زکوۃ یعنی ڈھائی فیصد صرف اور صرف مسلمانوں کو اپنے مال میں سے تاکید کے ساتھ ادا کرنے کا حکم دیا گیا ہے جبکہ مفتوحہ غیر مسلموں کو نصف عشر یعنی پانچ فیصد اپنے مال میں سے مسلمانوں کی حکومت کو ادا کرنے کا حکم دیا گیا وہ غیر مسلم جو مسلمانوں کی سلطنت میں رہتے ہوں اور مسلمانوں سے جنگ نہ کرنے کا معاہدہ کریں وہ نصف عشر یعنی پانچ فیصد کے حساب سے ٹیکس (جزیہ) ادا کریں گے جبکہ وہ غیر مسلم جو مسلمان حکومت سے جنگ کریں اور مسلمان اس ملک کو فتح کریں' ان غیر مسلموں کو دس فیصد ٹیکس (جزیہ) ادا کرنے کا حکم دیا گیا تھا یعنی اسلام کے شروع کے دور میں مسلمان جب غیر مسلموں سے جنگ کرتے تھے تو فتح کی صورت میں سب سے پہلے ان کو یہ حکم تھا کہ اگر وہ (غیر مسلم) اسلام قبول کر لیں تو ان کو معاف کر دیا جائے اور ان سے صرف زکوۃ وصول کی جائے اور جو اسلام قبول نہ کریں

اور امن کے ساتھ رہیں تو ان سے پانچ فیصد ٹیکس (جزیہ) وصول کیا جاتا تھا اور اگر پھر وہ موقع پا کر جنگ کرتے تو پھر انہیں دس فیصد جزیہ ادا کرنا پڑتا تھا۔

تمام خلیج کی مسلمان ریاستوں اور ملکوں میں آج بھی کوئی ٹیکس یعنی انکم ٹیکس، سیلز ٹیکس، ایکسائز ٹیکس یا جی ایس ٹی نافذ نہیں ہے بلکہ یہ حکومتیں غریبوں کے لیے تعلیم، علاج، معالجہ، فلاح و بہبود کی سہولتیں خود اپنے ذرائع سے فراہم کرتی ہیں ۔آمد و رفت کے لیے سڑکیں اور دیگر تفریح کیلئے باغات اور بچوں کے لیے تفریح کے مواقع مفت فراہم کیے جاتے ہیں۔ متحدہ ہندوستان میں سب سے پہلے ٹیکسوں کا نظام انگریزوں نے ۱۸۵۷ء میں ہندوستان فتح کرنے کے بعد نافذ کیا تا کہ وہ حکومت برطانیہ کے لیے اپنے فتح کیے گئے ممالک سے ٹیکس وصول کر کے برطانیہ کے عوام کی فلاح و بہبود کے لیے خرچ کر سکیں۔ مگر جب ہندوستان آزاد ہوا تو یہ نظام جس میں اس وقت صرف انکم ٹیکس اور دولت ٹیکس تھا، وہ ہمارے نظام کا حصہ بن گیا پھر آہستہ آہستہ اس میں دوسرے ٹیکس شامل ہوتے گئے بلدیاتی سطح پر آکٹرائے اور ضلع ٹیکس، صوبائی سطح پر تعلیم اور دیگر صوبائی ٹیکس اور مرکزی سطح پر انکم ٹیکس، دولت ٹیکس، ایکسائز ٹیکس اور سیلز ٹیکس وصول کئے جاتے ہیں۔ مغربی ممالک میں یہ ٹیکس وصول کئے جاتے ہیں مگر ان ٹیکسوں سے وصول ہونے والی رقم واپس عوام کی فلاح و بہبود پر خرچ کر دی جاتی ہے یعنی مفت تعلیم، بہترین ٹرانسپورٹ، علاج معالجہ، بے روزگاری الاؤنس فلاح و بہبود اور پھر بڑھاپے میں بلا تخصیص پنشن کی شکل میں ادا کی جاتی ہے۔

مغربی ممالک میں فیکٹری سے نکلنے والے مال پر کسی بھی قسم کا ٹیکس نہیں ہے بلکہ

اگر آپ فیکٹریاں لگائیں تو حکومت بجلی، گیس اور ٹرانسپورٹ کی سہولتیں فراہم کرتی ہے اور بینک معمولی سود پر یعنی پانچ فیصد پر قرضہ فراہم کرتے ہیں اور صرف آخری یعنی صارف سے پندرہ فیصد تک جی ایس ٹی جس کو وہاں وی اے ٹی کہا جاتا ہے، خریدار سے وصول کرتے ہیں وہ بھی عوام کی فلاح و بہبود پر خرچ کر دیا جاتا ہے جبکہ ہمارے اسلامی جمہوریہ پاکستان میں زکوٰۃ کے ساتھ ساتھ تمام سطحوں پر ٹیکس وصول کرنے کا نظام ہے جس میں نہ صرف فیکٹریوں سے سیلز ٹیکس اور ایکسائز ٹیکس وصول کیا جاتا ہے بلکہ امپورٹ پر بندرگاہ پر بھی یہ ٹیکس پہلے ہی وصول کر لیا جاتا ہے جس کا اثر براہ راست صارف پر پڑتا ہے کیونکہ قیمت فروخت میں یہ ٹیکس شامل کر لیا جاتا ہے تو پھر دوبارہ اسی صارف سے جی ایس ٹی کے نام پر ٹیکس لینے کا کوئی بھی اسلامی اور اخلاقی جواز نہیں ہے ۔کہا جاتا ہے کہ جی ایس ٹی، آئی ایم ایف والے نہیں مانتے تو جناب آئی ایم ایف والوں سے کہیں کہ سیلز ٹیکس یا جی ایس ٹی تمام مغربی ممالک میں صارفین سے ڈائریکٹ وصول کیا جاتا ہے ہمارے ہاں پیداواری سطح پر دوبارہ وصول کر لیا جاتا ہے، اب تیسری بار ہم کیسے وصول کریں۔ میری حکومت سے استدعا ہے کہ آر جی ایس ٹی کے مسئلہ کو نہ چھیڑیں کیونکہ ایک طرف آپ نے پچاس (۵۰) لاکھ تک کی سطح پر اس کو چھوٹ دی ہے تو کس طرح آپ بڑے بڑے اسٹورز سے یہ ٹیکس وصول کر سکیں گے نہ تو عوام ادا کریں گے اور نہ ہی دوکاندار ادا کرنے کی پوزیشن میں ہوں گے کیونکہ ایک دوکان پر جب کوئی مال سو روپے میں دستیاب ہو گا تو کون دوسری دکان پر 118 روپے میں خریدے گا اس طرح

بڑے بڑے اسٹوروں پر کوئی نہیں جائے گا اور پھر بیروزگاری پھیلنے کا خطرہ ہو گا۔ اس وقت دو ماہ گزر چکے ہیں اور تمام ایسوسی ایشنز نے فیصلہ کیا ہے کہ یہ ٹیکس عوام کے لیے ناقابل برداشت ہے اسی وجہ سے بڑی بڑی صنعتیں بند پڑی ہیں اور جو چل رہی ہیں وہ بھی مندی کا شکار ہیں کیونکہ ڈالر 88 روپے تک پہنچ چکا ہے اور دوسری طرف ٹیکسوں پر ٹیکس لگایا جا رہا ہے جس میں ایک طرف تعلیمی ٹیکس اقرا کے نام پر وصول کیا جاتا ہے جبکہ تعلیمی معیار دن بدن پست سے پست ہو رہا ہے' نوجوانوں میں نقل کی وبا بری طرح پھیل چکی ہے' ملک میں قانون نام کی کوئی شے باقی نہیں ہے' دہشت گردی عام ہے'' ہر طرف کرپشن کا دور دورہ ہے' گھنٹوں بجلی غائب رہتی ہے' سڑکیں ٹوٹی پڑی ہیں' کئی کئی دن تک پانی میسر نہیں ہوتا' ہسپتالوں میں دوائیاں تک نہیں ہیں' غریب ایڑیاں رگڑ رگڑ کر مر جاتے ہیں' قوم کو بے حس بنایا جا رہا ہے عوام کا سیاست دانوں پر سے اعتماد ختم ہو چکا ہے' بے روزگاری بڑھ رہی ہے' ایسے میں غریبوں سے جی ایس ٹی وصول کرنے کے بجائے بڑے بڑے نادہندگان سے' جو اربوں روپے کھائے بیٹھے ہیں' ان سے وصول کریں کیونکہ اب غریب عوام کے پاس دینے کے لیے کچھ نہیں ہے' اگر ان سے جبری وصولی کی کوشش کی گئی تو ایسا نہ ہو کہ اس پکے پکائے لاوے میں وہ بھاری مینڈیٹ بہہ جائے جو عوام نے بڑی توقعات اور امیدوں کے ساتھ موجودہ حکمرانوں کو دیا تھا۔

مصر کے انقلاب کے بعد؟

پاکستان کی معیشت کی ریڑھ کی ہڈی 'کراچی' صدر پرویز مشرف کی حکومت جانے کے بعد اور پی پی کی حکومت کے آنے کے بعد انتہائی بدنظمی کا شکار ہے۔ پہلے کار چھیننے اور موبائل لوٹنے تک کے واقعات ہوتے تھے مگر پھر طالبان کی آڑ میں دہشت گردی اور خودکش حملے شروع ہو گئے۔ عوام اور خصوصاً تاجر و صنعت کاران سے نمٹ نہیں پائے تھے کہ ایک دفعہ پھر بھتہ خوری کا کاروبار شروع ہو گیا۔ کھلم کھلا پرچیوں کے ذریعے بھاری بھاری رقوم طلب کی جا رہی ہیں۔ کراچی کی کوئی چھوٹی، بڑی مارکیٹ اس گھناؤنے کاروبار سے محفوظ نہیں ہے۔ کراچی میں اگرچہ متحدہ قومی موومنٹ کی طرف سے بار بار یقین دہانیاں کرائی جاتی ہیں کہ ایم کیو ایم اس میں ملوث نہیں ہے مگر آج ہر اردو بولنے والے پر ایم کیو ایم کا لیبل لگا دیا جاتا ہے اور پشتو بولنے والے پر اے این پی کا، پنجابی بولنے والے پی پی آئی یعنی پنجابی پختون اتحاد کا اور سندھی بولنے والا پی پی پی کی آڑ میں، یہ کاروبار چل رہا ہے۔ اب ایک نئی لہر امن کمیٹی

کا قیام بھی اس کاروبار میں شریک ہو چکا ہے۔انہوں نے اپنے اپنے علاقے تقسیم کر رکھے ہیں۔کون اس کی سرپرستی کر رہا ہے یہ سب کو ہی معلوم ہے مگر کوئی نہیں بولتا۔پولیس، انتظامیہ، رینجرز اور ایجنسیاں سب جانتی ہیں مگر ان پر کوئی ہاتھ ڈالنے کیلئے تیار نہیں ہے۔صوبائی وزیر داخلہ ہوں یا مرکزی وزیر داخلہ رحمٰن ملک ہوں سب جانتے ہیں مگر صرف عوام کو خالی تسلیاں دے کر 3 سال سے زیادہ عرصہ گزار چکے ہیں اور ایک بھی بھتہ خور یا دہشت گرد نہیں پکڑا جا سکا۔ابھی ان تنظیموں سے عوام، صنعت کار اور تاجر لُٹ رہے تھے کہ ان کی دیکھا دیکھی سندھ اتحاد نامی تنظیم کے لوگ بھی بھتہ خوری میں شامل ہو گئے پھر چند مذہبی تنظیموں کے بگڑے ہوئے نوجوان بھی ہاتھ دکھانے لگے۔یعنی کراچی کے عوام یرغمالی بنا دیئے گئے ہوں کوئی ان کو پوچھنے والا نہیں رہا۔دن رات دن دہاڑے لوٹا جا رہا ہے۔قانون نام کی کوئی چیز اس شہر میں نظر نہیں آتی۔صدرِ پاکستان کا تعلق بھی اسی صوبے سے ہے مگر کراچی والے ان کی شفقت سے محروم ہو چکے ہیں لگتا ہے وہ صرف سیاست کی گتھیاں ہی سلجھانے میں مصروف ہیں۔رہا معاملہ مسلم لیگ ن کے سربراہ نواز شریف صاحب کا وہ صرف میڈیا پر اپنا بیان ہمدردی ریکارڈ کروا کر اپنا فرض پورا کر لیتے ہیں اور فرینڈلی اپوزیشن کا ریکارڈ قائم کر کے اگلے الیکشن میں اپنی باری کا انتظار کر رہے ہیں۔کسی بھی سیاسی جماعت کو اس شہر سے عملی ہمدردی نہیں ہے۔زیادہ سے زیادہ اخباری بیانات اس شہر کے باسیوں کیلئے کافی سمجھے جاتے ہیں۔چاہے وہ مولانا فضل الرحمٰن ہوں یا عمران خان، سب صرف ہمدردیوں کے

دعویدار ہیں۔کراچی والوں کے زخموں پر مرہم کوئی نہیں رکھتا جبکہ یہ واحد شہر ہے جس میں پاکستان کے تمام صوبوں سے لوگ آ کر آباد ہیں یہ سب اپنے روزگار کی تلاش میں آئے تھے اور اب آباد ہو چکے ہیں۔ان کو روزگار بھی مل چکا ہے۔حقیقتاً وہ شر پسند بھی نہیں ہیں، غربت کے ستائے ہوئے ہیں، صبح سے شام تک وہ محنت مزدوری کر کے اپنے بیوی بچوں کو پال رہے ہیں اور سب مل جل کر امن سے رہنا چاہتے ہیں مگر سیاست دان ان کو الگ الگ بانٹ کر اپنی اپنی سیاست چمکا رہے ہیں جواب بڑھ کر ایک جنونی کیفیت میں تبدیل ہو چکی ہے۔انتظامیہ کی کمزوریوں اور کرپشن، اقرباء پروری کی وجہ سے یہ گروپس اب بہت تناور درخت بن چکے ہیں اور کھل کر ایک دوسرے کو نیچا دکھانے کے درپے ہیں۔کسی وقت بھی لسانیت کا مظاہرہ اس شہر کے امن کو جتنا بھی بچا ہے تباہ کر سکتا ہے۔کوئی اس شہر کو فوج کے حوالے کرنے کا عندیہ دے رہا ہے تو کوئی آپریشن کی بات کرتا ہے۔گھر گھر اسلحہ تو پہنچ چکا ہے اور اندرونی تیاریاں بھی ہو چکی ہیں صرف تیل اور دیا سلائی لگانے کی دیر ہے۔لاوا پھٹنے کا 100 فیصد امکان ہے۔پہلے ہی ہمارے وزیر خزانہ معیشت کی تباہی کی داستان سنا چکے ہیں۔آئی ایم ایف اب ہم کو مزید قرضے سے انکاری ہے۔دہشت گردی کی وجہ سے پاکستان میں سرمایہ کاری تو گُجا یہاں سے سرمایہ بھی منتقل ہو چکا ہے۔بجلی اور مہنگائی کے بحران نے صنعتوں کو بہت نقصان پہنچایا تھا۔اب ایک مرتبہ پھر تیل، پٹرول، ڈیزل اور بجلی کی قیمتوں میں اضافے کی آوازیں لگائی جا رہی ہیں۔عوام مشتعل ہیں مگر خاموش ہیں کب سڑکوں پر تیونس اور کرغستان کی

طرح نکل پڑیں۔ آج مصر بھی اس کی لپیٹ میں آ چکا ہے۔ صدر حسنی مبارک کا طیارہ بھی ان کو لے جانے کیلئے تیار کھڑا ہے۔ کب بگل بجے اور ان کے اقتدار کا سورج غروب ہو جائے۔ چند دنوں کی بات دکھائی دے رہی ہے کاش ہمارے سیاستدان اور حکومت دونوں عوام کی اس اضطرابی کیفیت کو سمجھیں۔ پاکستان کے عوام صبر کی آخری حدوں کو چھو رہے ہیں ان کو آپس میں لڑوانے کی بجائے کرپشن کے خاتمے، مہنگائی کو ختم کرنے کیلئے دوررس اقدامات کرنے کی ضرورت ہے اور ٹارگٹ کلنگ کا خاتمہ ضروری ہے اکیلی عدلیہ کس کس محاذ پر لڑے گی۔ خدارا ہوش کے ناخن لیں اور سنجیدگی سے عوام کو ان مسائل سے نجات دلائیں۔ کراچی کے امن سے نہ کھیلیں اس کو امن کا گلدستہ ہی رہنے دیں۔

پچھلے ہفتے مسلم لیگ ق کے چوہدری شجاعت حسین اور مشاہد حسین صاحبان نے نائن زیرو پر ایم کیو ایم کے مرکزی دفتر جا کر کراچی کی صورتحال پر بات کی تھی پھر اتوار کو انہوں نے صنعت کاروں اور تاجروں کو سنڈے برنچ (Sunday Brunch) پر بلا کر اُن کے مسائل سنے۔ اس دعوتِ ظہرانہ میں 200 سے زائد صنعت کار، تاجر اور دیگر مکتبہ فکر کے خصوصی افراد نے شرکت کی اور کراچی کی گرتی ہوئی صورتحال پر تشویش کا اظہار کیا خصوصاً بھتہ خوری اور ٹارگٹ کلنگ کے واقعات کو رکوانے کیلئے مسلم لیگ (ق) والوں سے مدد کی اپیل کی جس کی وجہ سے اربوں روپے کا نقصان ہو چکا ہے۔ صرف تین ہفتوں میں 100 سے زائد معصوم افراد جن میں تاجر بھی شامل ہیں لقمہِ اجل

بن چکے ہیں۔ مسلم لیگ (ق) والوں نے تین گھنٹے تک ان صنعت کاروں، تاجروں کی شکایتیں بہت صبر و تحمل سے سنیں اور ایک کمیٹی جناب عظیم شیخ کی سربراہی میں تاجروں کی شکایت دور کرنے کیلئے بنائی۔ چوہدری شجاعت حسین نے تاجروں سے خطاب کرتے ہوئے کراچی میں امن کیلئے ہر ممکن کوشش کرنے کی یقین دہانی بھی کرائی ساتھ ساتھ جناب مشاہد حسین صاحب نے بھی کراچی کے صنعت کاروں اور تاجروں کی قربانیوں کو سراہا۔ اور مسلم لیگ (ق) کی طرف سے اس شہر میں امن کی کوششوں کی یقین دہانی بھی کروائی۔

کراچی کی بگڑتی صورتحال

کراچی ائیر پورٹ پر ہونے والے خودکش حملے نے پورے پاکستان کو ہی نہیں بلکہ پوری مسلم اُمہ کو ہلا کر رکھ دیا ہے۔ اگر ہماری سیکورٹی فورسز کے نوجوانوں نے بروقت موثر کاروائی نہیں کی ہوتی تو خاکم بدھن حملہ آور مین ٹرمینل میں داخل ہو جاتے تو یقیناً ہمارا سارا فضائی نظام مفلوج ہو جاتا اور ہماری معیشت جس کے بڑے بڑے دعوے اور اشتہارات میڈیا سے شائع کرا کر قوم کو مسلسل باور کرا کر اندھیرے میں رکھا ہوا ہے۔ مسلم لیگ ن کو اقتدار ملنے کے بعد ایک سال کا عرصہ گزر جانے کے باوجود عملی طور پر کچھ حاصل نہیں ہو سکا۔ قوم کی بدقسمتی کہ حالات سدھرنے کے بجائے مزید گھمبیر ہوتے جا رہے ہیں۔ قوم کی بے چینی میں کمی آنے کے بجائے مزید بڑھتی جا رہی ہے۔ تمام سیاسی جماعتیں ملک سے کم اور اپنی اپنی جماعتوں کی سیاست میں لگے ہوئے ہیں۔ تمام سیاستدان بڑھ چڑھ کر ایک دوسرے پر الزامات کی بوچھاڑ کر رہے ہیں۔ اس ہولناک واقعہ پر عوام کی تشویش اس لئے اور بھی بڑھ چکی ہے کہ مرکزی حکومت اس کو صوبائی حکومت یعنی سندھ کی غفلت قرار دیتی ہے اسلام آباد سے بیٹھے ہی بیٹھے بیانات داغ کر اپنا پیچھا چھڑانا چاہتی ہے اور سندھ حکومت کے وزراء ائیر پورٹس سیکورٹی کی تمام تر ذمہ داری مرکزی حکومت کو قرار دے کر اپنی بے گناہی ثابت کر کے اپنی جان چھڑانا چاہتے ہیں۔ جب یہ واقعہ اپنے اختتام کو پہنچ رہا تھا تب کہیں جا کر ہمارے وزیر اعلیٰ سندھ جدید سوٹ میں ملبوس اپنے رفقاء کے ساتھ جائے حادثہ پر پہنچے اور رسمی کاروائی بھی دور سے نظارہ کر کے واپس لوٹ گئے۔ چند لمحے انہوں نے اخبارات اور ٹی وی چینلو کے نمائندوں کو دیئے اور یہ کہہ کر روانہ ہو گئے کہ حکومت سندھ اس کی ذمہ دار ہرگز نہیں ہے۔ یہ ائیر پورٹ کی حفاظت مرکزی حکومت کے ذمہ ہوتی ہے۔ دوسری طرف ہمارے وزیر داخلہ نے قومی اسمبلی میں یہ تقریر کر کے مطمئن کرانے کی کوشش کی ہے کہ جناب ہم نے سندھ گورنمنٹ کو اس حملے کے خدشات سے تین مرتبہ پہلے ہی آگاہ کر دیا تھا۔ حکومت سندھ کو اس طرف توجہ دینی چاہئے تھی۔ کیا الفاظ کی جنگ سے ملک کی سلامتی ممکن ہے۔ قوم روز اول سے پریشان ہے، بجلی اور گیس کے ستائے اس گرم موسم میں احتجاج اور دھرنوں سے بھی تنگ آ چکی ہے۔ اس کا اب شدید ردعمل کسی وقت بھی مسلم لیگ ن کی حکومت کو اپنی لپیٹ میں لے سکتا ہے۔ ماضی میں جو حکومتیں فوج کے ہاتھوں ٹوٹتی رہی ہیں۔ یہ حکومت خود جواز فراہم کر رہی ہے۔ 4 پانچ سال قبل جب فوج نے شمالی علاقہ جات میں ایکشن لیا تھا تو متحدہ کی قیادت نے بہ آواز بلند یہ بتلا دیا تھا کہ طالبان شمالی علاقہ جات سے نکل کر پورے ملک میں پھیل جائیں گے۔ اب اکثریت کراچی میں ڈیرہ جما چکی ہے۔ اُس وقت سے ہی ہر صوبے کو الرٹ ہو

جانا چاہیے تھا اور ان 4 پانچ سالوں میں طالبان نے نہ صرف مختلف علاقوں میں ڈیرہ جما لیا ہے بلکہ متوازی نظام بھی یعنی جرگے بنا دیے ہیں۔ گویا فوج، رینجرز، پولیس کیلئے اب طالبان فیکٹر خطرناک حد تک آگے جا چکا ہے۔ حکومت سندھ صرف رینجرز، پولیس کے ایکشن کے نام پر اربوں روپے مرکزی حکومت سے وصول کر کے بھی ناکام ہو چکی ہے۔ خصوصاً ائیر پورٹ جیسے حساس علاقوں میں آباد کچی آبادیوں کی طرف اب بھی کوئی توجہ نہیں دی جا رہی۔ تیسرے ہی دن چند شر پسند عناصر ائیر پورٹ کے ملحق پہلوان گوٹھ جو شر پسندوں سٹے بازوں اور غیر قانونی طور پر قابضین کا گڑھ ہے۔ دن دہاڑے ASF کی اکیڈمی پر گولیوں کی بوچھاڑ کر کے غائب ہو جانا خطرناک صورتحال کی نشاندہی کر رہا ہے۔ پھر بھی اس غیر قانونی بستی پر جس کے متعلق کہا جاتا ہے کہ خود سیکورٹی اہلکاروں کے رشتہ داروں کے قبضہ میں ہے اور آئے دن پولیس اور رینجرز سے مڈبھیڑ ہونے کے باوجود اُسے خالی نہیں کروایا جا رہا ہے اور اس طرح کی کچی آبادیاں اب پکے غیر قانونی مکانات میں تبدیل ہو چکی ہیں۔ ان کو پورے شہر میں موثر ایکشن کے ذریعے خالی کیوں نہیں کروایا جا رہا ہے؟ ہمارے کمشنر جناب شعیب احمد صدیقی صاحب کی طرف سے صرف یہ اعلان کافی نہیں ہے کہ ہم جلد شہر سے انکروچمنٹ ختم کر دیں گے۔ آیا وہ کب تک شروع کریں گے۔ اگر خدانخواستہ عملی طور پر ایکشن نہیں لیا گیا اور شر پسندوں نے فوج کی ان علاقوں پر بمباری کو جواز بنا کر دوبارہ حملہ کر دیا تو ہماری اربوں ڈالر کی صنعت ہوابازی خاک میں مل جائے گی اور غیر ملکی ائیر لائنز جو صرف

ایشین ممالک اور خلیجی ممالک کی باقی رہ گئی ہیں، امریکہ، کینیڈا اور یورپی ممالک کی فضائی کمپنیوں کی طرح پاکستان سے اپنا ناطہ توڑ لیں گی پھر کیا ہوگا؟ ہمارے وزیر اعظم میاں نواز شریف صاحب بنفس نفیس کراچی تشریف لا کر اس صورتحال کا خود جائزہ لیں۔ وزیر داخلہ پر اندھا اعتماد نہ کریں۔ ایک سال کی کارکردگی سب کے سامنے ہے۔ صرف ایک آدمی نے دن دہاڑے اسلام آباد کی سڑکوں پر پوری انتظامیہ کو مفلوج بنا دیا تھا۔ آج تک اس کا معلوم نہیں ہو سکا۔ سب نے ماضی کی حکومتوں کی طرح اس پر بھی پردہ ڈال دیا۔ آج بھی یہ جاری ہے۔ اس پر خصوصی توجہ کی ضرورت ہے کیونکہ کراچی کی معیشت پورے ملک کی معیشت سمجھی جاتی ہے، اس پر کنٹرول کریں۔ خدارا قوم کے ساتھ کھلواڑ بند کریں۔

خلیجی مما لک میں پاکستانی قیدیوں کا تبادلہ کیوں رکا ہوا ہے؟

پوری دنیا میں تمام مما لک دیار غیر میں رہنے والے اپنے باشندوں کی فلاح و بہبود تندہی سے کرتے ہیں اور مصیبت پڑنے پر بھر پور مدد بھی مہیا کرتے ہیں۔ جب کہ بد قسمتی سے ہمارے پاکستانی دیار غیر میں 95 فیصد اس سہولت سے محروم ہیں۔ بیشتر سفارت خانوں کا عملہ ان سے بدتمیزی اور غیر اخلاقی مظاہرہ کرتا ہے اور خصوصاً دیار غیر میں ان کو کسی بھی جرم میں سزا ہو جائے پھر تو وہ ایسے منہ پھیرتے ہیں جیسے وہ پاکستانی نہیں کوئی غیر ملکی ہیں۔ حالانکہ سفارت خانے صرف غیر ملکیوں کو ویزے دینے کیلئے نہیں بنائے جاتے بلکہ اس ملک کے باشندوں کو سہولت پہنچانے کیلئے قائم کئے جاتے ہیں۔ ہمارے بجٹ کا بہت بڑا بوجھ اربوں ڈالر یہ غریب پاکستانی جن میں نوکری پیشہ، مزدور، انجینئرز کثرت سے خلیجی مما لک میں 40 اور 50 سینٹی گریڈ درجہ حرارت میں دھوپ اور گرم موسم میں دن رات کام کر کے اپنا پیٹ کاٹ کاٹ کر اپنے گھر والوں، دوستوں اور رشتہ داروں کو بھجواتے ہیں اور وہیں سے برس ہا برس تنہا زندگی گزار کر اپنی غربت دور کرنے میں دن رات ایک کر دیتے ہیں۔ کئی کئی

سالوں کے بعد وہ چھٹی ملنے پر ہی پاکستان صرف چند ہفتوں کیلئے اپنے پیاروں سے ملنے آتے ہیں۔ یہ ایک بڑے عجیب سلسلوں سے گزر کر بڑی بڑی رقوم گنوا کر پہلے تو ویزہ اور پھر نوکریاں حاصل کرتے ہیں۔ بہت سے جعلی ٹریول ایجنٹوں کی بدولت اور ان کے ایجنٹوں کے ہاتھوں جعلی ویزوں پر جب وہاں پہنچتے ہیں تو انہیں یا تو ایئر پورٹ سے ہی واپس کر دیا جاتا ہے یا پھر اگر وہ کسی طرح داخل ہو جائیں اور ویزوں کی معیادیں گزر جائیں یا پھر ان کا کفیل ناراض ہو جائے تو وہ خروج لگوا کر ان کو اس ملک میں واپس بھجوا دیتا ہے ۔ بہت سے خلیجی مما لک میں اس کا کفیل ہر سال ویزے کی تجدید کی رقم وصول کرنے کے باوجود اس مقامی کمپنی کے مالکان کے خلاف جو مزدوری کروا کر تنخواہیں بھی نہیں دیتے پھر بھی کوئی مدد نہیں کرتا اور اس میں انفرادی متاثر کو تو ہمارا سفارت خانہ گھسنے بھی نہیں دیتا۔ رشوت، رعونیت دونوں چیزیں ہمارے سفارت خانوں میں ہی پائی جاتی ہیں۔ دنیا کے دیگر مما لک بشمول ہمارے پڑوسی ملک بھارت کے سفارت خانے نہ صرف اپنے باشندوں کا خیال رکھتے ہیں بلکہ اپنے ملک کیلئے نئے نئے خریدار بھی پیدا کرتے ہیں جبکہ ہمارے کمرشل اتاشی آج تک کوئی خاطر خواہ کارنامہ انجام نہیں دے سکے۔ جس سے ہمارے ملک کی معیشت میں کوئی مدد مل سکے اور وہ صرف تنخواہیں، رہائش اور آسائشیں لینے کی تگ و دو میں لگے رہتے ہیں اور غریب پاکستانی باشندے سفارت خانوں کے چکر لگا لگا کر تھک ہار کر بیٹھ جاتے ہیں آج تک ہمارے سفارت خانوں کا احتساب نہیں ہو سکا اور لاکھ شکایتوں کی بھرمار کے ان کے

خلاف کوئی کاروائی عمل میں نہیں لائی گئی۔ جس سے سفارتی عملہ اور مغرور ہو جاتا ہے اس سے رشوت کا دروازہ اور وسیع ہو جاتا ہے۔ یہ تمام معاملات صرف ہمارے جیسے غریب ممالک کے باشندوں کے ساتھ پیش آتے ہیں جو اپنی جانوں پر کھیل کر قانونی، غیر قانونی راستے جوڑ یول ایجنٹس دکھلا کر اپنی جانوں کو بھی گنوا دیتے ہیں۔ یہاں یہ بات بھی قابل ذکر ہے بھارتی پڑھے لکھے آئی ٹی، ڈاکٹر، انجینئر، بینکر، انشورنس، پراپرٹی ایجنٹس اب خلیجی ممالک سے واپس بھارت جا رہے ہیں۔ ایک تو ان کا روپیہ ہمارے روپے کے مقابلہ میں تقریباً دوگنا ہے اور اب بھارت میں خلیجی ممالک کی بہ نسبت تنخواہوں اور مراعات میں اضافہ ہو چکا ہے پھر اپنا ملک اپنا ہی ہوتا ہے۔ دیار غیر میں تنہائی، ذلت تیسرے درجے کی شہریت سب کچھ برداشت کرنا پڑتا ہے۔

پچھلے ہفتے میری چھٹی کتاب ''صوبے کیوں ضروری ہیں'' کی تقریب رونمائی جب ختم ہوئی تو ایک وفد جس کی قیادت ایک UAE میں رہنے والے صحافی بھائی سے ملاقات ہوئی تو انہوں نے UAE میں 2000 سے زائد پاکستانی جو صرف UAE کی مختلف جیلوں میں گزشتہ 10 بارہ سالوں سے قید ہیں اور تقریباً 200 سے زیادہ تو عمر قید یعنی (25 سال قید) میں ذلت آمیز زندگی گزار رہے ہیں جن کی ہمارے سفارت خانوں کے ویلفیئر افسران نے بھی ان کی اب خبر گیری کرنی چھوڑ دی ہے۔ ان کی طویل فہرست لا کر درخواست کی۔ خدارا ہمارا کیس اپنے کالم میں اٹھائیں کہ نومبر 2009 میں حکومت پاکستان اور وفاقی حکومت امارات کے درمیان قیدیوں کے تبادلے کا معاہدہ

طے پایا تھا جس کی رو سے 6 ماہ سے زائد سزا پانے والوں کو پاکستان واپس بھیج دیا جائے گا اور وہ اپنی بقایا سزا پاکستان کی مقامی جیلوں میں پوری کریں گے۔ 5 سال گزر چکے ہیں آج تک 2 ہزار سے زیادہ قیدی اسی امید میں بیٹھے ہیں کہ کب ہماری حکومت اس معاہدے پر عمل درآمد کرتی ہے۔ امارات کی حکومت ان پاکستانیوں کو واپس بھیجنے کیلئے تیار ہے مگر پاکستان کی طرف سے اس معاہدے پر عمل درآمد نہیں ہو رہا ہے جبکہ بھارت، بنگلہ دیش اپنے قیدیوں کو اپنے اپنے ملک واپس لے جا چکے ہیں۔ خود پاکستان بھی انگلینڈ، تھائی لینڈ سے ایسے ہی معاہدے کی روشنی میں پاکستانی قیدی واپس لا چکا ہے۔ پھر متحدہ عرب امارات، سعودی عرب اور دیگر خلیجی ممالک سے اپنے پاکستانی قیدی لانے میں کیوں پس وپیش کر رہا ہے۔ جب کہ انہی افراد کے اربوں ڈالر ہر سال زرمبادلہ کے طور پر پاکستان کی معیشت میں ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت رکھتے ہیں۔ آج وہی مصیبت میں ہیں تو ہم ان سے کیوں آنکھیں چُرا رہے ہیں۔ یاد رہے کہ خلیجی ممالک میں بہت سے قیدی ایسے بھی ہیں جن کے سامان سے خشخاش اور خواب آور دوائیں، کھانسی کے شربت کی بوتلیں نکلی تھیں سب وہ نارکوٹک کے زمرے میں آتی ہیں جن کی سزائیں کم از کم 10 سال اور زیادہ سے زیادہ 25 سال عمر قید کی سزا دی جاتی ہے اور کچھ ایسے بھی معصوم قیدی ہیں جن کے ایجنٹوں نے یہ کہہ کر پیکٹ دیا ہوتا ہے کہ تم میرے فلاں رشتے دار کو دے دینا۔ ائیر پورٹ پر جب کسٹم والے پوچھتے ہیں کہ اس میں کیا ہے تو انہیں خود بھی نہیں معلوم ہوتا تو اس طرح وہ پکڑے جاتے ہیں اور تمام عمر جیل میں

گزارنے پر مجبور ہوتے ہیں وہاں کی پولیس ہماری پولیس کی طرح رشوت لے کرنہیں چھوڑتی کیونکہ خلیجی ممالک میں پولیس کا معیار ہمارے ملک کے بڑے سے بڑے سیکرٹریوں کے بھی مقابلے میں آگے ہوتا ہے اور وہ صرف 8 گھنٹے ہی ڈیوٹی دیتے ہیں۔ ہر تھانے میں 3 افسران تعینات ہوتے ہیں۔ ہر قسم کی سہولتیں انہیں میسر ہوتی ہیں لہٰذا آٹے میں نمک کے برابر پولیس والے رشوت لیتے ہیں۔ دیگر محکموں کو تو اب بھارتی، پاکستانی اور بنگلہ دیشیوں نے رشوت دے دے کر انہیں بگاڑ دیا ہے۔مگر پولیس کا محکمہ ابھی بچا ہوا ہے۔

انہوں نے بتایا کہ حال ہی میں سرتاج عزیز صاحب UAE میں تشریف لائے تھے کیونکہ اسلام آباد میں ان قیدیوں کے لواحقین نے ان کے دفتر کے باہر بہت بڑا مظاہرہ کیا تھا۔آج تک پتہ نہیں چل سکا کہ اماراتی ذمہ داروں سے ان کی کیا بات چیت ہوئی۔ ہر قیدی اپنی اپنی رہائی کی آس لگائے بیٹھا ہے اگر چہ وزیر داخلہ، وزیراعظم صاحب کے پاس کثرت سے مسائل گلے پڑھ چکے ہیں اور بعض تو خود ان کی اور ان کے وزراء کی غلطیوں سے پیدا ہوئے ہیں ۔بیشک صدر پاکستان محترم جناب ممنون حسین صاحب اگر فوری طور پر اس طرف توجہ دیں تو یقیناً انکی دعاؤں سے بہت سے مسائل خود حل ہو جائیں گے اور ہزاروں لواحقین بھی اپنے پیاروں کو اپنے درمیان پا کر اذیت ناک زندگی سے چھٹکارہ پا سکیں گے۔

ماضی کے چند واقعات

45 سالہ دنیا کی سیاحت میں راقم کئی ناقابل فراموش واقعات سے بھی دوچار ہوا۔قارئین کی معلومات میں اضافے کے لئے تحریر کر رہا ہوں۔ غالباً 1973ء میں شہنشاہ ایران کے دور میں تہران میں جمعہ کی نماز کیلئے مسجد تلاش کر رہا تھا اول تو اس زمانے میں ایران کا شمار تمام خلیجی ریاستوں کے سامنے سب سے جدید تعلیم یافتہ ملکوں میں ہوتا تھا معلوم ہوا کہ پورے تہران میں ایک بھی مسجد نہیں ہے صرف امام بارگاہیں اہل تشیع کی ہیں مزید معلومات کیں تو ایک پاکستانی سے ملاقات ہوگئی اس نے بتایا صرف پاکستانی سفارت خانے میں ایک مسجد ہے چنانچہ وہاں کا پتہ لیا اور ٹیکسی سے نماز جمعہ ادا کرنے کیلئے ہوٹل سے وضو کر کے روانہ ہو گیا ٹیکسی ڈرائیور انگریزی سے نابلد تھا راقم نے سکول کے زمانے میں کچھ سال فارسی آپشنل مضمون کے طور پر پڑھی تھی اسے فارسی میں سمجھانے کی کوشش کی معلوم ہوا ایرانی فارسی کا لہجہ بالکل مختلف ہے۔ اشاروں کچھ مکس الفاظ کا سہارا اور سفارت خانہ پاکستان اس کی سمجھ میں آگیا وہ گھوم گھما کر اس بڑے بازار میں اتار کر چلا گیا جہاں کئی اور سفارت خانے بھی

تھےعوام انگریزی اور اردو سے نابلد تھے۔ جمعہ کی نماز کا وقت بھی نکلا جا رہا تھا اتنے میں ایک پڑھا لکھا شخص سوٹ پہنے آتا نظر آیا۔ میں نے اس سے انگریزی میں بات چیت کی اس نے کہا میرے پیچھے چلے آؤ کئی گلیاں گزر کر ہم بالآخر پاکستانی سفارت خانے پہنچ گئے ہم نے اس کا شکریہ ادا کرکے گیٹ کی طرف بڑھنا شروع کیا تو اس نے انگریزی میں کہا بغیر معاوضہ دیئے تم کیسے جا سکتے ہو۔ ہم کو تعجب ہوا پوچھا کیسا معاوضہ اس نے کہا راستہ بتانے کا جس کی وجہ سے میرا قیمتی وقت ضائع ہوا ہے ہم نے پوچھا کتنا معاوضہ لوگے۔ بولا دس ڈالر، میں نے بتایا اتنے پیسے تو ٹیکسی والے اتنی دور سے بھی آ کر نہیں لئے وہ بگڑ کر کہنے لگا میں پڑھا لکھا ہوں تم نے کیا مجھے ٹیکسی ڈرائیور سمجھا ہے؟ میرے پاس اس کا کوئی جواب نہیں تھا خاموشی سے جیب سے دس ڈالر نکال کر دئے۔ تب جا کر جان چھوٹی اور نماز جمعہ پڑھی۔ واپسی پر خاموشی سے ٹیکسی پکڑی اور واپس ہوٹل آ گیا۔

دوسرا ایسا ہی ملتا جلتا واقعہ لبنان میں 1975ء میں پیش آیا میں لندن سے براستہ بیروت، جدہ عمرہ کرنے کیلئے بیروت ایک دن رک کر دوسرے دن کی فلائٹ سے روانہ ہونا تھا آنے سے قبل میرے ایک دوست جو بیروت میں کاروبار کرتے تھے ان سے بھی ملنا تھا اتفاق سے فلائٹ لیٹ ہوگئی اس زمانے میں موبائل یا جدید آلات نہیں تھے وہ دوست بھی ایئرپورٹ سے واپس اپنے گھر لوٹ گئے۔ میرے پاس ان کے گھر اور دفتر دونوں کا پتہ تھا ایئرپورٹ

سے جہاز والوں کی طرف سے مفت ٹھہرنے کا بندوبست تھا ان کی گاڑی میں ایئرپورٹ سے ہوٹل پہنچا رات ہو چکی تھی سامان ہوٹل میں رکھا باہر نکل کر ٹیکسی کو ہاتھ دیا پتہ دکھایا ٹیکسی والے سے آنے جانے کا کرایہ تیس ڈالر طے ہوا۔ راستہ کافی لمبا تھا دوست کے فلیٹ پر پہنچا معلوم ہوا دوست گھر پر نہیں۔ اور رات بھی گزر چکی تھی دوسرے دن صبح صبح میرے دوست کا ہوٹل فون آ گیا اس نے کہا گھر آ کر ناشتہ ساتھ کر لو بات چیت بھی ہو جائے گی پھر میں تمہیں ایئرپورٹ بھی چھوڑ دونگا میں نے کہا کل رات میں ٹیکسی سے آیا تھا کئی جگہیں ٹیکسی والے نے روک کر پتہ پوچھا تھا کہیں ایسا نہ ہو میں بیروت شہر میں بھٹک جاؤں اس نے ہنس کر کہا اچھا تم ہوٹل کے باہر کارنر تک پہنچو سامنے والی تیسری گلی کی دوسری بلڈنگ فلاں رنگ کی ہے میں نیچے پہنچتا ہوں۔ میں ہوٹل سے کارنر تک پہنچا ابھی دوسری گلی ہی کراس کی تھی کہ میرا دوست سامنے سے آتا نظر آیا۔ میرا تعجب سے منہ کھلا رہ گیا کہ جاتے وقت اور آتے وقت دونوں مرتبہ ٹیکسی ڈرائیور نے مجھے غیر ملکی سمجھ کر بیوقوف بنایا پھر میرے دوست نے بتایا کہ بیروت شہر صرف ایک ہی لمبی سڑک پر آباد ہے جس کے ایک طرف سمندر آخری سرے پر گلیوں کے ختم ہونے پر واقع ہے۔ دوسری طرف بلڈنگیں اس زمانے میں میدان پر ختم ہوتی تھیں یہی سڑک ایئرپورٹ جا کر ختم ہوتی تھی اس سڑک کا نام الحمراء اسٹریٹ ہے۔ یہاں کے دکاندار اور ٹیکسی والے غیر ملکیوں کو خوبصورتی سے بے وقوف بنا کر دن دیہاڑے لوٹتے ہیں یہ شہر پورے خلیج والوں کیلئے عیاشیوں اور کیسنوں (جوئے خانوں) بڑے بڑے

ہوٹلوں کی وجہ سے مقبول ہے خصوصاً سعودی عرب کے شیخ یہاں آ کر اپنی گرمیاں گزارتے ہیں اور دولت لٹا کر جاتے ہیں۔ جب کہ ایسا ہی ایک واقعہ جرمنی کے شہر فرینکفرٹ میں بھی پیش آیا تھا ہوٹل سے اتر کر میں نے ٹیکسی رکوائی اس کو پرچہ دیا جس پر پتہ درج تھا ٹیکسی والے نے پرچہ پڑھا اور کہا کیا تم 100 گز دور تک پیدل نہیں جا سکتے؟ اس سڑک پر سیدھے 100 گز چلے جاؤ مطلوبہ جگہ پر پہنچ جاؤ گے کیوں فضول پیسے ضائع کرتے ہو۔ واقعات تو لاتعداد پیش آتے رہے ایک اچھا واقعہ بھی کبھی نہیں بھول سکتا۔ چند سال قبل میں اپنی پوری فیملی کے ساتھ بقرعید کی چھٹیاں گزارنے بینکاک گیا تھا اتفاق سے میری صاحبزادی کا پرس ٹیکسی میں رہ گیا۔ جس میں نقدی، قیمتی جیولری، کریڈٹ کارڈ کے علاوہ مختلف کلبوں کے آئی کارڈ تھے۔ ٹیکسی ہم نے 3 دن کیلئے بک کروائی تھی امید تھی ٹیکسی والا ضرور واپس آئے گا جب وہ سیٹ پر پرس دیکھے گا۔ میری بیگم اور بیٹی بے چینی سے اس کی واپسی کا انتظار کرتی رہیں۔ مگر وہ نہ اس دن واپس آیا اور نہ دوسرے دن۔ ہم نے اناللہ پڑھی۔ ہماری تفریح بھی پھیکی پڑھ گئی۔ میں بیٹی کو تسلی بھی دیتا رہا کہ پاکستان جا کر ہم نئی جیولری بنوا دیں گے۔ کریڈٹ کارڈ ہم نے پیشگی بند کروا دیے تھے۔ ہمارے گھر والے ساتھ تھے تو گھر بھی بند تھا۔ چوتھے دن میری بیٹی کے سسرال سے فون آیا کہ اس کا پرس پاکستانی سفارت خانے میں کوئی جاپانی شخص پہنچا گیا ہے۔ ہم کو سفارتخانے والوں نے فون پر اطلاع دی ہے۔ اتفاق سے ہم روز اپنے ہوٹل سے منسلک پاکستانی سفارت خانے پر لگا جھنڈا دیکھ کر خوش ہوتے تھے بیٹی کو

لے کر سفارتخانے پہنچے یہاں بھی جن قونصلر صاحب کے پاس ہمارا پرس تھا وہ بھی میرے ہم نام نکلے۔ تعارف کرانے پر میرے واقف کار نکلے۔ پرس لا کر دیا اور کہا ایک بیچارہ جاپانی جس نے مجھے پرس لا کر دیا تھا بتایا کہ وہ اس ٹیکسی میں جب بیٹھا تو پاؤں میں کوئی چیز اٹکی تو دیکھا ایک پرس تھا کھول کر اس نے دیکھا تو زیورات، نقدی سب سے اچھی بات پاکستانی آئی ڈی کارڈ تھا وہ ٹیکسی سے اپنے ہوٹل جانے کے بجائے پاکستانی سفارتخانے کا پتہ پوچھ کر یہاں لے آیا۔ تو یہاں عید کے دن کی چھٹیاں تھی۔ گیٹ پر صرف گارڈز تھے۔ تمام پاکستانی آفیسرز چھٹیاں منانے ادھر اُدھر گئے ہوئے تھے وہ پریشان ہوا۔ قیمتی زیورات گارڈز کے حوالے نہیں کر سکتا تھا۔ رات اس کو جاپان واپس جانا تھا۔ وہ 2 دن بعد جب سفارت خانہ کھلا تو اس نے پرس ہمارے قونصلر کے حوالے کر کے اپنا کارڈ بھی لگا کر واپس ٹوکیو روانہ ہو گیا۔ پھر ہمارے سفارت خانے والوں نے کراچی کلب فون کر کے ہمارا پتہ لیا۔ خوش قسمتی سے بیٹی کا کارڈ تھا اس پر اس کے سسرال کا پتہ اور فون نمبر درج تھا لہٰذا انہوں نے بتایا کہ میری بیٹی کا پرس بینکاک کے سفارتخانے سے لے جائیں۔ بہت خوشی ہوئی کہ ایک طرف ایماندار جاپانی نے 2 دن رک کر ہمارا پرس صحیح جگہ پہنچایا پھر ہمارے پاکستانی سفارتخانے والوں نے فرض شناسی کا بہترین مظاہرہ کرتے ہوئے ہماری امانت ہم تک پہنچائی۔ گویا انسانیت اور ایمانداری ہر قوم میں مل سکتی ہے۔ میں نے بھی جاپانی مہربان کو فون کیا اور شکریہ ادا کرتے ہوئے اس کے اضافی اخراجات ادا کرنے کی پیش کش بھی کی۔ مگر اس نے لینے سے انکار

کر دیا اور کہا کہ یہ میری قوم کی آزمائش تھی تو میں نے وہ فرض پورا کر دیا۔ اب میں اپنی عوام کی توجہ خاص طور پر UAE جس کو Expo 2020 کی دبئی میں نمائش کی اجازت ملی ہے۔ گری ہوئی پراپرٹیوں کی قیمتوں میں دوبارہ اضافہ شروع ہو گیا ہے۔ 2008ء میں جب ہمارے پاکستانی بلڈرز، رئیل اسٹیٹ ایجنٹس جنہوں نے خصوصاً پاکستانی انویسٹروں کے اربوں درہم ڈبو دئے تھے اور بھاگ کر اِدھر اُدھر ہو گئے تھے کیونکہ وہ تمام پیسہ خرد برد کر کے بھاگ گئے تھے۔ اور دبئی میں مفرور قرار دئے گئے تھے وہ اب خود نہیں آرہے بلکہ اپنے بیوی بیٹے دبئی بھیج کر وہی ڈرامہ دوبارہ رچانا چاہ رہے ہیں کیونکہ دبئی قانون کے مطابق جس کے چیک پر دستخط ہوں مقدمہ صرف اسی پر بنتا ہے اور FIR بھی اس کے نام کٹتی ہے۔ وہ تو چھپے ہوئے ہیں مگر ان کے بھائی وغیرہ کاروبار کر سکتے ہیں حال ہی میں دبئی حکومت نے سخت قوانین تو بنا دئے ہیں مگر ہمارے پاکستانی اس میں بھی کوئی نقطہ نکال لیتے ہیں خاص طور پر پراپرٹی ایجنٹس صاحبان کمال ہوشیاری سے انویسٹر کو پہلے سستے فلیٹ دلوا کر اعتماد حاصل کرتے ہیں اور پھر لمبا چونا لگا کر اپنا پچھلا نقصان بھی وصول کر لیتے ہیں اور بعض پراپرٹی ایجنٹس صمد دادا بھائی کی طرز پر کمپنی بنا کر لمبے منافع کے لالچ میں پہلے پیسہ لے کر اور چند ماہ تک منافع دے کر مطمئن کر دیتے ہیں اور جب رقم کافی جمع ہو جاتی ہے تو ان کے پوسٹ ڈیٹ چیک واپس ہو جاتے ہیں وہ پہلے ہی دبئی چھوڑ چکے ہوتے ہیں اب جب یہ دوبارہ کاروبار ترقی کر رہا ہے میرا پاکستانی انویسٹروں کو مشورہ ہے کہ صرف دبئی کی ان کی کمپنیوں میں انویسمنٹ

کریں جنہوں نے ماضی میں دھوکا نہیں دیا ورنہ ایک مرتبہ پھر لالچ میں آکر دوبارہ اپنا نقصان نہ کر بیٹھیں۔ میرا پچیس سال کا نچوڑ بھی بتاتا ہے کہ 98% پاکستانی بلڈرز یا ایجنٹس صرف شارٹ ٹرم بزنس پر تکیہ کر کے رقم بٹور کر اِدھر اُدھر ہو جانے کو ہی کاروبار کا حصہ سمجھتے ہیں لہٰذا ان سے ہوشیار رہیں۔

مہنگائی کا اصل ذمہ داروں سے سوال؟

میں معاشیات کا طالب علم تھا ہمیں پڑھایا گیا تھا کہ قیمتیں ڈیمانڈ اور سپلائی پر منحصر ہوتی ہیں۔ اگر سپلائی سے ڈیمانڈ بڑھ جائے تو فروخت کرنے والا قیمت بڑھا دیتا ہے اور جب ڈیمانڈ کم ہو جائے تو قیمتیں خود بخود کم ہو جاتی ہیں۔ مگر ہمارے حکمران اور بیوروکریٹس صاحبان کے جوڑتوڑ سے ہم دنیا کے نظام سے ہٹ کر اپنا خود ساختہ نظام ترتیب دیتے ہیں۔ مثلاً سب سے پہلے 1972ء میں پی پی پی کی پہلی حکومت جو روٹی، کپڑا اور مکان کے نام پر الیکشن جیتی تھی جبکہ پاکستان نیشنل الائینس (PNA) جو نظام مصطفیٰ کا نعرہ لگا کر میدان میں اتری تھی۔ پی پی پی کے سوشلسٹ نظام کے سامنے بری طرح شکست سے دو چار ہو گئی تھی اور ذوالفقار علی بھٹو مرحوم نے سقوط ڈھاکہ کی وجہ سے اس بچے کھچے پاکستان کی باگ ڈور سنبھال کر اپنے ایک سوشلسٹ نظام کے حامی انجینئر جو آج کل دانشور کہلائے جاتے ہیں پہلے وزیر خارجہ مقرر کر دیئے جن کا نام مبشر حسن تھا۔ آج کل وہ سیاست سے تائب ہو کر صرف سیاسی تبصروں میں شامل کئے جاتے ہیں۔ انہوں نے سب سے بھیانک تجربہ یہ کیا کہ ہمارے

روپے کی قیمت آدھے پاکستان کی طرح آدھی کر دی۔ ڈالر تقریباً 5 روپے کا ہوتا تھا، راتوں رات پہلے 11 روپے کا کیا اور جب عوام کی طرف سے ردعمل دیکھنے میں آیا تو عوام کو خاموش کرنے کے لئے 10 روپے کر دیا گیا۔ جس کی وجہ سے ہماری درآمدات میں 100 فیصد زیادہ ہماری کرنسی خرچ ہو گئی جس کا اثر قیمتوں پر پڑا جس کی درآمد پر 100 روپے خرچ ہوتے تھے وہ 200 روپے ہو گئی۔ اسی طرح 200 روپے پر درآمدی ٹیکس بھی لگا جو بڑھتے بڑھتے قیمت 250 روپے ہو گئی۔ فروخت کنندگان نے اسی حساب سے اپنا منافع بھی جمع کر دیا اور 100 روپے کی اشیاء 300 روپے میں فروخت ہونے لگیں۔ اس طرح پاکستان میں مہنگائی سوشلزم کی آڑ میں داخل ہوئی، عوام پہلے ہی آدھے پاکستان کو کھونے کے صدمے میں تھے، خون کا گھونٹ پی گئے۔ کیونکہ تبدیلی بھی وہی لائے تھے اور پھر نئے پاکستان کی داغ بیل پڑی۔ پھر دوسرا تجربہ 1980ء میں جنرل ضیاء الحق کے وزیر خزانہ نے کیا کہ روپے کو ڈالرز سے جدا کر مہنگائی کا راستہ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ہموار کر دیا۔ ضیاء الحق کا جہاز پھٹا تو 11 روپے کا ڈالر 33 روپے تک جا چکا تھا۔

پھر جمہوریت لوٹی تو اس نے بھی اس بے لگام مہنگائی کو، درآمد 3 گنا کیا تو برآمدات ایک تہائی ہم جیسے غریب ملک کے لوگ، مرسیڈیز گاڑیاں، مہنگے چاکلیٹ، مکھن، سامان آرائش اور تعیش بھی آٹے دال کی طرح خریدتے چلے گئے۔ کئی مرتبہ تو بین الاقوامی طور پر ڈالر نیچے بھی آیا مگر ہم اپنے روپے کو یکطرفہ گراتے گئے۔ یہاں تک کہ جب ہم نے ایٹمی دھماکہ کیا تو یہی ڈالر جو برسوں

سے 45روپے پر رُکا ہوا تھا ایک دم 60روپے پر جا پہنچا۔ کیونکہ اسی موجودہ حکومت نے راتوں رات غیر ملکی کرنسی اکاؤنٹ منجمد کر دیئے تھے۔ خود اپنے ڈالر راتوں رات بنکوں کے دفاتر کھلوا کر بیرون ممالک ٹرانسفر کر دیئے جو محفوظ رہے۔ عوام، صنعتکاروں پر قیامت ڈھا دی اور صرف 45روپے دینے میں اکتفا کیا جس کا اثر ہوا، ڈالر 60روپے تک جا پہنچا۔ پھر دو مرتبہ جمہوری حکومتوں کو توڑا گیا۔ 1998ء میں پھر فوجی جنرلوں کو موقع ملا، مگر ان کا دورانیہ ہر لحاظ سے بہتر تھا۔ کیونکہ معیشت مضبوط ہوتی گئی اور ڈالرز مسلسل 60روپے میں رہا۔ پھر وقت نے پلٹا کھایا جمہوریت لوٹی تو پھر کرپشن کے الزامات سے بھرپور دور 5 سال پی پی پی کے کشکول میں ڈال کر پہلی مرتبہ 5 سال پورے کروا دیئے گئے اور نشان جمہوریت مسلم لیگ (ن) کے حصے میں آئی۔ جس نے بھرپور فائدہ پی پی پی کو پہنچایا، جس نے 60روپے کا ڈالر 5 سال میں 95روپے تک پہنچا دیا۔ مسلم لیگ (ن) نے کرپشن کے الزامات کا بھرپور فائدہ اٹھا کر اپنی ساری الیکشن کمپین کا رخ پلٹ کر عوام کے ووٹوں سے میدان مار لیا۔ نعرے پھر نعرے ہوتے ہیں جو زیادہ گرما دے ہماری سیدھی سادی قوم ان کے ماضی کو بھلا کر نیا تجربہ کرنے کے بجائے پرانے پاپی سیاستدانوں کو بک ہور (پنجابی میں) موقع دے دیتی ہے پھر 5 سال چیختی چلاتی ہے۔ اس نواز لیگ والوں نے ڈالر 110 روپے تک پہنچا دیا پھر بیرونی کمک پہنچی اور ڈالر پہلی مرتبہ 100 سے نیچے لایا گیا۔ کتنے دن اس قیمت پر رہے گا یہ تو ہمارے وزیر خزانہ کو بھی نہیں معلوم۔ ہماری ہر حکومت مہنگائی کے خلاف سختی سے نمٹنے

کے دعوے کرتی ہے۔ انتظامیہ چند دن اس کے خلاف چھوٹے چھوٹے دوکانداروں پر چڑھائی بھی کرتی ہے۔ گوشت، دودھ، سبزیوں، پھلوں، آٹے، چینی اور کرائے بڑھانے والوں سے معاہدے بھی کرتی ہے اور پکڑ دھکڑ بھی کرتی ہے۔ مگر اپنے گریبان میں جھانک کر نہیں دیکھتی ہے کہ یہ ڈالر 5روپے سے 100 روپے کرنے میں کس کا ہاتھ ہے۔ اس ڈالر کو کون کنٹرول کر کے بڑھاتا ہے، اس کی ذمہ دار خود 100فیصد حکومت اور خزانے کے رکھوالے ہیں۔ جب ہمارا اور بھارتی روپے ساتھ ساتھ صرف 5فیصد سے 10فیصد کے فرق سے تھا تو پھر کیوں ایک دم بھارتی روپے سے آدھا کر دیا گیا۔ ان دوکانداروں نے کیا یا ہمارے صنعتکاروں نے کیا؟ پوری دنیا میں آج بنک 3 سے 5فیصد مارک اپ پر قرضے فراہم کر رہے ہیں۔ ہمارے ملک میں 20فیصد سے لیکر 36فیصد (3فیصد ماہانہ) تک لے کر عوام کو قرضے فراہم کر رہے ہیں۔ وہ بھی 150فیصد گارنٹی کے عوض پر جائیداد گروی رکھ کر، خود حکومتی بنک اس میں شامل ہیں۔ 10 سال قبل جب تیل 150 ڈالر تک پہنچا تھا تو اس کی قیمتیں دوگنا بڑھا بڑھا کر ڈالر کے برابر 100 روپے تک پہنچا دی گئیں۔ آج 70 ڈالر سے بھی کم تیل درآمد کر کے صرف 10 روپے کا عوام کو ریلیف دینا۔ گیس کی آدھی قیمتیں دنیا میں ہو چکی ہیں، اول ہم گیس درآمد کرنے سے گریزاں ہیں۔ صنعتیں بند ہو رہی ہیں اور بنگلہ دیش، نیپال جیسے پسماندہ ملک میں جا چکی ہیں۔ جہاں بیرونی سرمایہ کاری کے سنہرے زمانے کے ساتھ ساتھ دہشت گردی سے پاک ماحول موجود ہے۔ طالبان صرف ہمارے ہی

علاقوں میں دہشت گردی کے واقعات کرر ہے ہیں۔ وزراء حکومت سے سوال کریں کہ آدھی سے بھی کم قیمت پر تیل درآمد کر کے بقایا 40روپے لیٹر کس کس کے جیب میں جارہا ہے۔ وزیر خزانہ بتائیں کہ جب ہمارے ٹیکسٹائیل کے برآمد کنندگان نے دھمکی دی کہ ڈالرز کی قیمتیں کم کیں تو ہم ملز بند کردیں گے۔ کیوں ان کی دھمکی سے مرعوب ہوکر تیل کی قیمتوں کی طرح ڈالروں کو واپس 60روپے کی سطح پر کیوں نہیں لائے۔ بھارت نے تو ڈالر واپس 61روپے کا کردیا، تیل اور گیس کی قیمتیں بھی آدھی کردیں۔ مگر ہم ڈھٹائی کے ساتھ عمران خان کے دھرنوں کا تو جواب دے رہے ہیں۔ روز مسلم لیگ (ن) کے وزراء عمران خان سے دو دو ہاتھ کر کے عوام کی توجہ اپنے وعدوں سے ہٹانا چاہتے ہیں۔ مگر آپ نے جو الیکشن کے دوران وعدے کئے تھے کسی ایک کو بھی پورا نہیں کیا۔ صرف کنٹینرسیاست کو ملوث کر کے اپنی نا کامیوں کو چھپا کر بچنا چاہتے ہیں۔ یاد رکھیئے اس مرتبہ عوام کا غیظ وغضب آپ دونوں جماعتوں اور ان کے حواریوں کو نہیں بخشے گا۔ اس کی وجہ عمران خان جو جو الزامات آپ دونوں جماعتوں کے بتارہا ہے اس کا ایک بھی جواب آپ کے وزرا تو کجا آپ کے پاس بھی نہیں ہے۔ فرق صرف یہ ہے کہ اگر وہ الزامات اسمبلی میں آ کر لگاتا تو اس کا وزن زیادہ ہوتا۔ کیونکہ اگر صرف دھرنوں سے حکومتیں گریں تو یقیناً یہ خوفناک دھماکوں سے کم نہیں ہوگی۔ یہ بھی خودکش غیر جمہوری طریقۂ واردات ہوگی جو کوئی بھی کسی وقت بھی 10 پندرہ لاکھ کا مجمع اکٹھا کر کے دُہرا سکتا ہے۔ اس کا الیکشن میں دھاندلیوں کا ایک بھی مثبت جواب آپ کے پاس نہیں ہے۔

آپ صرف اس کو الجھا کر کنٹینرز سے اتارنے کی صلاح دے رہے ہیں۔ جس طرح ہماری پولیس ہتھیار ڈال کر مذاکرات کے لئے دھوکہ دیتی ہے وہی آپ کرنا چاہتے ہیں۔ یاد رکھیں کہ ہر ہر شہر میں عمران نے جلسے کئے وہاں کے باشعور عوام نے پزیرائی دی ہے۔ عمران خان سے میں کہوں گا کہ آپ اپنے لہجہ اور زبان پر قابو رکھیں۔ یہ پڑھے لکھے باشعور لوگوں کی زبان نہیں ہے اور پھر اپنے ساتھ شیخ رشید کو نہ ملائیں۔ ان کا ماضی ہر آنے والی نئی حکومت کے ساتھ گزرا ہے۔ بدزبانی سے یہ آپ کو مزید نقصان پہنچا رہا ہے۔ ہر شخص جانتا ہے کہ الیکشن میں دھاندلیاں سب نے مل کر کیں۔ اسی نقطہ پر قائم رہیں۔

میرا سلطان

آج کل ٹی وی پر ایک عرصہ سے ترکی کا تخلیق کردہ ڈرامہ میرا سلطان بہت مقبول ہے اکثر خواتین وحضرات بڑے شوق سے اس ڈرامے کو دیکھتے ہیں اتفاق سے اس ڈرامے کے کچھ کردار ہمارے ایک سابق فوجی ڈکٹیٹر پرویز مشرف صاحب سے ملتے جلتے ہیں۔پوری طرح تو میں نے بھی یہ ڈرامہ قسط وار نہیں دیکھا البتہ دوستوں اور گھر کی خواتین کی زبانی تبصرے ضرور سنتا رہتا ہوں ۔ایک مشترکہ خصوصیت ہمارے مردِ آہن ایک عرصہ تک پاکستان کے طول وعرض پر حکمرانی کرتے رہے جس طرح اُن کو چیف آف آرمی سٹاف بے ترتیب جرنیلوں پر پھلانگیں لگا کر بنایا تھا۔اپنے فوجی رفقاء کے ساتھ مل کر اُسی محسن کا دھڑم تختہ کردیا اور جب وہ ہوا میں تھے وہیں سے اقتدار سنبھال کر زمین پر اترے اور پھر ایک ایک کرکے اُن تمام جرنیلوں کو جو اُن کو اقتدار میں لائے تھے فارغ کر کے سکون سے مسلم لیگیوں کی ایک بڑی تعداد جو ہمیشہ سے فصلی بٹیروں کی خصوصیت کی حامل ہوتی ہے بڑے بڑے

ناموں کے ساتھ نئی مسلم لیگ ق بنا کر مسند خلافت پر ڈٹے رہے امریکہ کا بھی بھرپور ساتھ دیا۔افغانستان کی تمام آفتیں پاکستانی عوام پر مسلط کردیں ۔اپنے محسن میاں نواز شریف اور انکے خاندان کو برادر ملک سعودی عرب والوں کی خواہش پر وہاں جلاوطن بھی کردیا۔کھل کر مکّے لہرا لہرا کر ہر ایک سے پنگاء لیا اور سرخرو ہوتے گئے۔جائز اور ناجائز طریقوں سے ہر ایک کو دبا کر رکھا۔جس جس نے ساتھ دیا اُس کو شریک اقتدار رکھا اور جس نے آنکھیں دکھانے کی کوشش کی اس کو بلڈوز کردیا۔کچھ ملک چھوڑ گئے اور اُن کے اقتدار کا سورج غروب ہونے کا انتظار کرتے رہے اور کچھ اپنی جانوں سے ہاتھ دھو بیٹھے۔یہ سب کچھ ٹھیک ٹھاک چل رہا تھا کہ قدرت کا پیمانہ چھلکا اور یکے بعد دیگرے اُن کے جوش میں کئے گئے فیصلے خود اُن پر وار کرگئے مثلاً این آر او کے ذریعے مسلم لیگ ن کو مزید کونے لگانے کی خاطر اُن کی حریف جماعت پاکستان پیپلز پارٹی کو سیاست کے میدان میں اتار دیا تو دوسری طرف چیف جسٹس آف پاکستان کو اسٹیل ملز کی فروخت میں روکاوٹ ڈالنے کی پاداش میں جبری ریٹائرمنٹ پر مجبور کردیا گیا۔قدرت چیف جسٹس پر مہربان تھی کچھ یار لوگوں کا کہنا تھا کہ درِ پردہ میاں نواز شریف اور اُن کے حامی وکیلوں کی آشیر باد تھی ۔چیف جسٹس صاحب اس جبری ریٹائرمنٹ کے خلاف ڈٹ گئے۔وکلاء اور میڈیا فوجی آمر اور اُن کے حواریوں کے خلاف کھل کر میدان میں اتر آیا۔کل تک جہاں دور دور تک مخالفت کا نام ونشان بھی نہیں تھا یک ہوا کا رخ بدلا اور میرا سلطان اُس کی گرداب میں آتا چلا گیا اب کیا تھا محترمہ بے نظیر صاحبہ کو

میدان سیاست میں دوبارہ جگہ دی اور الیکشن کا بھی اعلان کر دیا۔ بدقسمتی آخری دنوں میں بے نظیر صاحبہ کو شہید کر دیا گیا آج تک نہ ان کے قاتلوں کا پتا چلا نہ کسی کو سزا ہوئی البتہ پی پی پی کے حامیوں کی تعداد اس شہادت کی وجہ سے دوبارہ اکٹھی ہوئی اور پی پی پی کے نئے سربراہ آصف علی زرداری صاحب نے اُن کو بڑی صفائی سے گارڈ آف آنر دلوا کر چلتا کر دیا۔ اب میرا سلطان بے چارگی سے پوری دنیا میں گھومتا پھرتا رہا 5 سال بعد پھر الیکشن کا موسم آیا۔ کیونکہ پی پی پی کی کارکردگی صفر تھی تو میرے سلطان کو دوبارہ سیاست میں اترنے کا شوق ہوا اور وہ یار دوستوں کے روکنے کے باوجود اپنی وہی پرانی ہٹ دھرمی پر اڑ کر پاکستان کی دوبارہ خدمت کرنے کے شوق میں لوٹ آیا پھر کیا تھا الیکشن کے کاغذات نامنظور ہوئے سو ہوئے مقدمات کی بھرمار اسی چیف جسٹس جن کو جبری ریٹائرمنٹ پر مجبور کیا تھا سب نے اپنا بدلہ لینا شروع کر دیا۔ نواب اکبر بگٹی مرحوم کے لواحقین بھرپور انعامات کا لالچ دے کر میدان میں اترے اب تو جان کے بھی لالے پڑ گئے۔ ایک مقدمہ ختم نہیں ہوتا تھا کہ دوسرے دو چار مقدمات اور آجاتے تھے۔ الیکشن کا نتیجہ تو اور بھی بھیانک ثابت ہوا اور میاں نواز شریف جیسے تیسے کر کے اقتدار کی مسند پر تیسری بار آبیٹھے تو مقدمات اگرچہ ایک ایک کر کے سمٹ چکے تھے اور ضمانتیں بھی ہو چکیں تھی کہ مسلم لیگ ن والوں نے نہ جانے کس کی آشیر باد سے غداری کا کیس یعنی آئین توڑنے کا مقدمہ کر دیا نئے سرے سے اس پیچیدہ مقدمے کی سماعت شروع ہوئی۔ میاں صاحب نے ایک طرف سے سیاسی رواداری جو پی پی پی والوں نے ان کے ساتھ برتی

تھی پی پی پی والوں کو ان کی تمام کرپشنز پر پردہ ڈالا۔ خیبر پختون خواہ میں عمران کو کھلا راستہ دیا۔ باوجود مولانا فضل الرحمٰن کی توڑ جوڑ کی سیاست کو بھی منہ نہیں لگایا بلوچستان کو بھی وہاں کی اکثریتی پارٹی کے حوالے کر دیا اور ساری توجہ اس غداری مقدمے کی طرف لگا دی۔ اسلام آباد آج 9 ماہ سے مشرف کو عدالت میں پیش کرنے میں لگا ہوا ہے اور میرا سلطان کبھی بیمار ہوتا ہے اور کبھی ان کی والدہ کی بیماری کی خبریں گردش کرتی ہیں تو کبھی ان پر قاتلانہ حملہ ہوتا ہے الغرض ایک طرف سابق جنرل پرویز کیانی کے جانے کے بعد نئے چیف کا بیان ابھی تک کھل کر اس مقدمے کی طرف ہاں یا نہ میں نہیں آیا مگر فوجی کردار فوجی ہی کی ترجمانی کرتا ہے اپنے پیٹی بند بھائی کو سول حکومت کے رحم و کرم پر نہیں چھوڑا جا سکتا جب کہ غداری کی معاونت میں تو خود اس وقت کے جرنیلوں کا بھی کردار تھا اس سے تو وہ پیچھے نہیں رہ سکتے۔ اگر میرے سلطان کو ہر طرف سے باندھ کر بند گلی میں لا کھڑا کیا گیا تو وہ اپنے آپ کو بچانے کیلئے تمام ساتھیوں کو بھی بے نقاب کرنے پر مجبور ہو گا اور ہو سکتا ہے جو غلطی مشرف کو ہٹانے کی تھی وہی غلطی ان کو سزا دلوانے کی امید میں فوجی مزاحمت کی وجہ بن سکتی ہے۔ آج تک سوائے مرحوم ذوالفقار علی بھٹو کے کسی کو بھی سزا نہیں ہو سکی ہے آج بھی نہیں ہو گی پھر کیوں قوم کا وقت اور پیسہ ضائع کیا جا رہا ہے۔ کوئی تو میاں صاحب کو سمجھائے آج نہیں تو کل پھر کوئی طیارہ اترے گا اور وہی عمل دوہرایا جائے گا جو میاں صاحب کی رہائی کا سبب بنا تھا۔ ایک طرف عوام مہنگائی، کرپشن، لاقانونیت، ڈالروں کے ہیر پھیر، طالبان سے مذاکرات سے

جیتی ہے اور روز مرتی ہے اس غداری کے کیس سے اس کو کیا ملنا ہے بہتر یہی ہے کہ میرے سلطان کو سیاسی بردباری سے جس طرح آصف علی زرداری صاحب نے کیا تھا خیر وخوبی سے جانے دیا جائے اور تمام توجہ صرف ملک کی معیشت کی طرف لگا کر طالبان سے بھی خیر سگالی کا پیغام دے کر عوام کی بہتری کی راہیں ہموار کریں ملک مزید انتشار کا متحمل نہیں ہو سکتا۔ مگر لگتا ہے میاں صاحب کے وہی پرانے مشیر دوبارہ میاں صاحب سے غلطی کروا کر رہیں گے

میاں صاحب کا یوٹرن

اس ملک کی سیاست بھی عجیب ہے، اگر فوج خود سیاست میں آئے تو اس کو بغاوت کا نام دیا جاتا ہے اور اگر اس کو مدد کے لئے بلائیں تو ثالث کا نام دیا جاتا ہے۔ میاں محمد نواز شریف پاکستان کے پہلے وزیر اعظم ہیں جنہیں 1999ء میں فوجی مداخلت پر اقتدار چھوڑنا پڑا جس کی وجہ سے جیل اور جلاوطن ہونا ان کا مقدر بنا۔ آج وہی میاں محمد نواز شریف وزیر اعظم ہیں جو سیاسی مصلحت کے تحت آج کے چیف آف آرمی اسٹاف جنرل راحیل شریف صاحب کو دعوت دے رہے ہیں کہ خدارا ان کو اس سیاسی محاذ آرائی پر جو صرف 2 افراد نے اسلام آباد کو دھرنے کی شکل میں گھیر رکھا ہے اور وہ انہیں اور ان کے بھائی شہباز شریف کے استعفے سے کم کسی معاہدے کے پابند نہیں ہونگے، جان چھڑائی جائے۔ اس مد میں ملک کے انتشار کو روکا جائے پھر ہمارے محبِ وطن جرنیل نے فوری طور پر دونوں حضرات کو بلا کر مشاورت بھی شروع کر دی۔ تقریباً دونوں صاحبان اپنے ورکروں کو آدھی خوشخبری سنا کر مطمئن کرنے میں لگے ہوئے ہیں۔ یہ معاملہ کس پر ختم ہوتا ہے کسی کو نہیں معلوم۔ جب تک یہ کالم

چھپے گا عمران خان اور طاہر القادری جن کی سیاست ایک دوسرے سے بالکل مختلف رہی یعنی ایک طرف کی قیادت جمہوریت کے ذریعے الیکشن دوبارہ کروانا چاہتی ہے تو دوسری طرف کی قیادت مذہبی جنونوں کے ذریعے حکومت کا تختہ الٹنا چاہتی ہے۔ درمیان میں میاں نواز شریف صاحب اور ان کے وزراء اس سیاست کی بساط پر مات کھا چکے ہیں۔ جس طرح 1999ء میں بھی ایسی ہی غلطی کا ارتکاب کروا کر میاں صاحب کے اقتدار کو گنوا کر انہیں جیل کی ہوا کھا چکے ہیں۔ خاکم بدہن آج وہی سماں پھر بندھ رہا ہے مگر اس مرتبہ بقول کپتان انگلی اٹھنے والی ہے تو میاں نواز شریف صاحب نے امپائر ہی کو اپنا نجات دہندہ سمجھ کر انگلی پکڑ کر سٹرک پار کروانے کی درخواست کر ڈالی جو خود امپائر کے لئے ایک امتحان سے کم نہیں ہے۔ یہ نہ تو کرکٹ کا میدان ہے اور نہ ہی کرکٹ لور مجمع ہے جو اسکرین کی طرف دیکھ کر لال اور ہری بتی کا اشارہ دے کر تالیاں بجائیں گے اور نہ ہی یہ وہ کھلاڑی ہیں جو لال بتی دیکھ کر پویلین کی طرف روانہ ہو جائیں گے اور اگلے کھلاڑی کو میدان میں اترنے دینگے۔ یہ ایک ایسی سیاسی گتھی ہے جو اب ہر کسی کی عقل سے شاید ہی حل ہو سکے اگر ایک طرف عدلیہ اور دوسری طرف بشمول امریکہ ہمارے ڈونرز صاحبان کا دباؤ نہیں ہوتا تو اب تک یہ انگلی اُٹھ بھی چکی ہوتی۔ اس میں یہ تینوں فریقین گھبرا کر اپنے آپ کو کوس رہے ہوتے مگر ابھی تک سب ایک دوسرے کی طرف دیکھ رہے ہیں۔ چند ہزار کا مجمع جس کو عوام کی عدالت کا نام دے کر ہمارے ٹی وی چینلز اور ان کے اینکرز صاحبان بڑھا چڑھا کر سب کی توجہ حاصل کر چکے ہیں۔ رہ

گئے 18 کروڑ عوام، اب وہ لاچار ہو کر صرف اور صرف فوج کی طرف دیکھ رہے ہیں۔ بھاڑ میں گئی معیشت، بے روزگاری، مہنگائی، لاقانونیت، بجلی، گیس، ڈیزل بحران سب پس پشت جا چکے ہیں۔ کل کیا ہو گا یعنی اگلی قسط کس موڑ پر جائے گی۔ اب صرف ایک ہی سوال رہ گیا کہ اگر سب کچھ یہی ہونا تھا تو قوم کا وقت کیوں ضائع کیا گیا۔ سانحہ ماڈل ٹاؤن کیوں پیش آیا۔ معصوم عورتیں، بچے، بوڑھے کیوں مارے گئے اور پھر ایف آئی آر بھی درج نہیں کی گئی۔ اب جب کچھ مانا جا رہا ہے تو پھر میاں صاحب نے یوٹرن لے لیا کہ ہم نے فوج کو ثالثی کے لئے نہیں کہا۔ رات جب یہ دونوں صاحبان ایک گھنٹہ تک الگ الگ فوج کی ثالثی سنا کر مجمع کو رخصت کر رہے تھے تو میاں صاحب اور ان کے وزراء اس کی تردید کیوں نہیں کر رہے تھے کہ ہم نے صرف جنرل صاحب سے مشاورت کی تھی۔ اس کا ردعمل فوج اور عمران خان، طاہر القادری کیا نیا لائحہ عمل تیار کرتے ہیں۔ وہ نواز شریف صاحب کے لئے ایک بھیانک خواب ثابت ہو سکتا ہے۔ اب 48 گھنٹے بہت اہم بن چکے ہیں، اس کی وجہ اب عمران خان اور طاہر القادری فیکٹر نہیں رہ گیا۔ اب فوج کی ثالثی سے انکار غالباً یہ بھی مشورہ ان کے وزراء کا ہی لگتا ہے۔ جنہوں نے میاں نواز شریف صاحب کو چاروں طرف سے گھیر رکھا ہے وہ کسی اور کو آگے نہیں جانے دیتے۔ قوم خیر کی اُمید کم رکھے، کوئی معجزہ ہی اس بحران کو ٹال سکتا ہے۔

موجودہ حکومت کی ڈیڑھ سالہ کارکردگی

ڈیڑھ سال کی مسلسل قومی اسمبلی سے غیر حاضری کے بعد ہمارے وزیراعظم میاں نواز شریف صاحب کی توجہ عمران خان اور علامہ طاہرالقادری صاحبان کے کامیاب دھرنوں کی طرف سے مبذول کرائی تو انہوں نے قومی اسمبلی میں جا کر ممبران کو اعتماد میں لینا شروع کیا تو دھرنوں کا زور ٹوٹا اور ایک دھرنا اچانک نا معلوم وجوہات کی وجہ سے ختم ہوا اور دوسرا دھرنا آخری ہچکیوں پر مجبور ہو چکا ہے۔ مگر ایک حقیقت ضرور وجود میں آئی کہ قوم بیدار ہونا شروع ہوئی۔ پھر وزیراعظم صاحب نے حکم دیا تمام وزراء اپنی ماہانہ کارگزاری بھی کابینہ میں پیش کریں۔ مگر ایک ماہ گزر چکا ہے کابینہ کا اجلاس ہی نہیں طلب کیا گیا البتہ وزیراعظم صاحب چین کے دورے پر روانہ ہو گئے تا کہ 32 ارب ڈالر کے معاہدے کی تکمیل کر سکیں۔ جبکہ صرف ایک دن قبل ہی ٹرانسپرنسی انٹرنیشنل جرمنی کی اپنے ماہانہ رپوٹ میں چین کی 52 کمپنیوں کو بلیک لسٹ کر دیا اور وجہ یہ بتائی کہ یہ کمپنیاں رشوت(Kick Back) دینے کی ماہر ہیں۔ اسی وجہ سے وہ کمپنیوں کا آڈٹ نہیں کرواتی جس سے ان شبہات کو تقویت پہنچتی ہے کہ درپردہ حکمرانوں اور متعلقہ بیوروکریٹس حضرات سے ملکر بڑے بڑے

کنٹریکٹس حاصل کرتے ہیں جو ضابطہ کی کاروائیوں کو حذف کر کے مہنگوں داموں فروخت کرتے ہیں جس کا عوام پر بوجھ پڑتا ہے اور بعض حالات میں ناکارہ مشنریاں ری کنڈیشن کر کے نئی قیمتوں کے عوض فروخت کرتے ہیں۔ ان کمپنیوں کا کاروبار خصوصاً پاکستان سے گذشتہ کئی سالوں سے ملی بھگت کر کے جاری ہے۔ غالباً ٹرانسپرنسی انٹرنیشنل کا اشارہ ماضی اور حال کی حکومتوں کے سربراہوں کی نشاندہی کر رہا ہے۔ جو بجلی پیدا کرنے والے پاور پلانٹس ناکارہ حالت میں پاکستان بھجوائے گئے تھے اور جو آج تک بیکار پڑے ہوئے ہیں۔

عوام یہ سمجھنے سے قاصر ہیں کہ الیکشن کمپین میں مسلم لیگ (ن) کے سربراہ نواز شریف صاحب نے 3 ماہ میں بجلی کے بحران کو ختم کرنے کا وعدہ کیا پھر اس کو 6 ماہ اور بعد میں 3 سال تک کا وعدہ تو کیا مگر عملی طور پر پہلے بھاشا ڈیم کو 2037ء تک ملتوی اور کالاباغ ڈیم کو بھارت کے دباؤ میں آ کر بالکل ہی ختم کر ڈالا۔ بھارت کی موجودہ قیادت سے ہاتھ ملانے کے جواب میں پہلا تحفہ سیلاب کی شکل میں نریندر مودی نے دیا اس پر ہی بس نہیں کیا، پاکستان دشمنی میں سب سے آگے سمجھوتہ ایکسپریس اور گجرات میں قتل عام کے ماسٹر مائنڈ اجیت کمار کو اپنا دست راست اور انڈین سیکورٹی کونسل کا سربراہ بنا دیا۔ جس نے حالیہ واہگہ بارڈر پر خودکش حملہ کروا کر پاکستان کے شیدائیوں پر قیامت ڈھا دی۔ مگر شاباش ہے کہ اس مایوسی کے عالم میں بھی قوم نے دوسرے دن واہگہ بارڈر پر جا کر یہ ثابت کر دیا کہ بے شک ہمارے حکمران نا اہل ہیں مگر ہم زندہ قوم ہیں۔ ہم ان کو جواب میں آموں کی پیٹیاں اور رنگ برنگی ساڑھیاں بھجوا رہے ہیں اور ان کی ننگی جارحیت پر چپ

سادھے ہوئے وے ہیں ۔ وہ ہماری سرحدوں پر کھلی فائرنگ کر کے مقامی باشندوں کو نقل مکانی پر مجبور کر رہے ہیں ۔اور تو اور یہ بھی سننے میں آیا ہے کہ شریف خاندان کی شوگر ملز کے لئے 2 عدد 50 پچاس میگاواٹ کے پاور پلانٹس خریدے جا رہے ہیں ۔ جس کے لئے شہباز شریف کے صاحبزادے سلمان شہباز نے بھارتی ویزے کی درخواستیں بھی جمع کروادی ہیں اور دیگر تجارتی معاہدے بھی متوقع ہیں ۔جس طرح بھارتی وزیراعظم کی حلف برداری میں، وزیراعظم صاحب کے دورے میں بھارتی اسٹیل کنگ متھن چکروتی سے ان کے صاحبزادے نے خصوصی ملاقات کی تھی ۔تف ہے ہم پر کہ ہم مودی جیسے مسلم کش وزیراعظم سے خیر کی توقع کرتے ہیں جس نے اپنے تمام دوروں میں جو مغربی ممالک امریکہ سمیت حکمرانوں سے مل کر پاکستان پر دہشت گردی کے الزامات لگا کر ان کو گمراہ کیا اور خود مظلوم بن کر بھارتی جارحیت کو چھپانے میں کامیاب ہوا ۔جس کی وجہ سے پٹنا کون کا پاکستان کے خلاف حالیہ بیان بھی اس کی کڑی ہے ۔ یہ درست ہے کہ پڑوسی ممالک سے اچھے تعلقات معیشت پر اچھے اثرات مرتب کرتے ہیں مگر اپنی خودداری کو گروی رکھ کر ایسے تعلقات زندہ قوم کی ترجمانی نہیں کرتے ۔نواز شریف صاحب کو اپنی خارجہ پالیسی میں مثبت کارکردگی کی ضرورت ہے ۔ ایک طرف ہماری افواج دہشت گردی کے خلاف وزیرستان میں امن قائم کرنے میں لگی ہوئی ہے ۔مگر خود بڑے بڑے شہر دہشت گردوں سے غیر محفوظ ہو چکے ہیں ۔انتظامیہ، پولیس، رینجرز ان کے ہاتھوں یرغمال بنی ہوئی ہیں ۔ مسلم لیگ (ن) کے ترجمان کے مطابق تمام وزراء تنخواہوں اور مراعات لینے کے علاوہ میڈیا پر ملا کھڑے کی حد

تک محدود ہیں ۔ مسلم لیگ (ن) کے بہت سے میڈیا کے ہمنوا حقیقت سے پردہ اٹھانے کے بجائے عمران خان اور علامہ طاہر القادری کے دھرنوں کے خلاف قلم آزما ہو کر عوام کی مشکلات کے حل کے بجائے ان کو طعنوں القابوں سے نواز رہے ہیں اور در پردہ حکمرانوں سے خفیہ مراعات اور خوشنودی حاصل کرنے میں مصروف ہیں ۔ڈیڑھ سالہ کارگزاری سب کے سامنے پورے سال سانحوں، دہشتگردی، قتل و غارت کے واقعات اور وزراء کی کرپشن پر فوج اور عدلیہ کی خاموشی حیران کن ہیں ۔ سابق چیف جسٹس کے دور میں کم از کم دادرسی تو مل جاتی تھی جو اب ناپید ہو چکی ہے ۔زندہ لوگوں کو آگ میں جلا کر مذہب کی آڑ میں پنجاب میں تو ایک کھیل بن چکا ہے جو ہر 2 ماہ میں دوہرایا جا رہا ہے ۔صرف وزیراعلیٰ پنجاب کے بیان کا نوٹس لیا گیا ہے، انکوائری کمیٹی بنادی گئی ہے ۔آج تک ایک رپورٹ بھی سامنے نہیں لائی گئی جس سے وزیراعلیٰ پنجاب کی نااہلی ثابت ہو سکے ۔اس ڈیڑھ سال میں صرف ہمارے نوجوان کرکٹروں نے آسٹریلیا جیسی مضبوط ترین ٹیم کو شکست دے کر قوم کا مورال بڑھایا ہے ۔ ہمارے حکمرانوں کو ان کی فتح پر کوئی خوشی نہیں ہوئی ۔ کم از کم مصباح الحق کو ہی قومی اعزاز سے نوازہ جاتا تا کہ ہماری ٹیم کے حوصلے مزید بلند ہوتے ۔

قومی ایئرلائن کا تیاپانچہ

قوم کو مسلم لیگ (ن) کی حکومت سے بہت جلد ایک دھماکہ خیز خبر سننے کے لئے تیار رہنا چاہئے کہ وہ ہماری قومی ایئرلائن یعنی پاکستان انٹرنیشنل ایئرلائنز کا تیا پانچہ ہونے والا ہے۔ لفظ تیاپانچہ دلی والوں کی زبان میں اردو کا بہت ثقیل لفظ ہے جس کے معنی بے ڈھنگے طریقے سے کسی بھی کام کو ختم یا تکمیل کرنے کو کہتے ہیں۔ آج سے 4 پانچ سال پہلے جب پی پی پی کی حکومت تھی تو پی آئی اے کے چیئرمین صدر آصف علی زرداری صاحب نے اپنے ایک دیرینہ دوست کیپٹن ہارون کو بنا کر پی آئی اے کو فروخت کرنے کا ٹاسک دیا جوانہوں نے ٹکڑوں میں فروخت کرنے کا منصوبہ بنایا۔ پہلے پی آئی اے بہترین کمائی والے روٹس ترکش ایئرلائنز والوں کے ہاتھوں فروخت کئے تو اس وقت مسلم لیگ (ن) کی حمایتی یونین ایئر لیگ نے ہڑتال کرائی۔ تمام اسٹیشن کے ملازمین بشمول پی پی پی کی حمایتی یونین نے بھی اس کا ساتھ دیا۔ جب اوپر تلے فلائٹس منسوخ ہونے لگیں تو پورا پاکستان مفلوج ہو گیا۔ مسلم لیگ (ن) کے رہنماؤں بشمول میاں نواز شریف نے پارلیمنٹ کے باہر پی آئی اے کے

ملازمین کے جلسے سے خطاب کرنے کے ساتھ ساتھ اعلان کیا کہ ان کی زندگی میں کسی نے پی آئی اے کی طرف بری نگاہوں سے دیکھا تو اس کی آنکھیں نکال لی جائینگی۔ ایک ماہ تک انتظامیہ اور کارکنان کے درمیان کشمکش چلتی رہی اور آخر کار انتظامیہ نے ہتھیار ڈال دیئے اور وہ روٹس کا معاہدہ منسوخ کرنا پڑا اور چیئرمین کو بھی استعفیٰ دینا پڑا، تب جا کر کارکنان کی جان میں جان آئی اور پی آئی اے فروخت ہوتے ہوتے بچ گئی۔ یہاں قوم کی معلومات میں اضافہ کرتا چلوں کہ یہ وہی ترکش ایئرلائنز ہے جس کو 70 کی دیہائی میں ہماری قومی ایئرلائنز نے نئے ڈیزائن کر کے مکمل ایئرلائنز کا درجہ ہی نہیں دلوایا بلکہ مقامی پائلٹس بھی ٹرینڈ کیئے۔ اس سے پہلے ترکش ایئرلائنز میں صرف ترکش فوجی ایئر پائلٹس ہوتے تھے۔ یہی نہیں اس قومی ایئرلائنز کی 60 کی دیہائیوں میں دنیا کی 10 بڑی اور بہترین ایئرلائنز میں شمار ہوتا تھا۔ اس نے مالٹا ایئرلائنز سپین بیلجیم کی ایئرلائنز، سنگاپور ایئرلائنز، سعودیہ ایئرلائنز کے علاوہ صرف 25 سال پہلے ایمریٹس ایئرلائنز کو نہ صرف ٹریننگ دی بلکہ اپنے 3 جہاز بھی لیز پر دیئے۔ اس وقت ہمارے پاس 55 جہاز بہترین حالت میں تھے۔ ان تینوں جہازوں سے ایمریٹس ایئرلائنز نے U.A.E کی پہلی پرائیویٹ ایئرلائنز کا درجہ حاصل کر کے آج 500 جہازوں سے پوری دنیا کی روٹس تشکیل دے کر اپنے آپ کو پہلے 10 کامیاب ترین ایئرلائنز میں شامل کروالیا ہے اور آج ہم بمشکل سے 30 جہازوں کی فلیٹس جس میں اکثر ناکارہ جہازوں سے کام چلا رہے ہیں اور ہمارے روٹس سکڑ سکڑ کر گلف تک رہ گئے ہیں۔ ایک آدھ

فلائٹ یورپ، امریکہ اور کینیڈا جا رہی ہے۔ کراچی سے صرف ایک فلائٹ چھوٹے جہاز سے رات کو دبئی جاتی ہے، وہ بھی آدھی خالی جبکہ صرف کراچی سے یہی ایمریٹس ایئرلائنز 777 جمبو جہاز سے 7 فلائٹیں بھر کر روزانہ آتی جاتی ہیں۔ 70 کی دیہائی میں دبئی ایئر پورٹ پر نان ایئر کنڈیشن لاؤنج کراچی ایئر پورٹ سے بھی چھوٹا ہوتا تھا جس پر صرف 4 ایئرلائنز اترتی تھیں۔ اُس کی چھتیں، نان ایئر کنڈیشن کمرے ایسبس ٹاس کی شیٹوں سے بنا ہوا تھا۔ پورا عملہ پاکستانی ہوتا تھا، معمولی ڈیوٹی فری شاپس ہوتی تھیں۔ ایئر پورٹ پر صرف 3 پرانی ٹائپ کی بسیں مسافروں کو جہاز سے لانے، لے جانے کی لئے استعمال ہوتی تھیں۔ فلائٹس اناؤنسمنٹس اردو اور انگریزی میں ہوتی تھیں۔

ایک مرتبہ پی آئی اے سے لندن جاتے ہوئے دبئی میں ٹرانزٹ میں اترا تو ایئر پورٹ میں گرمی کی شدت برداشت نہیں کر سکا تو پی آئی اے کے عملہ سے واپس جہاز میں جب جانے کے لئے کہا تو اُس نے بتایا دبئی سول ایوی ایشن کے پاس تین پرانی بسیں ہیں۔ جب تمام مسافر اتر جائیں گے تو تب آپ واپس اپنے جہاز میں جا سکتے ہیں۔ لاچار ہو کر 1 گھنٹہ اس گرمی کا مقابلہ کرنا پڑا کیونکہ ایئر پورٹ نان ایئر کنڈیشن تھا۔ جبکہ کراچی ایئر پورٹ سینٹرلی ایئر کنڈیشن ہوتا تھا۔ جس پر دنیا بھر کی تمام کی تمام ایئرلائنز اترتی تھیں۔ آج کوئی امریکن، کینیڈین، یورپی ممالک کی ایک بھی فلائٹس کراچی ایئر پورٹ پر نہیں اترتی۔ اب واپس پی آئی اے کی طرف آتا ہوں۔ سنا ہے کہ پی آئی اے 4 ارب ڈالرز یعنی 1440 ارب روپے کا مقروض ہو چکا ہے۔ اس کی اثاثوں

میں سب سے اہم نیویارک کا ایک سب سے بڑا ہوٹل ہے۔ اس کے علاوہ 6 ہوٹل اور بھی ہیں۔ میاں صاحب کی اب کاروباری نگاہیں ان ہوٹلز سمیت قومی ایئرلائن کی دیگر اثاثوں پر لگی ہوئی ہیں۔ پی پی پی کے ہاتھوں بچ جانے والے تمام اثاثے اب دوبارہ برائے فروخت ہیں۔ ان کو اب پارلیمنٹ میں پی پی پی کی آشیر باد کی بھی ضرورت نہیں ہے۔ خود ان کی حمایت یافتہ یونین برسرِ اقتدار ہے۔ اس کو بھی در پردہ خریدا جا چکا ہے۔ پی پی پی حمایت یافتہ یونین میں دم خم نہیں ہے، کبھی قطری شہزادوں کا ذکر ہوتا ہے تو کبھی سعودی شاہی خاندان کو در پردہ خریدار ظاہر کیا جا رہا ہے۔ مگر عملاً ماضی کی مسلم لیگ کی طرح اپنے قریبی پارٹنر دوست میاں منشاء کا نام میدان میں آ چکا ہے۔ راحیل شریف کے جانے کے بعد خوف کے بادل چھٹ چکے ہیں۔ 2 متحرک چیف جسٹس صاحبان کی سبکدوشی سے عدلیہ کی طرف سے بھی میدان صاف ہو چکا ہے۔ غالباً تمام کاغذی کاروائیاں بھی مکمل کر لی گئیں ہیں۔ اب کوئی معجزہ ہی پی آئی اے کی نجکاری کو روک سکتا ہے۔ یہ دنیا کا واحد ملک ہے جس نے تمام کامیاب بینک، انشورنس، تجارتی منافع بخش بجلی گھر، ٹیلی کمیونیکیشن معمولی قیمتوں میں فروخت کر ڈالے۔ حتیٰ کہ بہت سے اداروں کی تو پورے پیسے بھی وصول نہیں کر سکے۔ آج وہ کھربوں روپے کما کر اپنے نئے مالکان کو نفع پہنچا رہے ہیں۔ صرف پی آئی اے پر خسارے کا لیبل لگا کر اس کی ناکام کارکردگی کا سہارا لے کر اس کو آخری انجام یعنی تیاپاچہ کرنے کی مکمل تیاریاں کر لی گئی ہیں۔ قوم بے حس اور پی آئی اے کی انتظامیہ عاجز ملازمین کو آنے والے نئے مالکان کا

نوکریوں سے برطرف نہ کرنے کا جھانسہ جو ماضی میں دیگر اداروں میں دیا گیا تھا بعد میں نئے مالکان نے گولڈن شیک ہینڈ ایک نئی اصطلاح نکال کر نوکروں کا فارغ کر کے نئے افراد کی بھرتی سے ادارے منافع بخش کرانے کا ہنر پھر دوہرایا جائے گا۔ کسی میں دم خم نہیں جو میاں صاحب کو اس نجکاری سے روک سکے۔ **قوم کا اللہ حافظ ہے۔**

قوم کو صرف ایک رہبر کی ضرورت ہے

گورنر پنجاب جناب چودھری محمد سرور صاحب کے ڈیڑھ سال سیاسی خدمات کے بعد بوجہ علالت گورنر ہاؤس سے کوچ کر گئے مگر جاتے جاتے یہ بھی بیان دے گئے کہ ان کا شریف برادران سے یا مسلم لیگ (ن) سے کوئی اختلاف نہیں ہے گورنر صاحب کا نام گرامی اکثر جب بھی میں لندن آتا تھا دوستوں کی زبانی سناتا رہتا تھا ہمیشہ انکی پاکستان سے دلی وابستگی خود اپنی نیک نامی پاک دامنی جو آج کہ دور میں ناپید ہے سن کر خوش ہوتا تھا کہ چلو کوئی تو ہے جو دیارِ غیر میں پاکستان کا نام بحیثیت تاجر، صنعت کار اور سیاست دان خوب روشن کرنے میں معروف بے داغ شخصیت کے مالک ہیں اگر چہ گذشتہ پچیس تیس سالوں میں ملاقات تو نہیں ہوسکی تھی مگر دل میں خواہش تھی کہ ملاقات ہو مگر کبھی میری مصروفیت اور کبھی انکی مصروفیت اور کبھی وقت کی کمی نے ہم دونوں کو ایک دوسرے سے دور رکھا پھر چودھری صاحب گورنر پنجاب بن گئے یہ تو ہر شخص کو علم تھا چودھری صاحب اور میاں برادران کی آپس میں بہت پرانی دوستی ہے جو عرصہ دراز سے چلی آرہی ہے مگر کسی بھی موڑ پر یہ احساس نہیں ہوتا تھا کہ میاں

برادران چودھری سرور کو اپنی سیاست میں جگہ دیں گے کیونکہ دونوں کی سیاست ترازو کے پلڑے کی طرح مل سکیں گے دونوں کی سیاست ایک دوسرے سے بالکل مختلف تھی برطانیہ میں سیاست دان کا سب سے پہلے ایماندار لالچ وطمع سے پاک غلط ذرائع سے کسی کو کیا اپنے آپ کو بھی فائدہ پہچانے کا سوچنا گناہ اور غیر قانونی سمجھا جاتا ہے جبکہ میاں صاحب اور خصوصاً پاکستان میں سیاست دان کی ناکامی کے لئے ایمانداری اور غیر جانبداری ہی کافی ہے اوّل تو آپ کو کوئی آگے نہیں لائے گا اگر کسی بھی طرح کوئی غلطی سے آگے لے بھی آیا تو تمام خودغرض دوست رشتہ داروں کا مجمع لگ جائے گا اور ہر طرف سے غلط کام کرنے کرانے اور دونوں ہاتھوں سے مال بٹورنے کا مشورہ دیا جائے گا اگر آپ نے ان تمام ناجائز مشوروں کو ماننے سے انکار کیا تو پہلے سمجھایا جائے گا پھر دھمکایا جائے گا اگر آپ پھر بھی باز نہیں آئے تو ایک ایسا منفی پروپیگنڈہ کیا جائے گا کہ آپ کو خود سے نفرت ہونے لگے گی آپ کے اپنے گھر والے خود آپ کے دشمن بننا شروع ہو جائیں گے رشتہ دار بھی آپ کے خلاف اس بات کو جواز بنا کر آپ کو ہر طرف سے گھیریں گے ممکن ہے کہ خود آپکی فیملی کے افراد ہی آپ سے رشوت لینے، غلط کام کرنے کا سختی سے مطالبہ بھی کریں گے مہنگائی اور کامیاب مستقبل کا جھانسا دیں خود آپ کو میدانِ سیاست میں لانے والے غلط کام نکلوانے کے لئے دباؤ بھی ڈالیں گے اور اپنا آلہ کار بننے پر مجبور کریں کہ آج کے دور کو غنیمت سمجھ کر دونوں ہاتھوں سے خود بھی جیبیں بھریں اور ان کا بھی بھلا کریں اور تو اور آپ کے ماتحت سرکاری افسران خود آپ کو مجبور کریں

گے، دباؤ بھی ڈالیں گے خوشی خوشی مشورہ بھی دیں گے بھائی آپ اگر نہیں کھا سکتے تو کم از کم ہماری روزی پر تو لات نہیں ماریں ہمارے بھی بال بچے ہیں ہم نے انکو اچھی تعلیم دلوانی ہے جو بہت مہنگی ہے رہائش اور دیگر رشتہ داروں کا بھی بوجھ ہے وغیرہ وغیرہ نتیجتاً اگر آپ پھر بھی ٹس سے مس نہیں ہوئے تو آپ کے خلاف غلط الزامات لگا کر آپ کو استعفے پر مجبور کر دیا جائے گا جب سرور صاحب نے گورنر کے لئے حامی بھری تھی تو سب حیران تھے کہ کہاں ایسا اصول پسند ہماری غیر اصولی کرپٹ سیاست کے سامنے وہ کیسے ٹھہر سکیں گے۔

کیسے ڈیڑھ سال تک انہوں نے کرپشن کو اپنے دائیں بائیں اوپر نیچے گزرتے دیکھا ہوگا وہ بھی تخت، لاہور بدنام زمانہ کلچر جس پر ایک چوتھائی صدی سے صرف دو خاندان آگے پیچھے قابض ہیں اور عوام کے سیاہ وسفید کے مالک بنے ہوئے ہیں میاں برادران اور چودھری برادران کے بعد چودھری سرور کہاں ضرورت کے تحت فٹ ہو سکتے تھے تعجب ہر کسی کو ہے کہ میاں برادران نے کیسے ڈیڑھ سال انکی نصیحتیں سنی ہونگی یا یوں کہئے ڈیڑھ سال کیسے چودھری سرور صاحب نے ان حالات سے مقابلہ کیا ہوگا۔میری چند ماہ قبل صرف ایک ملاقات ہمارے مشترکہ دوست منیر احمد خان ایڈوکیٹ کے ذریعہ میری کتاب صوبے کیوں ضروری ہیں کی لاہور میں رونمائی کے موقع پر جناب طاہر خلیق اور جناب سہیل وڑائچ صاحبان کی موجودگی میں گورنر ہاؤس لاہور میں ہوئی تھی جناب گورنر صاحب نے صبح کے ناشتے پر ہم تینوں صاحبان کو مدعو کیا تھا بہت سادہ سا ناشتہ بغیر روایتی لاہوری پائے، نہاری، مرغ چھولے بغیر مرغن کڑاہی

مغز، کٹا کٹ بہت سادہ سی ٹیبل جس پر پھل، سلاد، انڈے اور پر خلوص شفقت
سے ہم سب ڈیڑھ گھنٹے تک میز پر سیاسی گفتگو کی جس میں عوام کی بد حالی
حکمرانوں کی لاپروائی کے موضوع کے سواء کچھ نہیں تھا جو گورنر صاحب درد
مندی سے پاکستان آ کر گنوار ہے تھے اور یہ بتار ہے تھے ہمارا پاکستان جس
میں خدا نے سب کچھ دے رکھا ہے ہم کس بے دردی سے لٹار ہے ہیں وہ گورنر
ہوتے ہوئے بھی کچھ نہیں کر سکے جو وہ پاکستان آنے سے پہلے اپنا کاروبار
شہریت خوش گوار لندن کی یادیں جہاں انہوں نے غیروں کے لئے گزاریں
تھیں اس کا ثمر وہ پاکستانی بھائیوں کو لوٹانا چاہتے تھے تا کہ یہاں تعلیم سب کے
لئے غربت دور ہو علاج معالجہ جو غیر مسلم ملک میں آج میسر ہے کو یہاں بھی
ممکن بنایا جائے لوٹ مار کرپشن دہشت گردی کا خاتمہ ہو قوم جہالت سے نکلے
عوام کو ان کے حقوق ملیں ملک کو جمہوری طریقہ سے چلایا جائے یہ سب کچھ
سوچ کر انہوں نے میاں برادران کا ساتھ دیا تھا یہ باتیں کہہ کر وہ اپنی ناکامی کا
اعتراف ہم سب کے سامنے برملا کر رہے تھے اور ایسا لگ رہا تھا کہ وہ اب
اقتدار کی کرسی کو چھوڑنا چاہ رہے ہیں اتنے بڑے لمبے چوڑے گورنر ہاؤس میں
بھی وہ تنہا تنہا سے لگتے تھے گویا وہ وقت کا ساتھ نہیں دے سکتے یا وقت ان کی
تمناؤں کو ساتھ لیکر چلنے سے قاصر ہے آخر وہی ہوا انہوں نے اپنے آپ کو کوئی
داغ لگائے بغیر گورنر ہاؤس کو الوداع کہنے میں اپنی عافیت جانی اور جاتے
جاتے یہ کہہ کر بھی کہ میاں برادران سے کوئی اختلاف نہیں ہے اخلاقیات کی
آخری حد بھی نباہ دی۔ کاش وہ ڈیڑھ سال کے سفر کو خلوص دل کے ساتھ قوم کو

آگاہ کریں قوم مایوس نہیں ہے ہرگز ہرگز نہیں ہے اُس کو رہبر نہیں مل سکا اس
لئے ایسا محسوس ہوتا ہے۔ آپ نے لندن کی سیاست دیکھی اب ڈیڑھ سال
پاکستان کی سیاست بھی اپنی کھلی آنکھوں سے ایوانِ سیاست میں بیٹھ کر دیکھی
آپ سے زیادہ کون محبّ وطن پاکستانی ہوسکتا ہے وہ جو یہاں آ کر لوٹنے کی
سیاست کرتا ہے یا وہ جو اپنا سب کچھ لٹا کر واپس پاکستان آیا ہے۔ میری آپ
سے درخواست ہے خالی ہاتھ واپس نہیں جائیں آپ سمجھ دار بھی ہیں اور درمند
دل بھی رکھتے ہیں پاکستان کے غریب عوام پر بھروسہ کریں دل کھول کر سیاست
کیجئے عوام آپ کو کندھوں پر بٹھا کر اقتدار میں لائیں گے صرف مخلص ساتھیوں
کو جمع کیجئے اچھے اور بُرے آپ سب کو دیکھ چکے ہونگے کسی سیاسی جماعت کی
طرف غلطی سے بھی نہیں جایئے گا اپنے خدا پر بھروسہ کیجئے پاکستان کا مستقبل
تابناک ہے صرف ایک سچے محبّ وطن رہبر کی ضرورت ہے میاں صاحبان
آپ کو لائے تھے ان کا یہ احسان بھی قوم پر رہے گا۔ آپ پورے پاکستان سے
صرف دو ہزار مخلص ساتھی جن کا تعلق تمام پڑھی لکھی محبّ وطن اشرافیہ سے ہو
جن میں عدلیہ، وکلاء، سابق چیف جسٹس جن کا ماضی بے داغ ہو ڈاکٹرز،
پروفیسر، انجینئرز، تھنک ٹینکس صنعت کار، مزدور کسان، سائنس دان مخلص
برادری غرض ہر طبقہ سے ہو مگر زمیندار، وڈیرہ، جاگیردار، چودھری، نواب زادہ
، خان زادہ وغیرہ وغیرہ اور سابق سیاست دانوں اور ان کے خاندانوں سے نہ
ہو جیسا کہ بھارت میں ہے عام آدمی پارٹی کی طرح سادہ اور بے غرض ہو۔
ہمارے 20 کروڑ عوام کا صحیح ترجمان ہو اور انکی صحیح معنوں میں پاکستانی قوم کی

تکالیف ختم کر سکے۔ اگر آپ نے ایسا کیا تو آپ اس صدی کے ڈاکٹر مہاتیر محمد، سنگاپور کی شخصیت لی کان یو (Lee Kuan Yew) اور چائنا کے ماؤزے تنگ اور ہمارے جناح ثانی بن کر قوم کو گرداب سے نکال سکتے ہیں۔

کون رہبر کون رہزن

ہال کھچا کھچ مرد، خواتین اور بچوں سے بھرا ہوا تھا۔ باہر تیز بارش ہو رہی تھی، دراصل صرف چند منٹ پہلے بڑی موسلا دھار بارش شروع ہو گئی تھی۔ حالانکہ محکمہ موسمیات کی پیشن گوئی کے مطابق آج سارا دن دھوپ کے چھانے کی اطلاعات عوام تک پہنچائی گئیں تھیں۔ جس کی وجہ سے چھتریاں بھی ساتھ نہیں رکھی تھیں۔ اتنے میں ہال کا مین دروازہ کھلتا ہے ایک سوٹ میں ملبوس، سوٹ پر ایک جھالر لٹکائے تنہا شخص پانی سے بھیگا اندر داخل ہوتا ہے۔ پورا ہال اس کے احترام میں کھڑے ہو کر تالیاں بجاتا ہے۔ یہ شخص خندہ پیشانی سے سب کے سامنے جھک کر سلام کرتا ہے، پہلے انگریزی پھر اردو میں۔ یہ کینیڈا کے شہر مارکھم کے میئر ہیں جو تنہا گاڑی چلا کر مارکھم فلیٹو آڈیٹوریم پہنچے تھے۔ خود پارکنگ میں گاڑی کھڑی کی، بارش سے بھیگتے بھاگتے دوڑ کر عمارت میں داخل ہوتے ہیں۔ چند منٹ دیر سے آنے کی وجہ بھی بارش میں ٹریفک میں پھنسنے کی وجہ بتا کر اپنی کرسی پر بیٹھ جاتے ہیں۔ میئر کا اسٹاف اب باقاعدہ کاروائی شروع کرنے کا اعلان کرتا ہے۔ ایک خوبصورت لڑکی آج کے اس غیر رسمی اجتماع کی

وجہ بتاتی ہے۔ اول راقم کی کتاب "صوبے کیوں ضروری ہیں" کی تقریب رونمائی اور دوسرے نمبر پر مارکھم ہسپتال کے لئے چندہ جمع کرنا تھا۔ اس کتاب کی رونمائی میں خصوصی طور پر ٹورنٹو میں پاکستان کے قونصل جنرل عزت مآب جناب زکریا نفیس صاحب شریک تھے اور ایک بہت بڑی تعداد پاکستانی کینیڈین، اردو، پنجابی اور انگریزی بولنے والوں کی تقریب میں مدعو تھی جس کے دعوت نامے خود مارکھم کے میئر کے دفتر سے مقامی پاکستانی باشندوں کو جو مارکھم میں کافی تعداد میں آباد ہیں بھیجے گئے تھے۔ جو خود پاکستان اور میرے لئے اعزاز کی بات تھی۔ اس تقریب کی صدارت خود میئر مارکھم جناب فرینک سپائی صاحب کرر ہے تھے اور قونصل جنرل جناب زکریا نفیس صاحب مہمان خصوصی تھے۔ اسٹیج کے فرائض تسلیم الٰہی زلفی صاحب ادا کر رہے تھے۔ تقریب کا آغاز تلاوت کلام پاک سے اور پھر کتاب پر تبصرہ جناب زلفی صاحب نے پیش کیا۔ قونصل جنرل صاحب نے بھی کتاب سے اقتسابات پڑھے اور نئے صوبوں کی افادیت پر زور دیا۔ ایک مقرر مقامی پاکستانی سابق ایم پی اے خالد عثمان صاحب جو بہت فعال شخصیت ہیں، خاص کر میئر اور پاکستانی کمیونٹی کے درمیان پل کا کام انجام دیتے ہیں۔ انہوں نے بھی تقریر کی، سب سے آخر میں مارکھم کے میئر نے کہا کہ میں اس کتاب کو تو نہیں پڑھ سکا کیونکہ یہ اردو میں لکھی گئی ہے۔ البتہ اس کی افادیت جو دیگر مقررین نے بیان کی ہیں وہ یقیناً پاکستان کی ترقی کے لئے دنیا کے دیگر ممالک کی طرح زیادہ سے زیادہ سہولیات پہنچانے کے لئے صوبے بنانا ضروری ہیں۔ جیسا کہ کینیڈا میں 10

صوبے ہیں جو بہت فعال کردار ادا کرر ہے ہیں اور 33 ڈسٹرکٹ کاؤنٹی ہیں۔ جبکہ کینیڈا کی آبادی ساڑھے 3 کروڑ ہے اور 1250 ارب ڈالر کی ایکسپورٹ ہے۔ صرف 60 فیصد انگریزی زبان بولی جاتی ہے، 40 فیصد دیگر زبانیں ہیں۔ پھر انہوں نے کینیڈا میں بسنے والی پاکستانی کمیونٹی کو خراج تحسین پیش کرتے ہوئے کہا کہ دیگر قوموں جو مارکھم میں آباد ہیں ان میں سب سے فعال پاکستانی کمیونٹی ہے جو شہر کے ہر معاملات میں میئر کی انتظامیہ سے تعاون کرتی ہے۔ انہوں نے تالیوں کی گونج میں کہا کہ اس کمیونٹی کا کرائم ریکارڈ صفر ہے اور بہت پڑھے لکھے باذوق افراد پر یہ کمیونٹی جانی پہچانی جاتی ہے اور ہمارے ساتھ ہر طرح سے تعاون کر کے مارکھم کی ترقی میں بھرپور کردار ادا کرتی ہے۔ اس کے بعد انہوں نے مارکھم میں بنے ہسپتال کی ایکسٹینشن کے لئے چندہ کی اپیل کی اور ایک حصہ صرف پاکستانیوں کے لئے مخصوص کرنے کا اعلان کیا۔ اس اعلان کے جواب میں پاکستانی کمیونٹی کے سرکردہ افراد نے بھرپور تعاون کا یقین دلایا اور کئی ملین ڈالرز کی اعانت کا اعلان بھی کیا۔ مارکھم کے میئر نے مجھے مارکھم شہر کی شیلڈ اور تعریفی کلمات پیش کیں۔ کیا ہمارے ملک میں ایک بھی میئر اتنی سادگی سے رہتا ہے اور عام پبلک میں آ کر گھل مل جاتا ہو۔ اس طرح آخر میں اس تقریب کے روح رواں جناب شاکر رحمت اللہ صاحب نے سب کا شکریہ ادا کیا اور ہائی ٹی سے تواضع کی۔ پاکستانی کمیونٹی کا کینیڈا میں اچھی پڑھی لکھی کمیونٹیوں میں شمار ہوتا ہے جس میں ڈاکٹرز، پروفیسرز، انجینئرز، آئی ٹی اسپشلسٹ، تاجر، صنعتکار، بلڈرز سرفہرست ہیں۔

کینیڈین حکومت بہت لبرل اور سوشل ہے۔ جہاں تمام قوموں، مذہب کی کھلی اجازت ہے، معاشرہ آزاد ہے۔ اپنی اپنی رسومات قانون کے دائرے میں رہ کر ادا کر سکتے ہیں۔ گذشتہ سال ٹورنٹو میں اہل تشیع نے پاکستان کی طرح علم و جلوس سڑکوں پر نکالے اور ماتم بھی کیا۔ خود میرے ایک دوست کے گھر کے قریب کمیونٹی سینٹر ہے جس میں اتوار کو گرجا میں عبادت ہوتی ہے اور ہر جمعہ کو جمعہ کی نماز مسلمان باجماعت ادا کرتے ہیں۔ کسی کو بھی اعتراض کرنے کا حق نہیں ہے۔ کیا ہمارے ملک میں ایسا ہوسکتا ہے، یہاں روز فرقہ وارانہ فسادات ہوتے ہیں۔ آئے دن شیعہ سنی علماء کو نشانہ بنا کر مذہب کو بدنام کیا جاتا ہے۔ یہ سب کچھ قانون کا مذاق بنا کر عوام کو بیوقوف بنایا جاتا ہے۔ صرف کہنے کو کہ قانون کے ہاتھ لمبے ہیں، مضبوط ہیں، وہ ہاتھ کہاں پائے جائے ہیں۔ اسلام آباد اس کا جیتا جاگتا ثبوت ہے۔ فوج اور عدلیہ دونوں ہی وہاں موجود ہیں مگر خاموشی سے تماشہ دیکھ رہے ہیں۔ ہم سب ایک قوم سے ہٹ کر ایک ہجوم میں تبدیل ہو چکے ہیں۔ اس ہجوم کو ہر کوئی بہکا رہا ہے اور دھکا لگا رہا ہے۔ کون رہبر ہے کون رہزن ہے۔ ہم 67 سالہ یوم آزادی پر بھی نہیں پہچان سکے اور شاید اب پہچاننا بھی نہیں چاہتے۔ جیسا تیسا نظام چل رہا ہے اسی کو غنیمت جان کر خاموش تماشائی بن چکے ہیں۔

سارک کا 18واں پھیکا اجلاس

قارئین کرام میرے سامنے آج کے اخبارات جمع ہیں اور ہر اخبار کے پہلے صفحے پر سارک کانفرنس کی خبریں اور تصاویر جلی سرخیوں کے ساتھ نمایاں ہیں۔ ایک تصویر ایسی بھی ہے جو اس کانفرنس کی ناکامی کی چغلی کھا رہی ہے اور وہ یہ ہے کہ ہمارے وزیر اعظم میاں محمد نواز شریف صاحب ڈائس پر خطاب کرنے جا رہے ہیں۔ جبکہ بھارتی وزیر اعظم نریندر مودی صاحب اخبار کا مطالعہ کر رہے ہیں اور ہمارے وزیر اعظم بھی ان کو نظر انداز کرتے ہوئے گزر رہے ہیں۔ دونوں بڑے ممالک کے وزراء اعظم کی ناراضگی نمایاں ہے۔ یہ سارک کانفرنس کا 18واں اجلاس تھا جو نیپال کے شہر کھٹمنڈو میں منعقد ہوا ہے اور نیپال کے وزیر اعظم اس کی صدارت اور میزبانی کر رہے ہیں۔ اپنی تقریر میں ہمارے وزیر اعظم صاحب نے بڑے دکھ سے کہا کہ کاش ہم آپس میں لڑنے کے بجائے جہالت اور غربت سے لڑ کر اس خطۂ جنوبی ایشیا سے اس کو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ختم کر دیں اور آپس میں سارک ممالک اعتماد بڑھائیں۔ صحت، تعلیم، سائنس، ٹیکنالوجی میں تعاون کریں۔ بھارتی وزیر اعظم نے حسب سابق اپنا پرانا سبق دوہرایا اور پاکستان پر دہشت گردی خصوصاً ممبئی اٹیک کا

ذکر کیا جس میں آج بھی وہ پاکستان کو ذمہ دار ٹھہراتے ہیں اور صرف ایک پاکستانی باشندہ اجمل قصاب کو پکڑ کر متنازعہ عدالت سے پھانسی دلوا چکا ہے۔ یاد رہے کہ اس واقعہ میں ایک اعلیٰ پولیس افسر (کدکرے) خود بھارتی پولیس کی دہشت گردوں کی فائرنگ کے دوران ان کی اپنی پولیس کے ہاتھوں مارے گئے ۔ آنجہانی ایک ایماندار پولیس افسر تھے جو خود اپنی پولیس کی کارکردگی سے نالاں تھے اور ان کے خلاف انکوائری کر رہے تھے۔ قیاس یہی ہے کہ پولیس نے اپنی ناکامی کو چھپانے کے لئے اور اپنے خلاف انکوائری کی رپورٹ آنے سے قبل ہی انہیں راستے سے ہٹا دیا ہوگا۔ ایسے ہی اچھے اچھے خیالات دیگر سارک ممالک کے سربراہان نے اپنے اپنے خطابات میں ماضی کی طرح دوہرائے۔ اس میں صرف ایک اضافہ بھارتی وزیر اعظم نے یہ کیا کہ بھارت تجارتی ویزوں کی معیاد 3 سے 5 سال ملٹی پل نوعیت کے جاری کرنے کے لئے تیار ہے۔ بشرطیکہ دیگر ممالک بھی ایسا ہی کریں مگر حقیقت یہ ہے کہ نریندر مودی کے آنے سے قبل کانگریس سرکار نے کافی آسانیاں تجارتی ویزوں میں پیدا کر دی تھیں جس میں فوری ویزوں کا اجراء بغیر رپورٹنگ اور ایک سال کا ملٹی پل ویزے کی سہولتیں فراہم کیں اور 60 سال سے زائد عمر والے مرد و خواتین واہگہ سرحد سے بغیر پیشگی ویزے بھارت آ جا سکتے ہیں۔ مگر بی جے پی کے آنے کے بعد اب تجارتی ویزوں کا اصول بہت تکلیف دہ مراحل سے گزار کر مہینوں کے دورانیے کے ساتھ ساتھ بغیر وجہ بتائے درخواستیں رد

کرنے کا رواج ہو گیا ہے۔ تاکہ خصوصاً زائرین کم سے کم بھارت جائیں، مزید ستم ظریفی تو دیکھئے، خود سارک ممالک کے اسٹیکرز، ویزے جو غیر محدود ہوتے تھے ایک سال تک کی مدت اور بغیر رپورٹنگ پورے ملک کے لئے ہوتے تھے۔ جو آہستہ آہستہ پہلے مرحلے میں سفر کی تعداد 100 ویزوں تک محدود کیے گئے پھر 6 ماہ اور 5 شہروں تک ملٹی پل اور آج کل 3 ماہ کی مدت اور 3 شہروں تک محدود کر کے خود اپنی سیاحت کی راہیں بند کر دیں۔ اس کانفرنس کی ایک خوبی یہ بھی تھی کہ ہمارے دونوں سربراہ مملکت ایک ہوٹل میں ہونے کے باوجود دیگر تمام سربراہان سے تو ملے، خوش گپیاں بھی کیں مگر آپس میں علیک سلیک بھی کرنا گوارا نہیں کیا۔ پاکستان کے سربراہ نے وجہ یہ بتائی کہ چونکہ بھارت کی طرف سے وزراء خارجہ کی کانفرنس بغیر وجہ بتائے ملتوی کی گئی تھی لہٰذا اب بھارت کو پہل کرنی چاہئے اور بھارتی وزیر اعظم سارک ممالک کی فہرست میں چین کو نہ شامل کرنے پر اصرار کرتا رہا ہے جس کو بھارت ناپسندیدگی کی نگاہ سے دیکھتا ہے۔ اس کی ایک وجہ تو بھارتی اجارہ داری ختم ہوتی ہے، دوسرا چین پاکستان کا بہترین ہمدرد اور دوست سمجھا جاتا ہے۔

قارئین دنیا کی تقریباً آدھی آبادی اس خطۂ جنوبی ایشیا کی ہے جو جہالت، غربت، افلاس، بیماریاں، دہشت گردی کی لپیٹ میں ہیں۔ ان تمام ممالک کے حکمران کرپشن میں بھی ملوث رہے ہیں جن کو اپنی عوام سے کم اپنے اقتدار اور دولت کی ہوس سے پیار ہے۔ اسی وجہ سے ترقی کے میدان میں بہت پیچھے

ہے۔ آپس میں بھی ایک دوسرے سے تعاون کے بجائے جوڑ توڑ کی سیاست کرتے ہیں۔ عوام کے مسائل پر ان کی توجہ بالکل نہیں ہے اور اسی وجہ سے سارک ممالک میں ہم آہنگی اور تعاون کا فقدان ہے۔

حتیٰ کہ تجارتی اور سیاحتی آسانیاں تک میسر نہیں ہیں۔ اس وجہ سے ان ممالک کے عوام ایک دوسرے سے قطعی ناآشنا ہیں۔ انہوں نے عرب ممالک کی تنظیم جی سی سی سے کوئی سبق نہیں سیکھا جس کی بدولت خلیج کی تمام ریاستوں میں آپس میں آنے جانے کا ویزہ ختم کر دیا گیا ہے۔ حتیٰ کہ ایک دوسرے کے ملک میں تجارت میں ڈیوٹیاں بہت حد تک ختم کر کے سرمایہ کاری کی آزادی ہے۔ جو ماضی میں ہرگز نہیں تھی۔ خاص طور پر جب ان ممالک میں تیل، گیس اور معدنیات کے ذخائر دریافت نہیں ہوئے تھے، یہ ہم سے بھی کہیں زیادہ غربت، افلاس اور جہالت کی زندگی گزار رہے تھے۔ مگر آج یہ ہر چیز میں خود کفیل ہو چکے ہیں، مگر سارک کے 18 کے 18 اجلاس جن پر اربوں ڈالر خرچ ہو گئے صرف سربراہان کی سیر و تفریح، تقاریر، گفتن، نشستن، برخاستن تک محدود رہے۔ یہ دنیا کی ترقیوں پر آنکھ بند کیے ہوئے ہیں۔ عوام کی فلاح و بہبود تو کجا صاف اور میٹھا پانی گیس اور بجلی تک مہیا کرنے میں ناکام رہے۔ انہوں نے یورپی یونین ممالک کی تنظیم سے بھی کچھ حاصل نہیں کیا جنہوں نے اپنی اپنی کرنسیوں کو ختم کر کے امریکن ڈالر کے مقابلے میں یورو بنا کر ڈالر کو پیچھے چھوڑ دیا۔ آج وہ تمام سرحدی پابندیوں سے آزاد بغیر ویزے ایک دوسرے کے قریب آ چکے ہیں۔ ان کی ترقی قابل رشک، تعلیمی معیار، رہن سہن، ہمارے لئے خواب

سے زیادہ نہیں۔ جن کے عوام بنیادی تعلیم، صحت اور آمدنی میں ہم سے کہیں آگے جا چکے ہیں اور حکومتیں ان کو سہولتیں پہنچانے میں کوئی دقیقہ نہیں چھوڑتیں۔ ان میں کئی ممالک نے تو جیلیں ختم کر کے ان کو ہسپتالوں اور درسگاہوں میں تبدیل کر کے مجرموں کو سزا دینے کے بجائے تربیتی کورس شروع کروا کے مہذب شہری بنانے میں اہم کردار ادا کیا ہے۔ ذرا سوچئے کہ ہم نے سارک بنا کر عوام کے لئے کیا کیا؟ جاتے جاتے ہمارے وزیر اعظم صاحب نے اگلے اجلاس کی میزبانی کی بھی دعوت دے دی، کیا یہ اجلاس واہگہ کے بارڈر پر منعقد ہوگا؟ جو روزآنہ جھنڈا اتارنے کی تقریب میں ہمارے سپاہی زور سے زمین پر پاؤں مار کر غصہ سے بھارتی سپاہیوں کی طرف دیکھتے ہیں، یہی عمل دوسری طرف سے بھی ردِّعمل کے طور پر دیکھنے میں آتا ہے۔ بیک گراؤنڈ میں سینکڑوں پاکستانی شہریوں کو گرمانے کے لئے لاؤڈ اسپیکر سے ملی نغمہ "جنگ کھیڈ نہیں ہوندی زنانیاں دی" اونچی آواز میں بجایا جاتا ہے۔ کیا ایسے ماحول میں دونوں ممالک خیر سگالی کی توقع کر سکتے ہیں؟ آخری خبریں آنے تک دونوں سربراہان نے آپس میں مصافحہ تو کر لیا مگر کیا مصافحہ کرنے سے دل صاف ہو سکتے ہیں۔

صدر پاکستان سندھ کو دہشت گردوں کے حوالے کرنے سے بچائیں

پاکستانی قوم اپنے محسنوں کو کبھی فراموش نہیں کرتی البتہ ہمارے سیاستدان اور خودغرض اشرفیہ، بیوروکریٹس اس میں اپنا جواب نہیں رکھتے۔ مثلاً پرویز مشرف نے محسن پاکستان ڈاکٹر عبدالقدیر خان جنہوں نے پہلی اور آخری اسلامی مملکت پاکستان کو ایٹمی طاقت بنا کر پوری دنیا کو حیران کر دیا۔ تو امریکہ کے کہنے پر ان کو نظر بند ہی نہیں کیا اُن پر مقدمہ چلانے کی دھمکی دے کر ان سے اپنے مطلب کا بیان کہلوایا۔ اگر چوہدری شجاعت اس معاملے میں مداخلت نہ کرتے تو وہ حد سے گزر جا سکتے تھے۔ قوم کا دُکھ دیکھنے سے تعلق رکھتا تھا۔ کہ جب وہ سنتے تھے کہ ڈاکٹر عبدالقدیر خان صاحب نظر بند ہیں۔ اس کے برعکس بھارت نے ایک سابق مسلمان پاکستانی سائنسدان ابوالکلام جنہوں نے بھارت کو ایٹمی طاقت بنایا۔ جواب میں بھارتیوں نے اُن کو صدر بنا کر احسان اتار دیا اور دنیا کو باور کرایا کہ بھارت اپنے محسنوں کو نہیں بھولتا۔ اسی طرح جنرل راحیل شریف سابق چیف آف آرمی اسٹاف نے وہ کارنامے انجام دیئے جس سے

پوری دنیا عش عش کر اٹھی۔ امریکہ سمیت روس، خلیجی ممالک بشمول برطانیہ کی حکومتوں نے اُن کو خراج تحسین پیش کیا۔ اور انعام میں 39 مسلمان ملکوں کا فوجی سربراہ بنا کر قومی ہیرو کا درجہ دیا۔ اُن کے کارناموں میں دہشت گردوں کو پاکستان سے نکال باہر کرنے پر پوری قوم اُن کو اپنا ہیرو سمجھتی ہے۔ انہوں نے کراچی میں بھارتی ایجنٹوں، دہشت گردوں، متحدہ ٹارگٹ کلرز کا اس بے دردی سے صفایا کیا کہ کراچی کے عوام اُن کے اس احسان کو نہیں بھلا سکے۔ جو 2 دھائی سے اس صنعتی تجارتی شہر کو یرغمال بنائے ہوئے تھے اور ایک گھنٹے کے نوٹس پر پورے شہر کو مفلوج کر کے بڑے فخر سے دعویدار بنتے تھے۔ شہر کے سب سے بڑے منشیات اور اسلحہ فروشوں کی جنت لیاری جو رینجرز اور پولیس کے لئے نو گو ایریا بنا ہوا تھا۔ ایک ایک کر کے تمام بدمعاشوں کو ٹھکانے لگانے کا سہرا بھی انہی کو جاتا ہے۔ کراچی کے سب سے گھنے اسلحہ کے ڈپو لانڈھی، سہراب گوٹھ جہاں افغانیوں نے اپنے من مانی کر رکھی تھی۔ کراچی کے باشندوں کو اُن سے بھی رینجرز نے نجات دلوائی۔ اُن کے دور میں سب سے زیادہ کرپٹ سیاستدانوں، بیوروکریٹس پر ہاتھ ڈالا گیا، کھربوں روپے کے کرپشن کا سراغ لگایا اور سب کو گرفتار کر کے جیلوں میں ڈالا گیا۔ اُن کے ڈر سے بہت سے بیرون ممالک فرار ہو گئے۔ مگر جب وہ ریٹائرڈ ہو گئے تو اُن کے جانے کے بعد ہماری رینجرز، پولیس آہستہ آہستہ ڈھیلی پڑتی گئی۔ ایک ایک کر کے ملزمان ضمانتیں کروا کر باہر آ گئے۔ شہر کراچی میں پھر ڈھیرے ڈھیرے اسلحہ دکھا کر موبائل، گاڑیاں اور موٹر سائیکلیں چھننی شروع

ہوگئیں۔ بھتہ کی پرچیاں دوبارہ ملنے لگیں۔کراچی جو پوری ملک کے معیشت کا بوجھ اُٹھائے ہوئے تھا۔اب دوبارہ تباہی کے راستے پر جارہا ہے۔پولیس تو پہلے ہی ناکام تھی ۔اب ایک نئ مصیبت سندھ گورنمنٹ نے کھڑی کردی۔رینجرز جس نے امن قائم کیا تھا پہلے اُس کے اختیارات محدود کررکھے تھے۔اب سرے سے انکار کردیا۔اورسرکاری عمارتوں ،عدلیہ کے عمارتوں ،گورنرسندھ،چیف منسٹر سندھ کی رہائش گاہوں کی حفاظتوں تک محدود کردیا۔جس کا رینجرز نے انکار کرکے اپنے آپ کو بیرکس تک محدود رکھنے کا فیصلہ سنا دیا۔عوام جو اس فیصلہ سے ناراض تھے۔اب مایوسی کا شکار ہورہے ہیں۔ایک ہفتے قبل گورنرسندھ جن کا تعلق مسلم لیگ ن سے ہے۔انہوں نے اپنے آقا کو خوش کرنے کے لئے بلاضرورت جنرل راحیل شریف صاحب کو نشانہ ہدف بنا کر ایک معمولی جنرل کہا پھر کراچی کے امن کا کریڈٹ نواز شریف کو دینے کی کوشش کی اُس پر ہی بس نہیں کیا یہ کہہ دیا کہ کراچی میں اب امن قائم ہو چکا ہے۔لہٰذا رینجرز کی اب ضرورت باقی نہیں رہی ،رینجرز کو واپس بھیج دیا جائے۔رینجرز کی کاروائیوں سے پہلے سندھ حکومت کے وزراء کی اکثریت ان بھتہ خوروں،اغواء کرنے والوں کی سہولت کار تھی۔جس سے اُن کا حصہ بند ہو چکا ہے۔وہ نہیں چاہتے کہ سندھ میں خصوصاً کراچی میں امن قائم ہو۔اور عوام ڈر کر دوبارہ اُن کے اس گھناؤنے کاموں میں رکاوٹ نہ بنیں۔اور وہ دوبارہ بھتوں،اغواء کی وارداتیں کرکے عوام کو لوٹیں۔پولیس بھی اُن کو کرپٹ چاہئے۔اچھی شہرت رکھنے والے پولیس افسران کے خلاف پہلے

ہی محاذ بنا چکے ہیں۔اگر عدلیہ ساتھ نہ دیتی تو وہ بھی فارغ ہوچکے ہوتے۔سندھ کابینہ میں ایک فرد بھی ایسا نہیں ہے جو کراچی کی نمائندگی کا دعویٰ کرسکے۔جبکہ پورا ملک اس کی اقتصادی ترقی کا محتاج ہے۔اگر کراچی کو دوبارہ دہشت گردوں کے حوالے کردیا گیا تو پھر ہمارے صنعتکار،تاجر برادری،بڑے بڑے ڈاکٹرز،انجینئرز اور اُن کے خاندان دوبارہ اغواء برائے تاوان کے ڈر سے بیرون ملک جانے پر مجبور ہونگے ۔کراچی کے عوام یہ جاننا چاہتے ہیں۔کہ جب سندھ انتظامیہ امن وامان قائم کرنے میں 20 سال سے ناکام رہی تو دوبارہ اس شہر کو کیوں رینجرز سے واپس لیا جارہا ہے۔مرکزی حکومت کیوں خاموش تماشائی بنی ہوئی ہے ۔وزیرداخلہ کیوں امن پسند شہریوں کو جانتے بوجھتے دہشت گردوں کے دوبارہ حوالے کرنے کے معاملے کو سنجیدگی سے نہیں لے رہے۔کیا وہ چاہتے ہیں کہ عوام سڑکوں پر آکر رینجرز کے حق میں نعرے لگائیں۔جو حکومت شہر کی ٹوٹی سڑکیں،گٹر کے ڈھکنے ٹھیک نہیں کرواسکتی ۔پورا شہر کچرا کنڈی بنا ہوا ہے۔گرمی شروع ہوتے ہی بجلی کا نظام درہم برہم ہے ۔سندھ حکومت الگ ٹیکس وصول کرتی ہے۔مرکزی حکومت ایک درجن سے زائد ٹیکس اس سے وصول کرتی ہے۔اگر وہ عوام کی حفاظت نہیں کرسکتی ۔صرف رینجرز اور فوج سے دہشت گرد،ڈاکو،چورا چکے ڈرتے ہیں وہ پولیس سے نہیں ڈرتے ،کیونکہ پولیس مک مکا کرکے ان کے حوصلے بڑھادیتی ہے ۔کیا آپ چاہتے ہیں کہ ہمارے بچوں کے اسکولوں میں گرنیڈز دوبارہ پھٹیں؟ مائیں بچوں کو اسکول بھیجنے سے ڈریں۔عوام کو بتایا جائے کہ نئے آرمی چیف

اس میں ماضی کے چیف آف آرمی اسٹاف جنرل راحیل شریف صاحب کی طرح مداخلت کرکے بروقت رینجرز کو کاروائی نہ روکنے کا حکم کیوں نہیں دیتے۔کیاہماری افواج صرف سرحدوں کے پار دشمنوں کا مقابلہ کرسکتی ہےاور پاکستان کے عوام اندر کے دشمنوں سے بچانے کے اقدامات نہیں کرسکتے ؟میری صدر پاکستان جناب ممنون حسین سے درخواست ہے کیونکہ اُن کاتعلق بھی کراچی سے ہےوہ اس میں مداخلت کرکے رینجرز کوغیر معینہ مدت کے لئے اختیارات دلوائیں اور کراچی شہر کےعوام کے بے چینی کوختم کرائیں۔

صدر پاکستان سے ایک درخواست

تقریباً40 سال پہلے 1975میں ایک صاحب سے ملاقات ہوئی معلوم ہوا کہ وہ سابق کمرشل قونصل ترکی تھے۔چند سال قبل جب شاہراہ فیصل پرترکی کا سفارت خانہ ہوتا تھا۔انہوں نے ریٹائر ہوکرترکی جانے کے بجائے قریبی لال کوٹھی کے نزدیک ایک مکان میں رہائش اختیار کرلی۔ وہ پاکستان اور پاکستانیوں سے بہت محبت کرتے تھےاور اسی محبت میں یہیں بس گئے۔انکی والدہ اور دوبہنیں ترکی میں ہی رہتی تھی۔اتفاق سے نہ انہوں نے شادی کی تھی اور نہ ہی انکی بہنوں نے وہاں شادی کی تھی۔پورا خاندان پڑھا لکھامذہبی تھا۔بہنیں ایم اے جرنلزم میں تھیں اور ترکی کے بڑے اخبار میں صحافی تھی۔اکثر اس اخبار کی طرف سے ہمارے حکمرانوں کے انٹرویوز کے سلسلے میں پاکستان آتی جاتی تھیں۔اس طرح بہن بھائیوں میں ملاقات کا سلسلہ بھی جاری رہتا تھا۔پھر وہ صاحب جن کانام محی الدین دولوتھا۔انہوں نے گھر تبدیل کرکے ہمارے دفتر کے سامنے والی گلی PECH بلاک 6میں رہائش اختیار کرلی تو گھراور دفتر دونوں میں راقم کا آنا جانا ہوگیا وہ اردو بھی اچھی بول لیتے تھے

اور پاکستانی کھانوں کے بھی بہت شوقین تھے۔ ہمارے بچے بھی ان سے بہت مانوس ہو چکے تھے تو اکثر اتوار کی رات کا کھانا مل کر کھاتے تھے ترکی کی بہت سی کمپنیاں جو پاکستان سے تجارت کرتی تھی ان کی ایجنسیاں بھی انہوں نے لے رکھی تھیں جس سے گزر اوقات ہوتی تھی۔ پاکستان سے ترکی بھائیوں کی انسیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ وہ 1965 کی جنگ میں عملی مدد اور حوصلہ بڑھانے میں پاکستان کے شانہ بشانہ تھے۔ دونوں ہی ایک دوسرے سے عقیدت و احترام، خیر سگالی کا مظاہرہ کرتے تھے جو آج تک جاری ہے۔ اس زمانے میں پاکستان کی سیاست صدر ضیاء الحق صاحب کے ارد گرد گھومتی تھی ہر طرف امن ہی امن تھا مگر اس کے برعکس ترکی میں بے چینی اور قتل و غارت گری کا دور دورہ تھا میرے دوست اس وجہ سے بھی پاکستان میں رکے تھے کہ ترکی کی نسبت یہاں بہت امن تھا اور سوسائٹی کا علاقہ نیا نیا بنا تھا اچھی اچھی سڑکیں، کشادہ مکانات، کھانے پینے کے ہوٹلز کے علاوہ ہر چیز با آسانی سستے داموں مل جاتی تھی۔ جب کہ ترکی میں بہت مہنگائی ہوتی تھی۔ رہائشیں بھی پاکستان کی بہ نسبت اتنی خوبصورت نہیں ہوتی تھیں۔ محلے اور علاقے تنگ گلیوں سے بھرے ہوتے تھے۔ میرے دوست اکثر ترکی میں سیاسی تبدیلی کا ذکر کرنے لگے تھے خاص کر جب ترکی میں سیاسی تبدیلی آئی اور کنعان ایون 2 ستمبر 1980 کو برسر اقتدار آئے تو انہوں نے قومی سلامتی کونسل کی بنیاد رکھی اور پہلے چیئر مین منتخب ہو کر ترکی کو جدید پیمانے پر سدھارنے کا عزم

کیا۔ پھر 9 نومبر 1982ء کو صدارت کا حلف اٹھایا۔ سیاست، وزیر اعظم ترک گل اوزل (Turgul Ozal) کے حوالے کر دی اور خود تعلیم، صحت، کرپشن ختم کرنے کا اعادہ کیا۔ یہ تمام باتیں اس زمانے میں اکثر میرے دوست بتاتے رہتے تھے کہ صدر کنعان نے قابل اعتماد اساتذہ کی ٹیمیں بنائی تاکہ سرکاری سکولوں، کالجوں اور یونیورسٹیز میں معیارِ تعلیم بہتر ہو۔ طلبا فضول کاموں میں وقت ضائع کرنے کے بجائے تعلیم کی طرف بھرپور توجہ دیں۔ اسی طرح اساتذہ بھی محنت اور لگن کے ساتھ طلباء کو طریقے سے پڑھائیں۔ مفت سیکنڈری تعلیم کے ساتھ ساتھ ہنر مند بنانے کیلئے نئے شعبے تشکیل دیئے گئے۔ خود صدر صاحب اسکولوں، کالجوں اور یونیورسٹیوں میں جا کر معائنہ کرتے تھے۔ وہ صرف تنقید برائے تنقید کے قائل نہیں تھے بلکہ مشوروں کے ذریعے معیار تعلیم اور درسگاہوں کی تعمیر نو کے قائل تھے۔ جب عوام نے دیکھا کہ صدر صاحب خود اس میں دلچسپی لے رہے ہیں اور ان کی ٹیمیں دن رات اس کی نگرانی کر کے اچھی اور بری رپورٹس صدر صاحب کو بھجوا رہی ہیں تو لا محالہ کرپشن کم سے کم ہوتی گئی اور ان رپورٹس کی روشنی میں سرزنش بھی کی جاتی تھی۔ ہر ایک کو غلطیاں دور کرنے کا موقع بھی فراہم کیا جاتا تھا۔ جب سب نے مل کر تعلیم پر توجہ دی تو طلباء میں بھی بہتری آئی سالانہ رزلٹ ہی معیار سمجھا جاتا تھا۔ اساتذہ کی تنخواہوں میں بھی کافی اضافہ کیا گیا انعامات اور تمغوں سے بھی پذیرائی ہوتی تھی۔ پھر صحت کے شعبے میں صدر صاحب کی ذاتی نگرانی میں ان کی

ٹیمیں سرکاری اور نیم سرکاری ہسپتالوں کا اچانک دورہ کر کے غلطیوں کی نشاندہی کر کے ان کو وقت فراہم کیا جاتا تھا۔ پھر وقت پر جا کر معائنہ ہوتا تھا کہ واقعی ہسپتال کا معیار بلند ہوا۔ ڈاکٹر صاحبان ، پروفیسر صاحبان کا مریضوں کے ساتھ کیسا سلوک ہے ان کی تنخواہوں میں بھی خاطر خواہ اضافہ کر کے پرائیویٹ پریکٹس کا سلسلہ ختم کیا گیا۔ ادویات کی فراہمی یقینی بنائی گئی ۔ ہسپتالوں میں جدید آلات ، مشینری بھی فراہم کی گئی ۔ یہ کام پورے ترکی میں پھیلا دیئے گئے صرف شہروں کی حد تک محدود نہیں تھے ۔ 10 سال دن رات کی کوششوں سے نئے ہسپتال ، مریضوں کو مفت علاج معالجہ کی سہولتوں کی وجہ سے عوام بہت خوش تھے کرپشن کم سے کم ہوتی گئی ۔ عوامی سہولیات بڑھتی گئیں اس سے ترکی بھی ترقی کی راہ پر گامزن ہو گیا اور یورپ کی ترقی کی طرح وہاں بھی ترقی نظر آنے لگی۔ ترکی کو یورپی یونین کا درجہ تو نہیں دیا گیا کیونکہ یورپی یونین میں اسلامی ریاستوں کا کوئی وجود نہیں ہے اور وہ مسلمان ممالک کو اپنے ساتھ الحاق کرنے سے کتراتے ہیں ۔ البتہ معیشت کی بحالی کیلئے انہوں نے ترکی کو کافی سہولیات دیں۔ نئی ٹیکنالوجیز بھی فراہم کیں ۔ اس طرح 10 سال اس عہدے پر رہ کر اپنی معیاد پوری کر کے صدر کنعان 9 نومبر 1989 کو سبکدوش ہو گئے۔ ان کے لگائے ہوئے پودوں کو آنے والی حکومتوں نے آگے بڑھایا اور آج ترکی ترقی کرتے کرتے بہت سی یورپی یونین ممالک کی ترقی سے بھی آگے بڑھ چکا ہے۔ اس کی کرنسی اُس وقت ایک ڈالر میں لاکھوں لیرا میں ہوتی

تھی آج ایک ترک لیرا بھی تقریباً ایک ڈالر کے برابر پہنچ چکا ہے آج وہاں کرنسی بلیک نہیں ہوتی ۔ اوپن مارکیٹ میں خرید و فروخت کی جاتی ہے ۔ ڈالر سے زیادہ وہاں یورو کا رواج ہے کیونکہ یورپی یونین کی کرنسی یورو ہے جو ڈالر سے زیادہ مضبوط ہو چکی ہے اور اسی وجہ سے ترکی نے بھی ان کے ساتھ مل کر یورو میں کاروبار کیا تو ان کی ترقی کی ایک وجہ یہ بھی ہے ۔ آج ترک عوام صدر کنعان کو دل سے یاد کرتے ہیں اگرچہ وہ اب اس دنیا میں نہیں رہے۔

اتنا کچھ لکھنے کا میرا مقصد ہمارے صدر پاکستان جناب ممنون حسین صاحب جو صنعت کار ہونے کے ساتھ ساتھ تعلیم کے شعبے میں بھی کافی دلچسپی رکھتے ہیں اگر وہ بھی ترکی کے صدر کنعان کی طرح پاکستان میں قصرِ صدارت سے نکل کر ایسی ہی ٹیمیں تشکیل دیں جو تعلیم ، صحت اور کرپشن کے خاتمے کا سبب بنیں تو ہمارا پاکستان بھی جدید تعلیم سے آراستہ ہو سکتا ہے جہالت ختم اور صحت کے شعبے عوام کی دسترس میں ہونگے اور اگر انکی ٹیم بھی ایمانداری سے یہ کام انجام دے گی تو نہ صرف صدر صاحب کا نام روشن ہوگا بلکہ مسلم لیگ ن کو بھی آئندہ کے الیکشن میں عوام بھرپور ووٹ سے نوازیں گے۔ پاکستان میں گزشتہ 5 سالوں سے نئی درسگاہوں ، میڈیکل کالجوں پر پابندیاں عائد ہیں ۔ خدارا ان سب پابندیوں کو ختم کر کے پرانے سکولوں ، کالجوں ، یونیورسٹیز کی عمارتوں اور معیارِ تعلیم کو بلند کیا جائے تو ہمارے طلباء دیارِ غیر میں جا کر بھٹکنے کے بجائے آج ترکی کی طرح اپنے

ہی ملک میں تعلیم حاصل کرسکیں گے۔آج ہمارے پاکستانی طلباءتعلیم سے فارغ ہوکراسی ملک میں آباد ہورہے ہیں جس سےاس ملک میں تو عوام کو سہولتیں مل رہی ہیں مگر ہمارے عوام ان کوترس رہے ہیں۔کاش صدر پاکستان صاحب کومیرا مشورہ اچھا لگےاور وہ یہ نیک کام عوام کی بھلائی کیلئے اپنی نگرانی میں شروع کرادیں اورنئی درسگاہوں کااضافہ کرادیں تو یہ صدقہ جاریہ ثابت ہوگا۔

(یہ کالم اورخط سابق صدر پاکستان جناب ممنون حسین صاحب کوان کی تقرری کے ایک ماہ بعد بھیجا تھا اور درخواست کی تھی وہ بھی صدر ترکی کنعان ایون کے طرز پرتعلیم اورصحت کے میدان میں اپنا حصہ ڈالیں۔افسوس نہ ان کی طرف سے کوئی جواب ملا اور نہ ہی انہوں نے اپنے 5 سالہ دور میں کوئی کارنامہ سرانجام دیا اور خالی ہاتھ رخصت ہوئے۔البتہ قصرِ صدارت کے اربوں روپے خرچ ہوگئے یا یوں کہیں قوم کے اربوں روپے ضائع ہوگئے)

سفید زہر

میں گزشتہ ایک ماہ سے کینیڈا میں اپنی فیملی سے ملنے آیا ہوا ہوں۔سارا دن فرصت ہی فرصت ہوتی ہے کیونکہ بچے اسکول چلے جاتے ہیں خواتین کھانے تیار کرنے یا پھر گھر کی صفائی اورگروسری کی خریداری کیلئے چلی جاتی ہیں۔دیار غیر میں سب کام خود کرنے پڑتے ہیں۔حتیٰ کہ گاڑی تک خود چلانی پڑتی ہے۔بچوں کواسکول چھوڑنے اور لانے کیلئے بھی ڈرائیورتک افورڈنہیں کر سکتے۔فرصت کی وجہ سے میں زیادہ تر نیٹ سے اخبارات یا دنیا بھر کے حال احوال معلوم کرتا رہتا ہوں اورخصوصاًنئی نئی دریافت اورصحت کے بارے میں نئی معلومات دیکھتا رہتا ہوں۔ایک دن نیٹ پرایک کتاب کاعنوان ''سفید زہر'' پڑھ کررک گیا۔اس میں سفید زہر کونمک اور چینی سے تشبیہ دی گئی تھی۔پورے 138 صفحوں کی کتاب تھی۔جس کی قیمت 60ڈالرتھی۔سوچا معلومات میں اضافہ بھی ہوگا اور مقالے بھی پڑھنے کوملیں گے۔فوراًنیٹ پر آرڈر دیا۔3 دن بعد کتاب کوریئر کے ذریعے گھر پہنچ گئی۔قارئین کیلئے مختصر ترجمہ لکھ رہا ہوں۔ہائی بلڈ پریشر،کولیسٹرول اورشوگر جیسے موذی مرض اوراس

کے اسباب کے ساتھ ساتھ علاج بھی جو صرف قدرتی چیزوں سے بتایا گیا ہے۔ہائی بلڈ پریشر کو فوری طور پر کم کرنے کیلئے رات کو سونے سے پہلے ایک درمیانی ڈنٹھل ادرک کو کدوکش کر کے چائے کی طرح پانی میں ابال کر پینے سے بلڈ پریشر آہستہ آہستہ کم ہونا شروع ہو جاتا ہے پھر اس کے ساتھ غذاؤں کے چارٹ سے بقیہ بلڈ پریشر کنٹرول کیا جا سکتا ہے۔اس میں لکھا ہے کہ اگر آپ دوائیں لے رہے ہیں تو اس کی مقدار آہستہ آہستہ کم کر کے چیک کرتے رہنا چاہیے اس طرح کولیسٹرول کم کرنے کیلئے اپنے کھانوں کے ساتھ گارلک ثابت یا ٹکڑے روٹی کے ساتھ کھانے سے کولیسٹرول بھی آہستہ آہستہ کم ہو جاتا ہے۔ان دونوں باتوں کا تو ہم نے پاکستان میں بھی سن رکھا ہے مگر اس کتاب میں اس کی تفصیل کے ساتھ پرہیز بھی غذا کے ساتھ ضرور بتایا گیا ہے مثلاً غذا کو تین حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے اول پروٹین 25 فیصد ،کاربوہائیڈریٹس 10 فیصد،اور 65 فیصد اچھے FAT تجویز کئے گئے ہیں سب سے خطرناک نمک کی زیادتی اور چینی اشیا اور چینی کو بتایا گیا ہے۔خصوصاً 40 سال کی عمر کے بعد اس پر کڑی نگاہ رکھنے کی ضرورت ہے۔اگر آپ کا بلڈ پریشر بڑھنا شروع ہو جائے تو نمک بالکل ختم نہیں کرنا چاہیے بلکہ فوری طور پر کم کر کے اپنے تین وقت کے کھانوں میں (آپ کے اپنے کھانوں کی مقدار مراد ہے) صرف ایک چائے کے چمچ کے برابر ہونا چاہیے۔پوٹاشیم کی مقدار کو بڑھانے سے بلڈ پریشر بہتر ہو جاتا ہے مثلاً کیلا ،ٹماٹر انگور وغیرہ میں پوٹاشیم کی کافی مقدار ہوتی ہے۔مگر شوگر والے ٹماٹر، ہری سبزیاں، کھیرا، ساگ بروکلی ہری شملہ مرچ، ہرا

دھنیا وغیرہ استعمال کر سکتے ہیں۔Avacado اور Celery اگر ملے تو بہتر ہیں۔FAT میں صرف تیل نہیں آتے بلکہ بادام پستے ، برازیلین نٹس ، بھنی مونگ پھلی تیلوں میں زیتون اور کھوپرے ،سرسوں ،مونگ پھلی کا تیل تجویز کیا گیا ہے۔پروٹین میں بغیر چکنائی کا گوشت،انڈے ، دیسی گھاس کھانے والی گائے ،مرغی ،بڑی مچھلیاں ،جن میں Omega 3 بہت کثرت سے ہوتا ہے ضرور کھائیں۔تمام دالیں (لنٹلو) پروٹین ہیں ان کو اپنے ڈائٹ چارٹ میں ضرور شامل کریں۔لال گوشت کم سے کم کھائیں۔کم مٹھاس والے سیب، مسمی ، کینوں ، کیوی ، زیتون ، اسٹابری ، بلیوبیری ،انار ، چیری جو بھی تازہ پھل ہوں ضرور کھائیں البتہ ان کا جوس جن میں کیمیکل بھی شامل ہوتے ہیں، گتوں میں پیک سمیت سب سے پرہیز کریں۔ٹن ڈبو میں پیک تمام کھانے ،سبزیاں ،پھل ، گوشت سے بالکل دور رہیں۔سگریٹ ، پائپ ،شیشہ ،سگار اور تمام نشہ آور چیزوں سے بچیں۔Omega 3 کے کیپسول روزانہ کھانے کے بعد کھانے سے کولیسٹرول کنٹرول ہوتا ہے۔Flexeseed اگر مل جائے تو اس کو گرائنڈ کر کے ایک چمچ صبح شام پھانک لیں۔کافی کے تین کپ اور سبز چائے ، جاپانی ماچا Matcha Tea یا Oolong چائے ضرور پیئیں۔دن میں کم از کم 8 گلاس پانی ضرور پیئیں۔پی سکیں تو بہترین ، صبح نہار منہ 2 گلاس 2 ہر کھانے سے آدھا گھنٹہ پہلے پینے سے بھوک کم لگے گی اور پھر کھانا ہمیشہ پیٹ بھرنے سے پہلے ہاتھ اٹھا لینے سے پیٹ بھاری نہیں ہوتا اور نیند بھی مزیدار آتی ہے۔کھانے اور نیند کے درمیان 2 گھنٹے ضروری ہیں

بہت سے وٹامنز ہم کم خوراک کی وجہ سے پورے نہیں کر سکتے تو کم از کم میگنیشم ، وٹامن سی ، اومیگا 3، وٹامن ڈی 3 ہم کیپسول یا گولیوں سے پورا کر سکتے ہیں۔ جو سبزیاں پھل یا ادویات پاکستان میں نہیں ملیں اس کے نعم البدل اشیاء ضرور مل جائیں گی۔ ہر سبزی اور پھل کا اپنا اپنا فائدہ ہے۔ صرف ان کے جوس سے دور رہیں، مولی ، گاجر ، کدو ، ہری مرچ ،کھیرا ، دھنیا ، پودینہ ، ہر ہری سبزی اور ہر ہرا پھل اوپر تفصیلاً جس کا ذکر کیا گیا ہے صرف اگر سلاد چبا کر کھایا جائے تو اس کا بھی فائدہ بتایا گیا ہے۔ آج کل سبز سبزیوں کا گرائنڈر میں بنایا گیا جوس مع چھلکے اور پھوک یعنی پانی ملا کر سب سبزیاں، ساگ ،سیلری ، دھنیا ،کھیرا ، بروکلی ، ہرا سیب ،ادرک اور لیمن کا جوس ملا کر پیس لیں۔ خوب پیسیں تا کہ پانی کی طرح پتلا ہو جائے اگر صبح ایک گلاس پئیں تو آہستہ آہستہ وزن بھی کم ہو گا اور Acidity بھی ختم ہو جائے گی۔ اس کو میں نے خود استعمال کر کے اپنی تیزابیت ختم کی ہے۔ ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کو بھی اس سے بھی نجات عطا فرما دے۔ اگر آپ فوری طور پر بغیر کسی نقصان (Side Effect) وزن کم کرنا چاہتے ہیں تو صبح ایک گلاس گرم پانی میں ایک چائے کا چمچ دار چینی کا پوڈر، ایک چائے کا چمچ ادرک پوڈر آخر میں 2 ٹیبل اسپون، لیمن جوس اور ایک ٹیبل اسپون سیب کا نکلا ہوا سرکہ ملا کر یہ جوس پی لیں، آدھے گھنٹے تک کچھ نہ کھائیں۔ انشاءاللہ آپ آہستہ آہستہ اپنا وزن بہت جلد کنٹرول کر لیں گے۔ انشاءاللہ تعالیٰ

سمیع اللہ سے کلیم اللہ پھر؟

میں اُس زمانے کی بات کر رہا ہوں جب پاکستان ہاکی کے میدان میں پوری دنیا میں ممتاز مقام رکھتا تھا اور بیشتر موقعوں پر فائنل جیتتا یا پھر دوسرے نمبر پر ہوتا تھا۔ عالمی چیمپئن شپ ہو یا ایشین چیمپئن ٹرافی اکثر ہمارے کھلاڑی ٹرافیاں لا کر قوم کو خوش کرتے رہتے تھے۔ ان میں 4 کھلاڑیوں کی کارکردگی یعنی اصلاح الدین ، حنیف خان ، سمیع اللہ اور کلیم اللہ نا قابل شکست سمجھے جاتے تھے اور کمنٹری جو اردو میں ہوتی تھی اکثر اصلاح الدین ہاکی سے بال کو لے کر ہمیشہ آگے ہوتے تھے تو کمنٹیٹر کچھ اس طرح کہتا تھا کہ بال اب اصلاح الدین نے مخالف کھلاڑی سے چھین کر سمیع اللہ کو دی سمیع اللہ بال لے کر آگے بڑھے انہوں نے اپنے بھائی کو پاس دیا۔ کلیم اللہ نے سمیع اللہ اور پھر سمیع اللہ نے اصلاح الدین کو پاس دیا اصلاح الدین نے 2 کھلاڑیوں کو ڈاج دیا اور بال گول لائن کراس کر گئی اور گول ہو گیا۔ کبھی کبھی سمیع اللہ سے کلیم اللہ کی تکرار میں حنیف خان بھی بیچ میں آجاتے تھے اور اکثر یہ ہوتا تھا کہ کم از کم پنالٹی کارنر ضرور ہوتا تھا۔ پھر ہمارے پنالٹی کارنر اسپیشلسٹ ہاتھ سے نہیں جانے دیتے تھے اور دیکھتے ہی دیکھتے بال کو گول میں ڈال

دیتے تھے ۔ یہ عام بات تھی گول پر گول ہوتے رہتے تھے ۔ مجھے یاد ہے کہ اکثر دفاعی کھلاڑیوں کو مخالف ٹیم کے بڑے بڑے کھلاڑی نرغے میں رکھتے تھے کہ بال ان چار کھلاڑیوں سے دور رہے آج کل پاکستان کھیل کے میدانوں میں پسپائی نمایاں ہوتی جارہی ہے ۔ ہاکی بھی تنزلی کی طرف گامزن ہے ۔ دہشت گردی کا لیبل چسپاں ہوئے 10 سال سے زیادہ عرصہ گزر چکا ہے ۔ امریکہ اور افغانستان کی حمایت کے سلسلے میں ملنے والا یہ تمغہ کوئی سیاستدان یا حکمران نہیں اتار سکا اور اب ہمارے وزیر اعظم میاں محمد نواز شریف صاحب ایک سال سے کچھ کم عرصے میں 3 محاذوں پر تنہا برسر پیکار ہیں ۔ ایک طرف دن رات پرویز مشرف کا ٹرائل کروا کر وہ کوئی نئی تاریخ رقم کرنا چاہتے ہیں مگر ان کے اس سیاسی کھیل میں ہاکی کے اوپر بیان کردہ حالات کی روشنی میں خود ان کے وزراء ان سے بال چھین کر خواجہ آصف کو پاس دے دیتے ہیں جو بڑی جوانمردی سے بال لے کر آگے بڑھتے ہیں اور پاس خواجہ سعد رفیق کو دے دیتے ہیں جو پھر واپس خواجہ آصف کو پاس دے کر خوش ہوتے تو بیچ میں پرویز رشید کو بال مل جاتی ہے وہ بال کو لے کر آگے بڑھتے ہیں اتنے میں وزیر داخلہ چوہدری نثار کسی طرح بال کو لے کر گول لائن سے باہر پھینک دیتے ہیں ۔ میاں صاحب کا خواب چکنا چور ہو جاتا ہے یعنی صاف لفظوں میں خواجہ آصف جو بجلی کے محکمے کے ذمہ دار تھے ۔ چیف جسٹس افتخار محمد چوہدری صاحب نے جب وزیر دفاع کو عدالت میں طلب کیا تو اس وقت یہ محکمہ خود وزیر اعظم صاحب کے پاس تھا انہوں نے راتوں رات یہ محکمہ خواجہ آصف کے حوالے کر دیا ۔ خواجہ آصف جو 1999ء کے انقلاب میں فوجیوں کے ہاتھوں بہت صدمے

اٹھائے ہوئے تھے انہوں نے بھرپور فائدہ اٹھایا اور فوج پر جمہوریت کی تلوار سے حملے شروع کر دیے ۔ ان کا ساتھ دینے کیلئے ان کے جیلوں کے ساتھی سعد رفیق اور پرویز رشید اس نازک موقع پر مزید ساتھ دینے کیلئے دو دھاری تلواریں لے کر میدان جمہوریت میں کود پڑے اور طرح طرح کے سیاسی بیانات جمہوریت کے خلاف چلا کر میڈیا کی طرف اچھالتے رہے ۔ میڈیا کو اور کیا چاہئے ۔ روز سیاسی ٹاکرے، مناظرے، ملاکھڑے شروع کر دیے ۔ دونوں میاں صاحبان سانپ کے منہ میں چھچھوندر کے مثل نہ اگل سکتے ہیں اور فوج انہیں نگلنے نہیں دے رہی ہے یعنی فوج کو ناراض کریں تو حکومت جانے کا ڈر ۔ وزرا کو روکیں تو پرویز مشرف سے کیسے انتقام لیں ۔ اسی وجہ سے طالبان سے دو قدم آگے بڑھنے کے بعد تین قدم فوج کی جوابی کاروائیوں سے طالبان پیچھے دھکیل دیتے ہیں ۔ آج تو انہوں نے جنگ بندی کی توسیع کرنے سے انکار کر کے سب کو حیرت میں ڈال دیا ۔ اب تک یہ معلوم ہی نہیں ہو سکا پاکستان کے شہروں اور ٹرینوں میں کون ریموٹ کنٹرول بموں سے دہشت گردی پھیلا رہا ہے ۔ اب تو طالبان اس کی مذمت بھی کر رہے ہیں ۔ خود طالبان گروپوں میں ٹوٹ پھوٹ ہو رہی ہے کافی طالبان رہا بھی ہو چکے ہیں مگر ہمارے چار اہم مغویوں میں سے ایک بھی رہا نہیں ہو سکا ۔ سینکڑوں معصوم شہری دہشت گردی کی لپیٹ میں ہلاک یا شہید ہو چکے ہیں ۔ وزراء کی بیان بازی اپنی حدوں کو چھو رہی ہے ۔ فوج کی طرف سے بھی ان کو لگام دینے کی دھمکی آ چکی ہے ۔ میاں صاحب نے ترپ کا آخری پتا حزب اختلاف یعنی پی پی پی کے سربراہ آصف علی زرداری صاحب سے مشاورت کر کے یہ کارنامہ بھی انجام دے ڈالا ۔

سمجھ سے بالاتر بات یہ ہے کہ فوج نے بڑی خوبصورتی سے اپنا مدعا بیان کر کے بال اب وزیراعظم کے کوٹ میں ڈال دی ہے مگر وزیراعظم، وزیر داخلہ کے مشوروں سے اتفاق نہیں کر رہے۔ وزیر داخلہ چوہدری نثار خوبصورتی سے بال اپنی ہاکی کے نیچے رکھے طالبان سے بھی بات چیت جاری رکھے ہوئے ہیں اور پرویز مشرف کو بھی فوج کی مرضی سے جانے دینے کے حق میں ہیں کچن کیبنٹ اس بات کی سخت مخالفت کر رہی ہے۔ ایک کے مقابلے میں 4 کھلاڑی وزیراعظم صاحب کو بری طرح گھیرے ہوئے ہیں جس طرح جب 1999ء میں پرویز مشرف کو ہٹانے کی کوشش میں وزیراعظم کو قابو کرنے میں نمایاں کردار بھی انہی کا تھا جس کا کریا کرم بھی انہوں نے ہی کیا تھا۔ میاں صاحب کچھ عرصے کے بعد جلاوطنی اختیار کر کے جیل کے عذاب سے چھٹکارا پا گئے تھے۔ دکھ تو انہوں نے جھیلے تھے مگر آسمانی اشارے زمینی حادثات سے ہمارے حکمران سبق نہیں سیکھتے۔ وہ پی پی کے 5 سالہ گناہوں جن کو گنا گنا کر میاں صاحب نے الیکشن جیتا تھا "اُس کو معاف کر دیا"۔ اور اقتدار دو صوبوں کی حکومت لینے کی پوزیشن میں ہوتے ہوئے سیاسی بصیرت دکھائی۔ سندھ میں پی پی پی اور متحدہ کی مخالفت کے باوجود نام نہاد الیکشن میں حصہ بھی لیا وہ فوج کو کیوں ناراض کرنے کے درپے ہیں؟ جمہوریت کی شہادت پر کون ماتم کرے گا۔ اگر میاں صاحب کا دورانیہ تیسرے یا چوتھے سال کا ہوتا تو طوفان اب تک آ چکا ہوتا۔ مگر ابھی دورانیہ پہلا سال بھی نہیں گزار سکا۔ خزانہ بھی اب تھوڑا بہت بڑھا ہے فوج غالباً اس کے بھرنے کا انتظار کر رہی ہے اور قبل از وقت آپریشن نہیں کرنا چاہتی مگر وہ ملک کو طالبان کے رحم و کرم پر بھی نہیں چھوڑنا چاہتی۔ کاش

سنجیدگی سے اس مسئلے کا حل تلاش کیا جائے سیاسی میدان میں تیسری مرتبہ مات کھانے کے بعد بھی ہم غلطی کیوں کر رہے ہیں۔ اگر سیاسی فتح حاصل کرنا چاہتے ہیں تو پرویز مشرف کو جانے دیں۔ ٹائم ضائع نہ کریں۔

195

سانحہ پشاور اور حکومتی فیصلے

امریکہ اور یورپی ممالک میں اکثر دوسرے ممالک کے سربراہان انکی یونیورسٹیز میں اپنے سرکاری دوروں میں بلا کر لیکچر دیتے رہے ہیں تا کہ طلباء کو انکے ملک کے بارے میں آگہی ہو سکے۔ وہ اس سربراہِ مملکت کو پہلے آگاہ بھی کر دیتے ہیں جناب آپ فلاں یونیورسٹی یا ادارے میں خصوصی طور پر مدعو ہیں ہمارے طلباء فلاں موضوع پر یعنی آپ کی سیاست، قوانین، معیشت سے آگہی چاہتے ہیں اسی طرح مرحوم شاہ فیصل کو امریکہ کے دورے کے موقع پر نیو یارک یونیورسٹی میں مدعو کیا گیا۔ عنوان یہ تھا کہ آپ کے ملک میں جلاد سے مجرم کا سر قلم کروایا جاتا ہے اور اس کی تشہیر بھی کی جاتی ہے جو ایک غیر مہذب ہونے کے ساتھ ساتھ جہالت اور بربریت بھی ہے۔ یاد رہے کہ اس وقت تک امریکہ کی چند ریاستوں میں پھانسی تو نہیں تھی۔ مگر مجرم کو سزائے موت انجکشن کے ذریعے دی جاتی تھی۔ مرحوم شاہ فیصل سعودی عرب کے بہت مدبر اور خاموش حکمران تھے جنہوں نے اس میں پورے عرب حکمرانوں میں سب سے اعلیٰ مقام حاصل کیا ہوا تھا اور وہ پاکستان سے اتنی محبت کرتے تھے کہ ان کے دور میں ان

کے معالجین، بنکوں کے سربراہان، انجینئر، ڈاکٹر صاحبان سب سے بڑی تعداد میں سعودی عرب میں بہت عزت کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے۔ ان پاکستانیوں میں تو ایک بنکران کے سرکاری بنک کا سب سے بڑا عہدہ بھی رکھتا تھا۔ ہماری افواجِ پاکستان نے ان کی افواج کو مکمل ٹریننگ بھی دی تھی، ہماری قومی ائیر لائنز کے کرتا دھرتا لوگوں نے سعودی ائیر لائنز کو بھی بنا کر دیا تھا۔ بینکنگ کے نظام کو بھی ہمارے بنکرز نے قائم کیا تھا۔ ہاں میں بتا رہا تھا جب شاہ فیصل مرحوم نے اس پھانسی کی سزا کو جلاد سے سر قلم کرنے کی وجہ بتائی تو وہ طالب علم دنگ رہ گئے۔ انہوں نے اعداد و شمار کر کے صرف نیو یارک شہر میں قتل، ریپ، دہشت گردی اور بربریت کے متاثرین کی تعداد بتائی جو گزشتہ ایک سال میں صرف نیو یارک شہر میں اُس زمانے میں 1436 افراد قتل ہوئے۔ 600 سے زائد خواتین کی بے حرمتی یعنی Rape ہوئی۔ ہزاروں افراد دن دیہاڑے اور رات کے اندھیروں میں لٹے اور سزا صرف قتل کے جواب میں آدھے سے زیادہ لوگ عدم ثبوت کی وجہ سے چھوٹ گئے اور بقایا چند سال جیلوں میں گزار کر واپس اپنے اپنے گھروں میں لوٹ گئے۔ وہ اب کیسے اچھے شہری ہو سکیں گے، خواتین کی عزت لٹیں وہ واپس نہیں ہو سکتی مگر ان کے لوٹنے والے چند سال بعد پھر لوٹ آئینگے۔ کیا اب وہ اس عمل کو دوبارہ نہیں دوہرائینگے صرف دن دیہاڑے لٹنے والے بے خوف شہر میں گھوم سکیں گے رات کی تو بات ہی دوسری ہے۔ انہوں نے کہا کہ آئیے میرے ملک کو اس قانون کی نگاہ میں آپ بربریت کہتے ہیں ہمارے قانون میں قتل کا جواب قتل،

جب مقتول اور اس کے ورثاء حکومت سے انصاف نہیں پائیں گے تو وہ خود قانون اپنے ہاتھ میں لے لیں گے اس سے خونریزی اپنی جگہ لاقانونیت کی داغ بیل پڑ جائے گی۔ پورے سعودی عرب میں انہوں نے بتایا کہ اس زمانے میں ایک کروڑ سے زیادہ آبادی تھی۔ پورے ملک میں سال بھر میں 33افراد قتل ہوئے، 12 خواتین کی بے حرمتی کی گئی۔ بے شک ہم امریکہ کے مقابلے میں تعلیمی لحاظ بہت پیچھے ہیں، معاشی طور پر بھی بہت پیچھے ہیں (اس زمانے میں سعودی عرب میں تیل اتنی کثرت سے نہیں نکلا تھا نہ سعودی عرب اتنی تیل کی ریل پیل تھی چند لاکھ ہی افراد حج اور عمرے پر آتے تھے) مگر قانون کی حکمرانی تو دیکھیں کہ 33 کے مقابلے میں 33افراد کے جلاد نے سر قلم کئے، لاکھوں افراد نے دیکھا تو ان کو یہ معلوم ہوگیا کہ یہاں قاتل کی کوئی دادرسی نہیں ہے تو وہ کسی مظلوم کو مارنے سے پہلے 100 بار سوچے گا۔ آپ کے ملک میں قتل کرکے پچھتاتے ہیں، آپ کا قانون مجرم کی پشت پناہی کرتا ہے، آپ کا قانون مجرم کو بچانے کا راستہ بتاتا ہے کہیں یہ غلط پھانسی نہ چڑھے۔ گویا آپ کا قانون مجرم کی جان بچانے کے لئے ہے۔ اس لئے ہر سال امریکہ میں ہماری آبادی کے لحاظ سے قتل وغارت گری کئی 100 گناہ بڑھتی جارہی ہے۔ انہوں نے اعداد و شمار کی روشنی میں پوچھا کہ بچو بتاؤ کہ ظالم کون ہے؟ اور مظلوم کون؟ بتاؤ جس دن مقتول کے لواحقین کو پتا چلتا ہے کہ ان کا قاتل قانون کی کمزوری کی وجہ سے بچ کر گھر آزاد ہوکر چلا گیا ہے۔ بتاؤ جس دن اس کا قتل ہوا تھا وہ ایک قیامت سے کم نہیں تھا اور جس دن قانون کی کمزوریوں کی وجہ سے وہ رہا

ہوگا اس دن کو آپ کیا نام دیں گے۔ اسلام نے قتل کا بدلہ قتل اس لئے نہیں دیا کہ وہ ظلم پر ظلم کرے بلکہ ظالم کو اس کے انجام پر پہنچائے ورنہ تو معاشرہ خود پاگل ہوکر ایک دوسرے کو خود قتل کرنے لگ جائے گا اور آج تک سعودی عرب میں یہ نظام قائم ہے اور حیرت انگیز طور پرامن بھی قائم ہے۔

قارئین پوری قوم دکھی ہے کہ اچانک پھر کیوں ہماری موجودہ حکومت نے انصاف کو آخری انجام پہنچانے کا جب عزم کر ہی لیا تھا تو پھر یورپی یونین نے انسانی ہمدردی کا سہارا لے کر کیسے پاکستان میں پھانسی دینے کو بربریت، غیر انسانی قرار دینے کی کوشش کی۔ شکر ہے کہ امریکہ نے لاکھوں انسانوں کے قاتلوں کے خلاف پہلی مرتبہ کہا کہ پھانسی دینا پاکستان کا اندرونی معاملہ ہے۔

اب جبکہ ہمارے وزیراعظم صاحب کو پوری قوم، پوری افواج پاکستان اور سارے سیاستدانوں کی آشیرباد اور امریکہ سمیت تمام عالمی برادری کی دہشت گردی کی آڑ میں حمایت کرنے والوں کے خلاف ملاّ عمر سمیت اصلی طالبان کی حمایت مل چکی ہے۔ پھر آپ صرف 7اور 10 دس افراد کو پھانسی پر کیوں لٹکا رہے ہیں۔ سوچئے اگر آپ کے گھروں کے بچے شہید ہوتے، آپ کے گھروں کے افراد مارے جاتے تب آپ کو پتہ چلتا کہ پیاروں کا دکھ کیا ہوتا ہے۔ یہ سیاستدان اور ان کے رشتہ دار طبعی موت سے مرتے ہیں تو کہتے ہیں بھائی کیسے فوت ہوئے، بتایا جاتا ہے کہ مرحوم بہت عرصے سے بیمار تھے تو چپ ہوجاتے ہیں۔ ان سے کوئی یہ پوچھے کہ 8 سے 18 سال کے بچوں کی موت کا دکھ کس کے کھاتے میں ڈالو گے۔ اتنے سانحات ہوتے گئے کسی ایک نے بھی اس

کے جواب میں استعفیٰ دیئے ۔ شہداء کے بچوں کے لواحقین کی امداد تو کجا ظالموں نے زخمی بچوں کے متاثرین کو پوچھنے کی بھی کوشش نہیں کی؟ زخمی ہونے والے بچوں کا کون علاج کروائے گا۔ سندھ بے نظیر ماہانہ رقم سے اربوں روپے دے کر اپنا ووٹ بنک بنا رہا ہے ۔ پنجاب روٹی اور لیپ ٹاپ دے کر اپنا الیکشن خادمِ پنجاب میں حصہ ڈال کر نام کما رہا ہے۔ یہ پختونخواہ کے زخمی بچوں کو کون بچائے گا۔ خود عمران خان بھی اس طرف کم ہی توجہ دے رہے ہیں ۔
اس بے حسی کو کیا نام دیں۔ میں رو رہا ہوں، تم ہنس رہے ہو۔ میں مسکرایا تو کیا کرو گے۔ خدا کا شکر ہے کہ ہمارے درمیان اب ایک مجاہد فوجی سربراہ جنرل راحیل شریف یعنی راہیں دکھانے والا آ چکا ہے جس کی مردانگی کو اب قوم کی بھی آشیر باد حاصل ہے۔ میں اس مرد مجاہد سے کہوں گا کہ اب آپ کسی بھی سیاستدانوں یا غیر ملکی دباؤ میں نہ آئیں۔ 1965ء کی جنگ سیاستدانوں کی وجہ سے نہیں جیتی تھی، ہمارے فوجیوں نے جیتی تھی آپ صرف قوم کو اعتماد میں لیں پوری قوم آپ کے ساتھ ہے اور سب آپ کے حوصلہ اور فیصلہ کے منتظر ہیں ۔ اگر سیاستدان بہانے تراشیں تو بقول الطاف حسین 2 سال کے لئے آپ اقتدار سنبھالیں اور تمام دہشت گردوں کو چُن چُن کر فوری طور پر ان کے آخری انجام تک پہنچا کر ہی دم لیں اور پھانسی کے تمام منتظر مجرموں کو دن رات لگا کر پھانسیاں دیں۔ اللہ اس ملک کا نگہبان ہے، انشاء اللہ ان معصوم بچوں نے اپنی جانیں پاکستان کے نام پر قربان کرکے پوری قوم کی آنکھیں کھول دی ہیں۔ اب دیر نہیں ہونی چاہئے، ان دہشت گردوں کے حامی اور ان کو پشت

پناہی دینے والوں کو بھی ہرگز نہیں چھوڑیں، ورنہ یہ سلسلہ کچھ عرصے کے بعد پھر شروع ہو جائے گا۔ پھر روکے سے بھی نہیں رکے گا، اس کے لئے فوجی عدالتیں مؤثر کردار ادا کریں گی۔

صوبوں کا مسئلہ کیسے حل ہو سکتا ہے

کراچی کی سب سے زیادہ پڑھی لکھی سمجھدار سوسائٹی جس کا نام ڈیفنس اینڈ کلفٹن ریزیڈنٹس کمیٹی ہے۔ جس کے کرتا دھرتا جو آئے دن ہر موضوع پر سیمینار کراتے رہتے ہیں سیمینار کلفٹن کے پوش علاقے 2 تلوار کے سامنے ایک کھلا میدان ہے جس میں اس سوسائٹی کے اراکین بھرپور تعداد میں شرکت کر کے اپنی کشادہ دلی کا ثبوت دیتے ہیں اور اچھے سامعین کی طرح مقررین کے خیالات کی حسبِ ضرورت داد بھی دیتے ہیں۔ گفتگو کو اپنے ہمنوا اور رفقاء کے ذریعے آگے بڑھاتے ہیں۔ گذشتہ ہفتے راقم کو ان کی طرف سے ایک دعوت نامہ ملا کہ آج کی شام ان کے ممبران میری کتاب " صوبے کیوں ضروری ہیں " پر دلائل سننا چاہتے ہیں۔ رات 7 بجے کا وقت مقرر تھا، چھوٹا سا جلسہ نما اجتماع تھا۔ پہلی مرتبہ شرکت کی دعوت ملی تھی۔ وہاں پہنچا تو معلوم ہوا کہ ایم کیو ایم کے ڈاکٹر فاروق ستار صاحب کو صدارت اور مجھے مہمان خصوصی کے فرائض سرانجام دینے تھے۔ دیگر مقررین میں جناب محمود شام صاحب، جناب سردار احمد صاحب، آغا مسعود، مقتدی منصور، غازی صلاح الدین اور واحد خاتون

مقرر منگلہ شرما جن کا تعلق اقلیتی برادری سے تھا۔ اپنے خیالات سے یہ واضح کرنا تھا کہ صوبے کیوں بنائے جاتے ہیں۔ ہر مقرر نے وضاحت کی اور اس امر پر بھرپور روشنی ڈالی۔ سردار احمد صاحب نے تو وضاحتوں کے انبار لگا دیئے، پوری دنیا کا نقشہ کھینچ کر بتایا اور مثالیں پیش کیں۔ دراصل صوبے عوام کو سہولتیں پہنچانے کے لئے بنائے جاتے ہیں اور اسی علاقے میں بنتے ہیں۔ مسائل کو نمٹانے اور وسائل کو بڑھانے کی کوشش ہوتی ہے۔ ہر مقرر نے دلائل دیئے، راقم نے بھی اپنی کتاب سے 200 ممالک کا تجزیہ پیش کیا۔ خصوصاً بتایا کہ جولائی 1955ء تک سندھ کے 3 انتظامی صوبے تھے، کراچی الگ صوبہ اور دارالخلافہ بھی تھا، خیرپور کی اپنی علیحدہ حیثیت تھی اور بقایا علاقہ سندھ صوبہ تھا۔ اسی طرح پنجاب کے 2 صوبے تھے، جس میں ایک صوبہ بہاولپور کا تھا اور دوسرا صوبہ پنجاب۔ اسی طرح بلوچستان کے بھی 2 صوبے تھے جس میں قلات بھی الگ صوبہ تھا۔ اسی طرح سرحد میں 5 صوبے تھے جس میں سوات، دیر، مالاکنڈ، فاٹا اور سرحد شامل تھے۔ گویا کل 5 الگ الگ یونٹس شمار ہو کر پاکستان کی 12 اکائیاں صوبے کی حیثیت میں شمار ہوتی تھیں۔ پھر ایک سازش سے تمام صوبے ختم کر کے ون یونٹ بنا دیا گیا۔ جب یہ نظام ناکام ہوا تو دوبارہ جنرل یحییٰ خان نے ون یونٹ توڑ کر مغربی پاکستان کے 4 صوبے یعنی سندھ، پنجاب، بلوچستان اور سرحد بنا کر نیا تجربہ کر ڈالا اور پھر مشرقی پاکستان کو اکثریتی صوبہ ہونے کے باوجود اقتدار منتقل نہیں کیا اور ہمارا ملک دولخت ہو گیا۔ راقم نے دوسری بھی بہت سارے ممالک کی آبادی کے لحاظ سے صوبوں کی تعداد

جب گنوائی شروع کی تو مجمع حیرت سے سنتا رہا،خصوصاً یورپ کے شہر سوئٹزر لینڈ جس کی آبادی صرف کراچی کی ایک تہائی آبادی کے برابر یعنی 70لاکھ ہے۔ اس کے 26صوبے نما کنٹن ہیں۔ ہمارے پڑوسی مسلمان ملک افغانستان کی آبادی ساڑھے 3 کروڑ ہے اور اس کے 33صوبے ہیں ،ترکی کی آبادی ساڑھے 7 کروڑ ہے اور 81صوبے ہیں۔ بنگلہ دیش جو صرف ایک صوبہ ہوتا تھا آج اس میں 6صوبے بنا دیئے گئے ہیں۔تھائی لینڈ ساڑھے 6 کروڑ کی آبادی اور 76صوبے ہیں،مصر کی آبادی ساڑھے 8 کروڑ اور 232صوبے ، پرتگال صرف 40لاکھ کی آبادی اور 1936 صوبے ، سنگا پور کی صرف 50لاکھ کی آبادی اور 2500 ضلع نما صوبے، پولینڈ 4 کروڑ کی آبادی اور 49صوبے ہیں ۔ خود ہمارے پڑوسی ملک بھارت کے 1947ء میں 12صوبے تھے جو آج 29صوبے اور 8یونٹس بن چکے ہیں اور آج بھی نئے نئے صوبے بنتے جا رہے ہیں۔بعض صوبوں کی آبادی کُل آبادی کا 2فیصد سے بھی کم ہے۔ بھارت کی کُل آبادی کے تناسب میں وہاں صوبے بنانے کے لئے 1947ء سے ہی ایک کمیشن تشکیل دیا گیا ہے جو بڑھتی ہوئی آبادی کو مد نظر رکھتے ہوئے ان کے وسائل آپس میں تقسیم کر کے نیا صوبہ صرف صدر مملکت کی اجازت سے ہی تشکیل پاتا ہے اور دنیا کے دیگر 200 ممالک کی طرح زبردست معاشی طور پر مستحکم یعنی مضبوط سے مضبوط تر ہوتا جا رہا ہے۔مگر افسوس 18 سے 20 کروڑ کی آبادی والے ملک پاکستان میں صرف 4صوبے ہیں جس کی پوری دنیا میں کوئی دوسری مثال نہیں دی جا سکتی۔ جبکہ کراچی جس کی

آبادی 2 کروڑ اور سندھ کے اربن شہری علاقوں میں اور پنجاب کے بڑے بڑے شہروں کی آبادیاں 10 کروڑ تک پہنچ چکی ہیں ۔ بلوچستان اور خیبر پختونخواہ میں کروڑوں کی آبادی ہونے کے باوجود صرف ایک صوبے پر بوجھ ڈال رکھا ہے ۔ چند سال قبل بھی نیشنل ڈیفنس یونیورسٹی اسلام آباد نے ایک سروے کے مطابق 15صوبے بنانے کی تجویز دی تھی اور آبادی کے لحاظ سے منصفانہ تقسیم پر زور دیا تھا ۔جس میں 6پنجاب ،3سندھ،3پختونخواہ،3بلوچستان سے صوبے بنانے کی تجویز دی تھی۔ خود ضیاءالحق کے دور میں انصاری کمیشن نے بھارت کی طرح ایمانداری سے وسائل کی تقسیم کرنے کے لئے 4صوبے ہر صوبے سے بنا کر یعنی 16صوبے اور اسلام آباد دارالخلافہ بنانے کی تجویز دی تھی جو منظور ہونے کے قریب تھی ،مگر ضیاءالحق کے جہاز کو حادثہ پیش آ گیا اور یہ مسئلہ جوں کا توں رہ گیا۔

صوبے دراصل موجودہ صوبوں کے وسائل جو غیر متوازن ہو چکے ہیں ،متوازن بنانے کی کوشش ہوتی ہے ۔ مثلاً کراچی ملک کا 65فیصد اور صوبہ سندھ کا 90فیصد فنڈز اور وسائل فراہم کرتا ہے ۔مگر ڈاکٹر فاروق ستار صاحب نے انکشاف کیا کہ کراچی پر مشکل سے 5فیصد خرچ کیا جاتا ہے بقایا 95فیصد اندرون سندھ کے نام پر سیاستدان اور بیوروکریسی آپس میں مل بانٹ کر ہڑپ کر جاتے ہیں۔ دونوں اندرون سندھ اور کراچی والوں کو غربت ، جہالت اور مفلسی سے چھٹکارا نہیں ملتا۔ یہ تأثر غلط ہے کہ سندھ کو توڑنے کی سازش ہے۔ دراصل صرف سندھ ہی نہیں پورے پاکستان میں دیگر ممالک کی طرح علاقائی

وسائل کو مقامی انتظامیہ کے تابع بنا کر لسانی ، مذہبی فرقوں میں بانٹ ،جاگیرداروں، وڈیروں، نوابوں، چوہدریوں کی اجارہ داری ختم کر کے حقیقی جمہوریت کو بحال کر کے پاکستان کو دوبارہ مضبوط بنانے کا عزم کیا جائے۔
میری تقریر کے دوران جناب قائدتحریک الطاف حسین صاحب نے سوسائٹی کے ممبران سے خطاب فرمایا اور میری کتاب میں 200 ممالک کے حقائق لکھنے پر خراج تحسین بھی پیش کیا اور بتایا کہ ایم کیو ایم انتظامی یونٹس کو پورے پاکستان میں بڑھانے کی بھرپور کوشش کر رہی ہے۔لہٰذا ہم کو بھی بھارت کی طرح صحیح آبادی کی مردم شماری کر کے عوام کو ان کے دروازے پر انصاف،تعلیم اور روزگار فراہم کیا جائے جس سے صرف اور صرف مقامی آبادیوں کو فائدہ پہنچے گا اور اجارہ داری کا خاتمہ ہوگا۔عوام خوشحال ہونگے ، کسی کے بھی حقوق غضب نہیں ہوسکیں گے۔اگر آج بھی اس پر عمل شروع نہیں کیا گیا تو پاکستان کے 20 کروڑ افراد جہالت ،غربت ، بے روزگاری ، دہشت گردی اور منشیات میں گھر کر اپنے اور اپنے بچوں کا مستقبل مزید تاریک کر دیں گے۔آخر میں ان پڑھے لکھے افراد نے رات ساڑھے 10 بجے تک تمام مقررین کو بڑے باء تحمل سے سنا اور پھر کھانے کے دوران اپنی مثبت رائے کا اظہار کیا۔
اب تو دوسری سیاسی جماعتوں کی طرف سے بھی صوبوں کو بڑھانے کے وعدے بھی منظر عام پر آنے لگے ہیں۔جو سیاسی جماعت اس کو حل کرنے میں کامیاب ہوگی،عوام اُسی کے ساتھ ہوگی۔

سپریم کورٹ کا امتحان

2 نومبر آیا اور گزر گیا ،صرف ایک دن پہلے دھرنا جشن میں تبدیل ہو گیا۔ یہ سب کیسے ہوا کس نے کروایا جتنے منہ اتنی باتیں سننے میں آرہی ہیں۔کوئی اسے یوٹرن کہہ کر مذاق اڑا رہا ہے،کوئی انا اللہ کہہ کر غمگین ہورہا ہے کہ اس کو ایک موقع ملتے ملتے رہ گیا۔مولانا فضل الرحمٰن حسب عادت مخالفت میں سب سے آگے بڑھ کر اُسے یوم شکست قرار دے رہے ہیں۔ پاکستان پیپلز پارٹی والے یک زباں ہو کر نواز شریف کو مزید مقبول بنانے کا سبب قرار دے رہے ہیں۔سب سے بڑا دھچکہ شیخ رشید اور پرویز خٹک صاحبان کو پہنچا جو ایک دن پہلے کسی کی اسکوٹر پر اپنے ہی جلسہ میں پہنچے تھے جس کو چاروں طرف سے پولیس نے گھیرا ہوا تھا۔چند سو افراد اس تماشہ کو دیکھنے کے لئے جمع تھے، وہ آئے بھی طوفان کی طرح ، سگار سلگایا اور انقلابی جملے کہے قبل اس کے کہ پنجاب پولیس ان کی طرف بڑھتی وہ ہوا میں اُلٹے پاؤں گم ہو گئے۔ دوسری طرف پرویز خٹک چند ہزار گھریلو جانثاروں کے ساتھ اٹک پل تک پہنچے تو دوسری طرف ایک بھی پارٹی ورکر تو کجا پارٹی کا مقامی عہدیدار تک موجود نہ تھا۔البتہ پولیس کا ہراول

دستہ ان کا منتظر تھا۔لہٰذا وہ خاموشی سے بغیر نعرے لگائے جلسہ گاہ کی طرف رواں دواں رہے اور سوچ رہے تھے کہ یا اللہ یہ ہمارے کارکنوں کو کیا ہوگیا ہے ۔کسی نے کہا کہ نواز شریف نے چیف کو 2 سال کی توسیع کا عندیہ دیا ہے۔تو کسی نے کہا کہ نہیں صرف سینئر جنرل کو چیف بنانے کا وعدہ کرلیا ہے۔ پہلے وہ اپنی مرضی کا چیف بنانا چاہتے تھے۔ یہ تو تبصرے مخالفین کی طرف سے تھے، اب میں فریقین کی طرف آتا ہوں جو حسب عادت صبح اُٹھ کر اللہ کا نام لینے کے بجائے ناشتے کی ٹیبل پر عمران خان کو ہر حال میں کوسنے، لتاڑنے کی دیہاڑی پوری کرتے ہیں۔ان میں سے صرف ایک قربانی کا بکرا بن چکے ہیں۔ بقول ایک دل جلے فریق کے، وہ بات جس کا افسانے میں کوئی ذکر نہ تھا وہ بات انہیں بہت ناگوار گزری ہے۔میرا مطلب پرویز رشید تو بیچارے اس میٹنگ میں شریک ہی نہ تھے، ہٹ وکٹ ہوگئے۔ سعد رفیق، خواجہ آصف جو واقعی بکرا بنتے وہ اب 5 ہزار اور 10 ہزار افراد کی کہانیاں سنا کر عوام کو ٹھنڈا کرکے میاں برادران سے داد کی اُمید کررہے ہیں۔ جیسے کہہ رہے ہوں میاں صاحب کیا بات ہے آپ کی، آپ شیر ہیں شیر، مردِ بحران ان کی طرف دیکھ کر مسکرا رہے ہونگے۔ یہ کسی کو نہیں معلوم کہ اصل معاملہ کیا ہے جبکہ چوہدری نثار زیرلب مسکرا کر خاموش ہورہے ہیں۔ البتہ ان کے منہ سے جلدی میں یہ جملہ چست ہوگیا کہ یہ کسی کی ہار نہیں ہے، پاکستان کی جیت ہے۔قوم 1 ہفتے کس کرب وخوف سے گزری، یہ راولپنڈی اور اسلام آباد کے رہنے والے ہی حقیقی طور پر آگاہ ہیں۔ 1 ہفتے تک پرندہ بھی پر بھی نہیں مارسکا، جتنی نفری پورے

ملک سے آسکتی تھی لائی گئی۔میاں برادران اور انتظامیہ نے حدیں پار کرلیں، عدلیہ کا حکم بھی ہوا میں اُڑادیا۔ کنٹینرز ایک آدھ جگہ سے ہٹا کر قانونی جواز پورا تو کردیا پھر اس سے زیادہ نفری اور کنٹینرز جمع کرکے پھر سے اسلام آباد اور راولپنڈی آنے جانے والے راستے بھارتی سرحدوں سے زیادہ خطرناک بنا دیئے۔ پورے ملک سے سینکڑوں سامان سے لدھے کنٹینرز پنجاب پولیس نے ایک ہفتہ پہلے ہی سے یرغمال بنا کر اپنے قبضے میں لے رکھے تھے۔ اکثر کنٹینرز سے سامان بھی پولیس کی نگرانی میں غائب کردیا گیا۔صرف کراچی کی انشورنس کمپنیوں نے اپنے اپنے کلائنٹس کو آگاہ کردیا تھا کہ کوئی کنٹینرز پنجاب اور سرحد نہ روانہ کریں۔ پولیس بلاتفریق غیر قانونی طریقے سے کنٹینرز قبضہ کرکے اپنی کارکردگی دکھانا چاہتی ہے۔ کسی کسی کنٹینرز والے سے مک مکا بھی کرنے کی اطلاعات ہیں۔کھربوں روپے کے کاروباری نقصان کا نہ حکومت کو دکھ ہے نہ عمران خان سمیت حزب اختلاف کی جماعتوں کو ہمدردی ہے۔ ہر کوئی اپنی اپنی سیاست چمکانے میں لگا ہوا تھا۔ دھرنا نہیں تھا کوئی کھلا سیاسی دنگل تھا۔ جو حکمران ٹولہ بمقابلہ عمران خان تھا۔ پورے ملک پر حکومت کرنے کا سب سے زیادہ تجربہ کار مردِ بحران پانے والے القاب کے شیر ایک نوآزمودہ کرکٹ کے کپتان سے جب سے پانامہ لیکس منظر عام پر آئی ہے۔ سہمے ڈرے رہ کر اپنی صفائیاں پیش کررہے ہیں۔عمران خان کا یہ کہنا کہ ہم نے خون خرابے سے بچنے کے لئے دھرنا سپریم کورٹ کی ازخود مداخلت اور فوری فیصلہ کن نتائج کی یقین دہانی کرا کر دونوں پارٹیوں کو عدالتی کمیشن بنا کر حل کرنے کا راستہ نکالا

ہے جو دونوں فریق مان گئے ہیں۔ اس لئے اب دھرنے کی ضرورت نہیں، بلکہ یہ ہماری فتح ہے۔ ہم 4 پانچ ماہ سے یہی کہہ رہے تھے کہ تلاشی دو اور ثابت کرو کہ یہ دولت کہاں سے آئی ہے۔ اب ایک مرتبہ پھر عدلیہ خصوصاً سپریم کورٹ کا امتحان شروع ہو چکا ہے۔ یہ وہی سپریم کورٹ ہے جس پر مسلم لیگ (ن) والوں نے اپنے دور اقتدار میں یلغار کر کے چیف جسٹس سمیت جج صاحبان کو بھاگنے پر مجبور کر دیا تھا۔ یہی وہ سپریم کورٹ ہے جس نے ماضی میں سندھ سے تعلق رکھنے والے 2 وزرائے اعظم کی حکومت غیر قانونی طور پر ختم کیں، اپیلیں رد کر دیں۔ میرا اشارہ مرحوم ضیاء الحق نے محمد خان جونیجو (مرحوم) اور غلام اسحاق خان نے بے نظیر (مرحومہ) کی حکومت ختم کی اور سپریم کورٹ نے بحال نہیں کیں۔ مگر جب یہی میاں نواز شریف کی حکومت غلام اسحاق خان نے ختم کی تو ان کی اپیل پر سپریم کورٹ نے ان کی حکومت بحال کر دی۔ یہی سپریم کورٹ پرویز مشرف کیس کا حتمی فیصلہ نہیں کر سکی اور 8 سال گزر چکے۔ پھر پانامہ لیکس اور غیر قانونی دولت کے ثبوت فراہم ہونے تک کتنے سال گزر جائیں گے یہ تو حکمرانوں کو ریلیف ملنے کا راستہ بننے کا خطرہ ہے۔ ایسا لگ رہا تھا کہ حکومت چند دنوں کی مہمان ہے، نواز شریف اب گئے جب گئے۔ میرے ایک بہت معتبر سیاسی دوست نے فون کر کے مبارکباد بھی دی تھی کہ میاں صاحب آج رات استعفیٰ کا اعلان کرنے والے ہیں۔ مگر صبح پتہ چلا کہ عمران خان نے 2 نومبر کا دھرنا ختم کر کے جشن میلے کا اعلان کر دیا ہے۔ بھلا اس سخت سردی والے راتوں میں کون احمق اسلام آباد کی ٹھنڈی سڑکوں پر دوبارہ دھرنا

دے گا۔ کپتان کو میرا مشورہ ہے کہ وہ موسم کے اعتبار سے فیصلے کریں ورنہ اس کا حشر بھی ایسا ہی ہو گا۔

ترکی کے سمندر اور پہاڑی علاقے جہاں سرکاری بجلی نہیں ہے

مسلمان ممالک میں ترکی کا شمار سب سے زیادہ ترقی یافتہ ممالک میں ہوتا ہے۔اگر اس کا مذہب اسلام نہ ہوتا تو کب یورپی یونین میں شامل ہو چکا ہوتا۔اس کی 2 وجوہات بہت نمایاں ہیں۔اس کا ایک سرا یورپ سے ملتا ہے تو دوسرا سرا ایشیاء سے ملتا ہے۔ترکی کے حکمرانوں نے گذشتہ 10 بارہ سالوں میں پوری کوششیں کر ڈالیں کہ یورپی یونین ممالک اُس کو بھی دیگر یورپی ممالک کی طرح اسے بھی یورپی یونین کا حصہ سمجھیں۔یورپی یونین کے بہت سے مطالبات بھی اس نے تسلیم کر رکھے ہیں وہ اسرائیل سے بھی اچھے تعلقات رکھتا ہے جبکہ اس نے ساڑھے آٹھ،نو سال تک حکومت کی ہے اور بہت سے یورپین ممالک بشمول اسپین ، بلغاریہ ، رومانیہ ، چیک سلوا کیہ اور روسی ریاستیں اس کے قبضہ میں رہی ہیں مگر صرف مسلمان ہونے کی وجہ سے وہ شینگین ممالک کا درجہ نہیں پا سکا۔صرف چند مراعات اس کو خیرات اور تجارتی سہولتوں کی صورت میں دے رکھی ہیں۔ترکی کے موجودہ حکمرانوں نے اپنے ملک میں تعلیم کے میدان میں بڑی ترقی کی ہے اور معاشی طور پر وہ بہت سے یورپین ممالک سے بہت آگے ہیں۔
معاشی میدان میں سڑکیں اور بلڈنگ کنسٹرکشن میں بہت آگے ہے تو اس نے سیاحت

میں بھی بہت سے ممالک کو پیچھے چھوڑ دیا ہے آپ اگر شینگین ویزا یا پھر کسی بھی یورپی ممالک امریکہ،کینیڈا،برطانیہ اور سوئٹزرلینڈ کا ویزہ یا اقامہ رکھتے ہیں تو ترکی کا آن لائن ویزا صرف 60 امریکی ڈالر میں گھر بیٹھے مل سکتا ہے۔اس دفعہ گرمیوں کی چھٹیوں میں میری صاحبزادی اور ان کی فیملی جو لندن میں رہائش پذیر ہے انہوں نے لندن سے ترکی کے ایک ساحلی شہر جس کا نام ڈالامان (Dalaman) ہے۔پانچ روزہ ٹور بک کرایا ہم بھی مع بیگم ان کے ساتھ لندن سے ترکی کے اس ساحلی شہر کی سیاحت میں شامل ہو گئے ہوائی جہاز کا ٹکٹ صرف 150 برطانوی پاؤنڈ یعنی دو طرفہ کرایہ پاکستانی رقم میں 26000 روپے بنتا ہے 4 گھنٹے کی فلائٹ 5 اسٹار ہوٹل کا کمرہ 200 امریکی ڈالر ڈبل بیڈ مع ناشتہ،2 وقت کا کھانا،چائے،مشروبات تمام دن مفت پانچ دن کیلئے گاڑی بڑی آرام دہ 8 سیٹر مع پیٹرول 150 برطانوی پاؤنڈ روزانہ صرف 750 برطانوی پاؤنڈ کا یہ پیکج لیا جو آن لائن بھی مل سکتا ہے نہ ٹریول ایجنٹ کی جھنجھٹ۔ہر کوئی انٹرنیٹ سے لے سکتا ہے اس کی وجہ ترکی کی حکومت نے سیاحت کو فروغ دینے کیلئے وہاں کی ٹورازم کو یورپ اور امریکہ والوں کو ترغیبی مراعات دے رکھی ہیں تاکہ فارن ایکسچینج کے ہدف کو بڑھایا جا سکے۔ہم جب ڈالا مان ائیر پورٹ پہنچے تو رات کے 9 بج رہے تھے۔ائیر پورٹ بہت خوبصورت پہاڑی علاقے میں اگرچہ چھوٹا تھا مگر ہماری گاڑی ائیر پورٹ کے باہر نکلتے ہی مل گئی چند منٹوں میں امیگریشن کاؤنٹر سے فارغ ہو گئے چونکہ ہم نے آن لائن 60 ڈالر کے عوض ترکی ویزے لے رکھے تھے۔کوئی قباحت نہیں ہوئی ۔سامان بھی چند منٹوں میں ہمیں مل گیا۔سیدھے ہوٹل پہنچے،ہوٹل بہت ہی خوبصورت ہلٹن کی چین تھا سینکڑوں ایکڑ پر پھیلا ہوا تھا جس میں 480 کمرے تھے تمام ریزارٹس

کی شکل میں سمندر کے اوپر اور پہاڑوں کے درمیان جدید طرز کے ڈبل بیڈ تھے کافی کشادہ ایک سٹنگ ٹیبل اور صوفہ کم بیڈ بھی تھا ہمارے ساتھ چونکہ میری نواسی اور نواسے بھی تھے لہٰذا ان کیلئے آرام دہ بیڈ میسر تھا۔لندن کے برعکس ڈالامان میں موسم بہت خوشگوار تھا۔رات کھانا ہوٹل میں کھا کر سو گئے۔صبح ناشتے میں بھی تقریباً 100 آئیٹم تھے۔طرح طرح کے پھل پنیر، اولیو اور ڈبل روٹی ناشتے میں ہی نہیں بلکہ ہر کھانے کے ساتھ ضرور کھاتے ہیں اور طرح طرح کی پنیر، گائے، بکری، بھینس قسم قسم کی کھائی جاتی ہیں۔ناشتے سے فارغ ہوئے تو دھوپ نکلی ہوئی تھی لندن میں تو سردی اور بارش کا موسم چل رہا تھا جس سے سب بیزار تھے۔یہاں دھوپ کیا ملی جنت مل گئی سب مرد و خواتین دھوپ سینکنے لگ گئے۔یہاں اگر دھوپ نکل آئے تو لوگوں کی عید ہو جاتی ہے جیسے ہمارے ملک میں بارش کو نعمت سمجھا جاتا ہے یورپ، امریکہ، کینیڈا میں صبح سب سے پہلے موسم کی بات ہوتی ہے اگر دھوپ کی پیشن گوئی ہو تو سب بچے، مرد، عورتیں خوش ہو جاتے ہیں اور سمندر کے کناروں پر تو میلے جیسا سماں ہوتا ہے۔یہاں رہنے والے اگر دھوپ نہ سینکیں تو طرح طرح کی جلدی بیماریاں پیدا ہو جاتیں ہیں۔ہڈیاں بھی کمزور اور گھٹنوں میں بھی دراڑیں پڑھ جاتی ہیں۔تمام ڈاکٹر صاحبان اپنے مریضوں کو دھوپ سینکنے کی تاکید کرتے ہیں۔دوسرا سمندر میں نہانا بھی بہت مفید ہوتا ہے اس سے جلدی بیماریاں ختم ہو جاتیں ہیں۔تقریباً ہر بچہ بڑا، بوڑھا مرد و عورت بھی تیرا کی جانتے ہیں یہ بھی یہاں کا لازمی حصہ ہے۔یہاں ہوٹل میں بڑے بڑے 6 قسم کے سوئمنگ پول تھے جو نہانے والوں سے بھرے ہوئے تھے سب ہی اس ریزارٹ پر چھٹیاں گزارنے آئے ہوئے تھے۔ہر سوئمنگ پول پر کھانے اور پینے کا انتظام تھا تو سب ہی کھانے پینے اور

نہانے میں مشغول تھے چونکہ کرایہ میں تینوں وقت کا کھانا مشروبات، چائے، کافی شامل تھے تو کوئی باہر جا کر کیوں کھائے گا سب ہی اس سے لطف اندوز ہو رہے تھے دوسرے دن ہم نے جو رینٹ اے کار بک کرائی تھی دوسرے سمندری ساحل کی سیر جس کا نام فتایا تھا جو 100 کلومیٹر کے فاصلے پر واقع ہے۔آدھا دن وہاں گزارا۔جس میں بچوں نے سمندر میں سوئمنگ بھی کی آگے ساحل سمندر کے کنارے شہر Bodrum تھا جو جنت سے کم حسین نہیں تھا۔اسی طرح پہاڑوں میں گرے ہوئے سمندر کے کنارے سینکڑوں ریزارٹس، فلیٹس، ہوٹل ہر طرح کے تھے یعنی ایک اسٹار سے لے کر فائیو اسٹار کے ہوٹل تھے وہاں بھی بہت اونچائی پر ہوٹل سے سمندر کا نظارہ، لوگ کہتے ہیں کہ اگر ترکی میں Bodrum کا شہر سمندر کا ساحل نہیں دیکھا تو کچھ نہیں دیکھا۔اگر ہم نے ڈالامان میں 5 روزہ ہوٹل کی ڈیل نہ لی ہوتی تو یقیناً ہر روز ہم ایک الگ سمندر اور خوبصورت علاقے کا نظارہ کرتے۔سب سے عمدہ بات وہی یعنی سورج کی روشنی، نہانے اور گھومنے میں جان ڈال رہی تھی۔ہم چونکہ رات واپس آجاتے تھے لہٰذا تیسرے دن دوسری سمت والے سمندر کی طرف روانہ ہوئے تو ہم Marmirus شہر جو 125 کلومیٹر دور تھا راستے میں رکتے رکاتے اس سمندر اور پہاڑی علاقے میں پہنچے آپ یوں سمجھیں ہم پاکستان کے شمالی علاق جات کی سیر کر رہے ہیں۔ہمارے شمالی علاق جات میں پہاڑی علاقوں کے ساتھ ساتھ زیادہ تر جھیلیں اور دریا ہیں مگر ترکی کے ان علاقوں میں پہاڑ اور سمندر واقع ہیں تو ان کا مزہ موسم پر منحصر ہوتا ہے چوتھے دن ہم پھر اپنے ہی ہوٹل میں سمندر اور پہاڑوں کی سیر کرتے رہے۔بچے اور ہم سب کافی سفر کر کے انجوائے کرنے کے ساتھ ساتھ تھک بھی گئے تھے تو ہوٹل میں بہت آرام سے

رہے یہاں بھی دھوپ مزہ دے رہی تھی۔اب میں کچھ باتیں ترکی عوام کی بتاتا چلوں یہ بہت ہنس مکھ، ملنسار اور پاکستانیوں سے واقعی محبت کرتے ہیں۔اگرچہ ہوٹل اور باہر کے ریسٹورینٹس میں وہ دیگر ممالک کی طرح کھانے کے بلوں میں ڈنڈی ضرور مارتے ہیں ڈالرز، پاؤنڈ یعنی کرنسی تبدیلی میں بھی 5 سے 10 فیصد تک کم دینے کی کوشش کرتے ہیں ۔خریداری میں آپ بارگین 50 فیصد تک دکانداروں سے کر سکتے ہیں۔دو نمبر مالوں کی بھی بھر مار ہے جو بہت اصل نظر آتا ہے مگر وہ اصل کر کے نہیں بیچتے البتہ زیادہ دام ضرور بتاتے ہیں یا پھر آپ بڑے بڑے سٹورز، ڈیپارٹمنٹل چین میں جائیں وہاں دام بھی مناسب اور اصل مال ملے گا۔بینک سے کرنسی تبدیل کرائیں۔ریسٹورنٹس میں پہلے مینو ضرور منگوائیں پڑھنے کے ساتھ ساتھ عام طور پر چونکہ ترک عوام گوشت خور، بار بی کیو کے دلدادہ ہیں لیکن لبنانی، مصری اور عربوں کی طرح پھیکے کباب، بوٹیاں، شوربا کھاتے ہیں تو آپ کو بھی اپنے ساتھ لال مرچ کی ٹکیو ضرور رکھیں ورنہ ہر کھانے میں نمک، مرچ نہ ہو تو ہم سے کھانا حلق سے نہیں اترتا۔دوسری بات ہر بن میں کباب رکھ کر پیاز اور ٹماٹر سلاد سے بھرنے کی کوشش کرتے ہیں لہٰذا اس کو باور کرادیں پلیٹ میں سلاد، روٹی، فرنچ فرائز جو مفت ہوتی ہیں۔کباب کی 2 ہی سیخ ڈلوائیں۔سب سے اذیت ناک پہلو جو ترکی میں پایا جاتا ہے وہ تمام ہوٹل اچھے اور برے ریسٹورینٹس میں حرام گوشت ساتھ ہی رکھا ہوتا ہے۔اگرچہ وہ سیاحت کو بڑھانے اور یورپی یونین کی ڈیمانڈ ہے چونکہ ترکی میں غیر ملکی غیر مسلم سیاح بھی ہوتے ہیں اور وہ سور کا گوشت بڑے شوق سے کھاتے ہیں تو لازماً انہیں رکھنا پڑتا ہے۔شراب کو بالکل برا نہیں مانتے خود بھی بہت پیتے ہیں انگریزی سے نابلد ہوتے ہیں صرف ترکی کی زبان بولتے اور سمجھتے ہیں۔مہنگائی

بھی یورپی یونین والوں نے اتنی بڑھادی ہے کہ 1 ڈالر میں صرف 2 لیرا اور 10 سینٹ آتے ہیں مگر دکاندار 2 لیرا دینے کی کوشش کرتے ہیں اس طرح وہ یورو جو ترکی کی کرنسی کے بعد سب سے زیادہ چلتا ہے اس میں بھی ڈنڈی مارنے سے باز نہیں آتے۔جبکہ یورپی یونین ممالک میں ایسا نہیں ہوتا اور نہ ہی یورپ میں اس قسم کی ہیرا پھیری ہوتی ہے ۔پولیس کی ملی بھگت سے وہ ہر چیز کا 2 نمبر تو بنا چکے ہیں اور ہر جگہ بیٹھے مل جاتے ہیں۔

اس 4 سو کلومیٹر کے شہر میں حکومت نے بجلی کا متبادل نظام سولر سسٹم بھی متعارف کرایا ہوا ہے جو ہر بلڈنگ کے اوپر نصب ہے۔لاکھوں گھروں، مکانوں اور فلیٹوں میں یہ سسٹم رائج ہے۔اگر ہماری حکومت چاہے تو ترکی کی طرح سولر سسٹم متعارف کروا کر بجلی کی 75 فیصد بچت کرسکتی ہے۔اس کیلئے سستے اور ڈیوٹی فری سولر کی امپورٹ کی اجازت دے۔ہمارے بلڈر صاحبان خود بھی سستی بجلی پیدا کرسکتے ہیں۔ترکی میں لائن سے بڑی بڑی فلیٹوں کی عمارتوں پر یہ نظام بہت کامیاب ہے۔حکومت پاکستان کو چاہیے کہ اپنے ماہرین بھیج کر ان بڑے بڑے شہروں کا بجلی کے سولر سسٹم سے فائدہ اٹھا کر عوام کو کم از کم بجلی کے عذاب سے چھٹکارہ دلا سکتے ہیں کیونکہ پاکستان میں سورج ترکی سے زیادہ روشنی دے رہا ہے۔5 دن کی چھٹیاں گزار کر واپس لندن لوٹ آئے تو ترکی پاکستان کے علاوہ سیر و تفریح کیلئے آج کل سب سے بہتر چھٹیاں گزارنے کی جگہ ہے۔

یوٹرن کا یوٹرن

پاکستان کی نئی نسل کو بتانا چاہتا ہوں کہ آج سے 50 سال پہلے ہمارے ملک میں ایک بے باک اور ایماندار سیاستدان، سیاست میں آیا ان کا نام ائر مارشل محمد اصغر خان تھا۔ انہوں نے تحریک استقلال نام کی جماعت بنائی، خوب نام کمایا تحریکیں بھی چلائیں سیاسی الائنس بھی بنائی جس میں سب سے مشہور اتحاد پاکستان نیشنل الائنس المعروف قومی اتحاد تھا۔ جس میں ایک طرف پاکستان پیپلز پارٹی کے مرحوم ذوالفقار علی بھٹو تھے اور ان کے سامنے اپوزیشن کی تمام پارٹیاں تھیں۔ یہ 1977ء کا مشہور زمانہ تھا جس میں کراچی کا سب سے بڑا جلوس نکالنے کا ریکارڈ قائم کیا تھا۔ ان کے ساتھ راقم 10 سال تک منسلک رہا۔ اس پارٹی میں شاید ہی کوئی ایسا بڑا سیاستدان ہوگا جو اس پارٹی میں نہ رہا ہو، بشمول اکبر بگٹی اور موجودہ وزیر اعظم میاں محمد نواز شریف بھی شامل تھے۔ ان کی جہاں ایمانداری اور بے باکی وجہ شہرت تھی ساتھ میں ان کی جلد بازی اور اعتراض کرنے والوں کو پارٹی سے نکالنا بھی وجہ شہرت ہی تھی۔ آخری دم تک جب تک وہ سیاست میں رہے یہ روایت قائم رہی۔ مثلاً مرحوم ضیاء الحق نے

جب بغیر پارٹی کے الیکشن کروائے تو انہوں نے انتخابات میں حصہ نہیں لیا اور بائیکاٹ کرلیا اور پھر جب دوبارہ ضیاء الحق نے انتخابات پارٹی کے نام پر کروائے تو بھی حصہ نہیں لیا اور کہا کہ یہ منصفانہ نہیں ہونگے۔ یہ ہمیشہ جلدی جلدی اتحاد بناتے تھے اور خود نکلنے میں پہل کرتے تھے۔ اسی سیاسی کشمکش میں ساری زندگی گزار دی کبھی اقتدار ان کے پاس سے گزرا تو کبھی وہ اقتدار کے پاس سے گزر گئے۔ مستقل مزاجی اُن کے خون میں شامل نہیں تھی۔ اتنے زیادہ سیاسی کارکنوں کو نکالا کہ آخر کار خود ان کے ایک کارکن نے ان کو پارٹی سے نکال کر پارٹی پر قبضہ کرلیا۔ وہ سیاسی طور پر کنارہ کش ہو کر گمنامی کی زندگی گزار رہے ہیں یعنی ایبٹ آباد سے نکل کر واپس ایبٹ آباد میں مقیم ہیں۔ خاص طور پر ان کے ایک صاحبزادے عمر اصغر خان کی پر اسرار موت کے بعد تو وہ گوشہ نشین ہوگئے۔ اس طرح پاکستان نے ایک بے باک اور ایماندار سیاستدان کو ضائع کردیا۔

اب میں آتا ہوں اصلی موضوع پر وہ ہے تحریک انصاف کے عمران خان 10 سال تک وہ کرپٹ سیاستدانوں بالخصوص پاکستان پیپلز پارٹی اور مسلم لیگ (ن) کی کرپشن کو بے باک طریقے سے بے نقاب کرتے رہے۔ وہ واحد سیاستدان ہیں جنہوں نے متحدہ قومی موومنٹ کے الطاف حسین صاحب کو بھی نہیں چھوڑا، اور ان کی خامیوں کو بے نقاب کیا۔ میڈیا کو ان کی خلاف زبان کھلوائی۔ عوام میں کرپشن کے خلاف ڈٹ جانے کا جذبہ پیدا کیا۔ پرویز مشرف کے خلاف بھی محاذ آرائی کی اصغر خان کی طرح الیکشن میں پذیرائی ملی۔

اگر چہ پہلے 10 سال ناکامی کا بھی منہ دیکھا مگر ڈٹے رہے۔ آخری الیکشن میں صوبہ سندھ میں خصوصی طور پر جب کراچی اور حیدر آباد میں جماعت اسلامی نے عوام کا رجحان تحریک انصاف بلے کی طرف رُخ موڑا تو آدھے دن کے بعد بائیکاٹ کا اعلان کر کے اپنے لوگ پولنگ اسٹیشن سے اُٹھا لیے۔ اس طرح متحدہ نے اس موقع سے فائدہ اُٹھا کر ٹھپے لگانے کا ریکارڈ برقرار رکھا۔ تو جہاں جہاں نوجوان پڑھے لکھے علاقے میں مضبوط تھے بلے پر ووٹ ڈالتے رہے اور اُن کے امیدوار کامیاب ہو گئے اور تحریک انصاف کے گم نام امیدوار اُن کا مقابلہ نہیں کر سکے وہ ہار گئے۔ اس طرح پنجاب میں بھی مسلم لیگ (ن) کام دکھا گئی اور جس کا جہاں بس چلا ووٹوں سے ڈبے بھر دیئے۔ تحریک انصاف شور مچاتی رہی اور عدلیہ سے انصاف مانگتی رہی مگر تا حال اس کو انصاف نہیں مل سکا تنگ آکر دھرنے بھی دیئے پاکستان کی تاریخ میں دھرنوں کا ریکارڈ بھی قائم کیا ۔ اُس سے شیخ رشید اور مولانا طاہر القادری صاحبان نے خوب فائدہ اُٹھایا ۔ مولانا طاہر القادری صاحب نے اپنا نذرانہ وصول کیا اور واپس کینیڈا سدھار گئے۔ اکیلے عمران خان تھک ہار کر بنی گالہ جہاں وہ ہر رات گزارنے جاتے تھے وہیں کے ہو کر رہے۔ صرف صوبہ خیبر پختونخوا میں اُن کی جماعت کامیاب ہوئی اور نواز شریف نے مولانا فضل الرحمان کے بہکاوے میں آنے کے بجائے صوبہ پختونخوا کی چابیاں عمران خان کی جھولی میں ڈال کر اُن پر احسان کیا اور وہ احسان آج تک جاری ہے۔ مگر عمران خان سیاسی پختگی نہیں دکھا سکے ۔ جلد بازی میں وہ فیصلے کرتے رہے اور فیصلے بدلتے رہے خود ان کی پارٹی

میں بھی ٹوٹ پھوٹ ہوتی رہی، امتحانی دور کے کارکن ایک ایک کر کے دل برداشتہ ہو کر پارٹی سے نکلتے رہے۔ اور اُن کی جگہ سیاسی طوطے موسم کے اعتبار سے اُن کے قریب ہوتے گئے اور تحریک استقلال کی طرح تحریک انصاف میں زوال شروع ہوتا گیا۔ عوام کو اُن سے جو توقعات تھی وہ بھی پوری نہیں ہو سکیں تو ایک ایک کر کے وہ اپنی سیٹیں گنواتے رہے حتیٰ کہ وہ اپنی جیتی ہوئی سیٹیں واپس نہیں لے سکے۔ صرف نواز شریف اور آصف زرداری ادوار میں شور شرابا کرتے رہے۔ آصف علی زرداری تو جوں توں کر کے اپنے 5 سال اقتدار بچا گئے مگر نواز شریف کو آئے دن امتحانات سے گزرنا پڑ رہا ہے۔ انتخابی دھاندلیوں سے ناکامیوں کے بعد اب آج مشہور زمانہ پانامالیکس کی چھتری تلے برسرِ پیکار ہیں۔ پہلے کہا کہ کمیشن بناؤ پھر کہا عدلیہ فیصلہ کرے جب عدلیہ نے کیس اپنے ہاتھ لیا اور اُن کی امیدوں کے خلاف کیس آگے بڑھایا تو عدلیہ کو بھی للکارا۔ مسلم لیگ والے کہتے رہے کہ اسمبلیوں میں آؤ اور فیصلہ کرو تو اُس کا بائیکاٹ کر ڈالا۔ خصوصاً ہمارے برادر ملک ترکی کے صدر جناب طیب اردگان ہماری قومی اسمبلی میں خطاب کرنے آرہے تھے تو سب نے کہا کہ یہ قومی اعزاز کی بات ہے پاکستان کا نام داؤ پر نہ لگاؤ، ذاتی مفاد کو چھوڑ کر قومی وقار برقرار رکھو تو ہٹ دھرمی کی اور اسمبلی کا بائیکاٹ جاری رکھا اور جب دھرنوں کی طرح بائیکاٹ کو ناکام ہوتے دیکھا تو عجلت میں خود واپسی کا فیصلہ کر ڈالا اور جب تک جسٹس وجیہہ الدین اور مخدوم جاوید ہاشمی فعال تھے تو اُن کے فیصلوں پر اعتراض ہو جاتا تھا۔ ان دونوں سیاستدانوں اور مخلص کارکنوں کے جانے

کے بعد ابن الوقت ساتھیوں کی وجہ سے اب وہ کل مختار بن کر فیصلے کر رہے ہیں اور پے در پے ناکامیوں کا منہ دیکھ رہے ہیں اور اگلے الیکشن کیلئے نواز شریف کو در پردہ مضبوط کر کے اپنا سیاسی گراف بہت حد تک نیچے لا چکے ہیں۔ اس وقت جب کراچی میں متحدہ ٹکڑوں میں بٹی ہوئی ہے، وہ کراچی کی طرف رخ کرتے تو اگلے الیکشن میں کچھ اُمید واپس لا سکتے تھے۔ مگر سیاسی بصیرت ایمانداری اور بے باکی ہر جگہ غالب نہیں رہتی۔ جس طرح تحریک استقلال کے لئے مشہور تھا کہ اُس میں نہ تحریک ہے نہ استقلال۔ اسی طرح یار لوگ کہتے ہے کہ ان کی پارٹی سے جس طرح کارکنوں کے ساتھ زیادتیاں ہوئیں ہیں آج اس میں بھی نہ تحریک باقی رہی اور نہ انصاف۔ آہستہ آہستہ یہ تنزلی کی طرف گامزن ہے نوجوانوں کو خصوصاً اور پاکستانی عوام کو عموماً ان کے غیر سیاسی فیصلوں نے بہت مایوس کیا۔ اب وہ مقام آ رہا ہے کہ ہم ایک ایماندار اور بے باک سیاستدان کو دوبارہ کھو رہے ہیں اور کرپٹ سیاستدانوں کو دوبارہ اکٹھے اور مضبوط کر رہے ہیں۔ اب کوئی معجزہ ہی تحریک انصاف کو اقتدار کے تخت پر بٹھائے گا۔ خود کو تباہ کرنے میں تو عمران خان صاحب نے کوئی کسر نہیں چھوڑی۔ خاص طور پر دھرنے کے آخری دن جب وہ بنی گالہ میں آرام فرما رہے تھے۔ کارکن انہی کی دیواروں کے نیچے سردی اور بھوک سے حسرتوں سے ان کا دیدار اور انتظار کر کے مایوس ہو چکے تھے۔ وہ ہمدردی کے الفاظ بھی نہ کہہ سکے۔ پشاور کا احمد شاہ ابدالی المعروف پرویز خٹک اپنے لاؤلشکر کے ساتھ پنجاب کی سرحد سے ناکام واپس لوٹ گیا۔ ہائے اس زودِ پشیماں کا پشیماں ہونا۔

وی وی آئی پی کلچر (حصہ دوم)

گزشتہ ماہ راقم نے پاکستان کے وی وی آئی پی کلچر کے بارے میں لکھا تھا اور سرسری طور پر ماضی میں پیش آنے والے چند واقعات کا ذکر کیا تھا۔ خصوصاً برطانیہ کی ملکہ الزبتھ کا اور اُن کے وزیر اعظم ڈیوڈ کیمرون کا معمولی گھڑسواروں کا فلیٹ اور ہمارے وزراء، وزیر اعظم اور چیف منسٹرز کا پروٹوکول وغیرہ۔ اتفاق سے گزشتہ ہفتے مجھے 3 دعوتوں میں جانے کا اتفاق ہوا۔ جس میں کینیڈا شہر کے میئر اور 2 فیڈرل منسٹرز صاحبان بھی مدعو تھے جو مقامی ریسٹورنٹس اور خود مارکھم کے میئر کے آڈیٹوریم میں منعقد ہوا تھا۔ سب پاکستانی دوستوں نے مدعو کیا تھا۔ ایک پی ٹی آئی کے مقامی عہدیدار کی طرف سے تھا جو پارٹی کے لئے فنڈ جمع کرنا تھا۔ یہ فنکشن مارکھم کی ایک کاروباری شخصیت شاکر رحمت اللہ نے کیا تھا۔ سادگی کے ساتھ چند سو پڑھے لکھے متمول افراد ٹھیک شام 7 بجے آئے چند تقاریر ہوئیں۔ مہمان خصوصی نے مختصر تقریر کی۔ کھانا ٹھیک 8 بجے شروع ہوا 9 بجے تک محفل ختم، بعد میں کچھ میوزیکل پروگرام بھی ہوا۔ اسی طرح دوسرا فنکشن سابق ایم پی اے خالد عثمان جو گزشتہ کئی سال سے کینیڈا میں مقیم

ہیں اور ایک کامیاب چارٹرڈ اکاونٹنٹ ہیں۔انہوں نے مقامی پاکستانی ریسٹورنٹ میں منعقد کیا تھا جس میں ایرانی نژاد کینیڈین فیڈرل منسٹر برائے تحقیق سائنس، مقامی ایم پی اے جناب رضا موریدی تھے۔گزشتہ 10 سال سے خدمات انجام دے رہے ہیں۔ 17 سال تک سیاست میں بھی حصہ لیتے رہے ہیں۔ یہ بھی فنڈ جمع کرنے کے لئے تشریف لائے تھے۔انہوں نے بھی بہت سادگی سے اپنا پروگرام بتایا۔ان کے بعد انوائرمنٹ اور کلائمیٹ کے وفاقی وزیر جی آر مرے (G.R.Murrey) تشریف لائے ۔ یہ 5 سال ٹورنٹو کے ایم پی اے رہے۔ 4 سال ٹورنٹو کے میئر رہے ۔ 6 سال W I N N I P E P کے میئر رہے۔ یہاں انہوں نے 9 مساجد تعمیر کروائیں اور عوام کے لئے بہت کام کیے۔وہ اپنے سیکریٹری کے گاڑی میں آئے تھے۔تھکان کی وجہ یہ بتائی کہ وہ ایک رات قبل وینکور سے ٹورنٹو جس کے فلائٹ میں 7 گھنٹے لگتے ہیں۔ مسلسل جہاز کے آخری سیٹ پر بیٹھے تھے جس کے سامنے بیت الخلاء تھا جو بار بار استعمال ہو رہا تھا جس کی وجہ سے وہ مسلسل جاگتے رہے۔ یہ کینیڈا تقریباً 20 ارب ڈالرز ہر سال غریب ممالک کو امداد دیتا ہے۔اور مہاجرین آبادکاری کے علاوہ بھی دیگر ممالک کے عوام کی فلاح و بہبود کے لئے فنڈز مہیا کرتا ہے۔اُس کے وزراء سالانہ ڈیڑھ لاکھ سے 2 لاکھ ڈالر تنخواہ لیتے ہیں ۔کار اور گھروں کا صرف واجبی الاؤنس ملتا ہے اللہ اللہ خیر صلّا۔جبکہ ان کے ہاتھوں میں اربوں ڈالر کا بجٹ ہوتا ہے مجال ہے کہ وہ ہیرا پھیری کا سوچیں۔اُن کو ایسا کرنا بہت مہنگا پڑ سکتا ہے۔ یہ اپنی گاڑیاں بھی

خود چلا کر لاتے ہیں ۔اُن کا کوئی ڈرائیور نہیں ہوتا ۔اپنے اپنے سرکاری دفاتر میں عوام کی خدمت میں لگے رہتے ہیں اور عوامی تقریبات میں ہمارے منسٹرز کی طرح گردن اکڑائے نظر نہیں آتے۔عوام کے ہر سوال کا معقول جواب دیتے ہیں۔جیسے وہ ان کے غلام ہوں۔خندہ پیشانی سے اعتراضات کا جواب بھی ان کو دینا پڑتا ہے۔ یہاں کا میڈیا بھی بہت پاورفل ہے۔اپنے حکمرانوں پر کڑی نظر رکھتا ہے۔لگژری گاڑیاں یا لگژری گھروں کا وہ سوچ بھی نہیں سکتے ۔اُن سے ایک معمولی ووٹرز بھی اُن کے عیاشی پر سوال کر سکتا ہے۔اگر رپورٹ ہو جائے تو پولیس ،عدلیہ اُن کا مؤاخذہ کرتی ہے۔ سادگی کا اندازہ لگائیں ہ گزشتہ سال مارکھم کے میئر کے آڈیٹوریم میں میرے دوست شاکر رحمت اللہ نے میری (کتاب صوبے کیوں ضروری ہیں) کہ تقریب رونمائی کروائی جس میں مارکھم کے میئر فرانک کو مدعو کیا گیا۔وہ آدھے گھنٹے دیر سے آئے اور وہ بارش سے بھیگے ہوئے تھے۔انہوں نے بتایا کہ وہ بارش کی وجہ سے ٹریفک میں پھنس گئے تھے۔اور پھر وہ گاڑی خود چلا کر لائے تھے۔تو پارکنگ ان کو دُور ملی اور وہ پیدل چلتے ہوئے آئے۔تو راستے میں بارش کے وجہ سے بھیگ گئے تھے ۔تقریب میں آ کر سب سے گھل مل کر ہاتھ ملایا۔کتاب کی رونمائی سے قبل معذرت کی اور وجہ بھی بتائی پھر تقریر کی۔حالانکہ کتاب اُردو میں تھی اور کیونکہ مقصد صوبوں کے اضافے کے طرف توجہ دلانا تھا تو انہوں نے بتایا کہ جتنے صوبے زیادہ ہونگے۔عوام کو اتنی ہی آسانیاں میسر ہوں گی۔شام کی چائے پر تقریب ختم ہوئی اور واپسی کے لئے چونکہ بارش تیز ہوگئی تھی تو دیر تک ٹھہرنا

پڑااور پھر خود گاڑی چلا کر رخصت ہوئے۔اندازہ لگایئے مارکھم میئر کا دفتر ،اُس کی پارکنگ،اُس کا تھیٹر جس کا اپنا بجٹ پاکستان کے بجٹ سے 3 گُنا زیادہ ہے۔میئر کے لئے اضافی گاڑی اور ڈرائیور عیاشی میں شمار ہوتا ہے۔اور پروٹوکول صفر ہے یہی ترقی پذیر ممالک میں عوام اُس کا بہت بُرا مناتے ہیں۔وہ ٹیکس ادا کر کے خود گاڑی چلائیں اور جوان کے ٹیکس پر پلے۔وہ ڈرائیور رکھ کر اُن کا منہ چڑائے یہ کیسے ممکن ہے یہ مثالیں صرف کینیڈا تک محدود نہیں ہیں بلکہ پورے یورپی ممالک اسی وجہ سے ترقی کر کے اپنے عوام کی فلاح و بہبود میں لگے رہتے ہیں۔ہم 202 ممالک کی فہرست میں 166 ویں نمبر پر کرپشن زدہ ممالک میں شمار ہو کر عوام کے خادمِ اعلیٰ اور امیر المومنین کا خطاب چاہتے ہیں۔جس کے عوام گھنٹوں ان کے گزرنے کا انتظار کرتے ہیں اور منہ ہی منہ میں بڑبڑا کر خون کے گھونٹ پی کر زندہ ہیں۔جو ایک درجن ٹیکسوں کی بھرمار کے بعد بنیادی ضرورتوں سے محروم ہے۔جب تک یہ خود اس نظام کے خلاف مل کر آواز بلند نہیں کریں گے،اس وی وی آئی پی کلچر کا خاتمہ نہیں ہوگا۔

ویژن 2025ء اور ہمارا بجٹ 2014ء

مسلم لیگ (ن) کو برسر اقتدار آئے اب 1 سال سے زیادہ عرصہ گزر چکا ہے۔وزیراعظم میاں محمد نواز شریف صاحب نے قومی الیکشن سے پہلے قوم سے کیا کیا وعدے کئے تھے یا یوں کہئے کہ قوم کو کیا کیا خواب دکھائے تھے 1 سال کے بعد وہ واقعی خواب ہی ثابت ہو رہے ہیں۔قوم نے تیسری بار وزیراعظم بنایا کہ شاید اب ان کو صحیح رہبر مل گیا ہے مگر صرف چند دن پہلے ہمارے وفاقی وزیر منصوبہ بندی ترقیات ہر دلعزیز جناب احسن اقبال نے ماضی کی طرح ایک طویل المدتی منصوبہ بندی جس کو انہوں نے ویژن 2025 کا نام دیا ہے۔آنے والے 11 سال کی اقتصادی،معاشی صورتحال کا تجزیہ کیا گیا ہے جس کی رو سے وہ پاکستان کی معیشت کو بتدریج 45 سے 25 ویں پوزیشن میں لانے کا ارادہ رکھتے ہیں۔یہ ہدف پورا کرنے کیلئے وہ 25 ارب ڈالر سے 150 ارب ڈالر کی برآمدات کرنے کیلئے انقلابی اقدامات کریں گے۔جس طرح کوریا،ترکی،ملائیشیا اور سنگاپور کی مثالیں پیش کیں یہ سنہرا خواب دکھاتے وقت انہوں نے قوم کو یہ نہیں بتایا کہ ملائیشیا کے ڈاکٹر مہاتیر محمد نے 28 سال

تک کس طرح ملک سے کرپشن کا خاتمہ کیا۔قانون کی بالا دستی قائم کی۔ پوری دنیا سے انویسٹروں کو اپنے ملک بلا کر پانی ،بجلی اور کم نرخ پر زمینیں دیں۔تب جا کر ملائیشیا اپنی معیشت کو بہتر بنا سکا ،اب ترکی بھی اس سمت میں گامزن ہے۔ ہمارے ملک میں قانون نام کی کوئی شے نہیں ہے ۔غیر ملکی سیاح تو ہمارے ملک کا رخ کرتے ہوئے گھبراتے ہیں ۔گیس اور بجلی کا بحران اپنی حدوں کو چھور ہا ہے۔لاہوراور فیصل آباد جیسے صنعتی علاقوں میں 1,1 گھنٹے کیلئے بجلی کی آنکھ مچولی ہوتی ہے۔کراچی میں صنعتی علاقوں میں بجلی کا دورانیہ کئی کئی گھنٹے طویل ہوتا جا رہا ہے ۔بھتہ خوری میں خود پولیس بھی ملوث ہو چکی ہے۔سندھ میں اغوابرائے تاوان کی وارداتیں خصوصی طور پر کراچی میں دوبارہ زور پکڑ چکی ہیں ۔صنعتکار سائٹ سے تنگ آکر اپنی صنعتیں کورنگی میں منتقل کر رہے ہیں ۔رینجرز بھی اب ایکشن لے لے کر غیر موثر ہو چکی ہے وزیر اعظم کے سامنے کراچی چیمبرز نے بھتہ خوری کو بے نقاب کیا تو انتظامیہ نے انتقامی کاروائیاں شروع کر دیں ۔اب جب کہ خود پاکستانی صنعتکار ملک چھوڑ کر باہر صنعتیں لگانے پر مجبور ہیں ۔اس دہشت زدہ ماحول میں کون باہر سے سرمایہ لگائے گا۔فوجی کانوائے تک غیر محفوظ ہیں۔ پڑوسی ممالک سے دشمنیاں عروج پر ہیں۔ بھارت کا نیا وزیر اعظم اور افغانستان کا نیا سربراہ دونوں ہی پاکستان سے پرخاش رکھتے ہیں۔ دہشت گردی کو دونوں ہی ہوا دیتے ہیں۔جس کی وجہ سے آئے دن بم دھماکے ہمارا مقدر بن چکے ہیں ۔خود وزیر اعظم لاچار ہیں۔چاروں صوبے دھماکوں کی زد میں ہیں۔ کیسے ویژن 2025ء ممکن

ہے؟۔اس سے پہلے بھی ویژن 2015ء پیش کیا گیا تھا تو چند ماہ بعد سیاست کا بستر بوریا فوج نے لپیٹ دیا تھا۔اب بھی کچھ کچھ آثار ویسے بنتے نظر آرہے ہیں۔ابھی اس ویژن 2025ء کی روشنائی تک خشک نہیں ہوئی تھی کہ ہمارے وزیر خزانہ جناب اسحاق ڈار صاحب نے بجٹ پیش کر دیا۔صنعتکاروں کی تجویزوں کو پھر مسترد کر دیا ہے۔ ہمارے چیمبرز اور فیڈریشن کی تجاویز کو سیلز ٹیکس 18فیصد سے کم کرکے 7.5فیصد کرنے سے 900ارب سے بڑھا کر 1500ارب کا ہدف پھر بلڈوز کر دیا گیا ہے۔سمجھ میں نہیں آتا امریکہ،کینیڈا میں 7 سے 9فیصد تک سیلز ٹیکس نافذ ہے تو پاکستان جیسے غریب ملک میں اتنا زیادہ سیلز ٹیکس عائد کرنا کونسی عقل مندی ہے۔بار بار توجہ دلائی گئی۔وزیر اعظم نواز شریف خود صنعتکار ہیں اس سے بہ خوبی واقف ہیں۔مگر کونسی مصلحت آڑے آرہی ہے اور تو اور ویژن 2025ء کا مذاق بھی اڑایا۔ایک طرف وزیر منصوبہ بندی احسن اقبال مقامی پیداوار کو بڑھانے کی بات کرتے ہیں جب کہ پیداوار بڑھانے کیلئے ضروری چیز جدید مشینوں کی درآمد پر 5فیصد سے بڑھا کر 10فیصد ٹیکس اور اوپر سے 5فیصد سیلز ٹیکس بھی لگا دیا گیا ہے۔مزید پچھلے سال میں ٹیکس کا ہدف پورا ابھی وصول نہیں کیا جا سکا تھا۔مگر اس سال کے بجٹ میں 231ارب روپے کا اضافہ کر دیا گیا ہے۔یہ اضافی بوجھ عوام پر ہی پڑے گا۔ورکرز کی تنخواہوں میں 20فیصد اضافہ کر دیا گیا۔ یہ بوجھ صنعتکار اور دکاندار کس پر ڈالے گا۔بجٹ میں سیمنٹ،گھی،تیل جو غریبوں کی ضرورت ہے اس پر اضافی سیلز ٹیکس لگا دیا گیا ہے۔عام پاکستانی جو دیار غیر میں اکانومی کلاس

سے سفر کرتا ہے اس پر بھی اضافی ٹیکس لگا دیا گیا جو ممبرز قومی اسمبلی ،صوبائی اسمبلی اور سینیٹر حضرات ان ٹیکسوں کی وصولی کی منظوری دیتے ہیں۔ ان کی اکثریت ارب پتی ہونے کے باوجود اور لمبی لمبی گاڑیوں کی حیثیت رکھتے ہیں ۔مگر خود ایک پائی بھی ٹیکس نہیں دیتے حتیٰ کہ قومی رجسٹریشن نمبر بھی نہیں رکھتے ۔انہیں کس نے حق دیا ہے کہ وہ غریب عوام سے تو ٹیکس وصول کریں اور خود ٹیکس ادا نہ کریں۔ دوسری طرف مسلم لیگ کے وزراء اور حمایتی کہہ رہے ہیں کہ اگر نواز شریف صاحب کو 5 سال تک سکون سے حکومت کرنے دی جائے تو ملک مالا مال ہو جائے گا۔شکر ہے الیکشن سے پہلے 6 ماہ پھر 9 ماہ اب 5 سال تک کے وعدوں پر قوم کیسے اعتبار کرے۔قوم کی صحت پر 26 ارب روپیہ یعنی فی کس 153 روپے، تعلیم پر 4300 ارب روپے میں سے صرف 64 ارب روپے یعنی صرف 1.5 فیصد 350 روپے فی کس 18 کروڑ انسانوں پر خرچ کئے جائیں گے۔

بھلا جو حکومت قوم پر 1 فیصد صحت اور 1.5 فیصد تعلیم پر خرچ کرے وہ ویژن 2025ء کو قوم کیلئے کھلا مذاق نہیں قرار دے گا تو اور کیا کرے گا۔خود ہمارے وزیر منصوبہ بندی قوم کی خواندگی کو 50 فیصد سے بڑھا کر 75 فیصد کرنے کا عزم رکھتے ہیں۔فی کس 350 روپے سالانہ خرچ کرنے سے بھلا 50 فیصد خواندگی بڑھ سکے گی؟ جب کہ وزیر خزانہ خود کہہ رہے ہیں کہ 9 کروڑ عوام غربت کی لکیر سے نیچے رہتے ہیں۔ وہ کس طرح اپنی تعلیم پر توجہ دے سکتے ہیں پہلے ان کا پیٹ تو بھرے۔ان کا علاج فی کس 153 روپے سالانہ میں

حکومت ہسپتال ،علاج اور ادویات کیسے فراہم کرے گی۔اب تو ہر شخص کہہ رہا ہے کہ یہ بجٹ اور وعدے قوم کے ساتھ ماضی کی طرح مذاق جاری ہے۔ دیکھتے ہیں کہ کب تک قوم وعدوں کے سائے میں زندگی گزارے گی !

وزیراعظم کا دورۂ امریکہ

2014ء وزیراعظم نواز شریف اور مسلم لیگ (ن) کے لئے بہت بھاری ہوتا جارہا ہے۔ جوں جوں دونوں شریف برادران اس سے بچنے کی کوشش کررہے ہیں توں توں وہ ان کے گلے پڑتا جارہا ہے۔ خصوصاً 2 دھرنوں نے دونوں برادران کی نیندیں حرام کررکھی ہیں۔ گو کے دھرنوں میں اب وہ پہلی جیسی گرمی تو نہیں رہی مگر عمران خان نے تو ہفتہ واری جلسوں سے کمی پوری کردی، مگر طاہر القادری ابھی تک کنٹینر پر چڑھے سیاسی گڈی اڑانے میں داؤ پیچ لگارہے ہیں۔ کبھی عبوری حکومت کی خوشخبری سنا کر اپنے معتقدین کو تسلیاں دیتے ہیں تو کبھی مڈٹرم الیکشن کی نوید سنا کر کل اہم اعلان کا وعدہ کرکے ان کا تجسس بڑھا دیتے ہیں۔ شاید عید کے دنوں تک دھرنا معطل یا ختم ہو جائے، البتہ شیخ رشید کا دعویٰ کہ قربانی سے پہلے قربانی ہو جائے گی۔ فی الحال نواز شریف صاحب امریکہ سے واپسی کے فوراً بعد حج پر روانگی سے قربانی سے بچ گئے ہیں۔ قوم کو پہلے سیلاب میں گھرا چھوڑ کر یو این اسمبلی سے خطاب کرنے امریکہ جانے پر ان کو ہر طرف سے طعنے سننے پڑے۔ خصوصاً بھارتی وزیراعظم نریندر مودی کی طرح

عوامی فلائٹ کے بجائے چارٹرڈ فلائٹ پر اور مہنگے ترین ہوٹل میں ٹھہرنے پر کروڑوں روپے خرچ کرکے فوری اور خالی ہاتھ لوٹنے پر عوام بہت ناراض ہیں۔ جس سے پاکستان کی سبکی ہوئی ہے اور صرف چند جملے کشمیر پر بولنے کے سوا ان کی تقریر میں کچھ نہیں رکھا تھا۔ جس کا بھارتی وزیراعظم نریندر مودی نے جواب تک دینا گوارہ نہیں کیا۔ جس ملک میں ڈیڑھ سال گزرنے کے باوجود حساس ترین ادارہ وزارت خارجہ میں مشیر سے کام چلا کر خاک خارجہ پالیسی بنا سکتا ہے اور بھارتی دعووں اور بھبکیوں کا جواب دے سکتا ہے۔ یہ وہی بھارتی وزیراعظم نریندر مودی ہیں جنہوں نے گجرات میں نہتے مسلمانوں پر ایسے ایسے مظالم ڈھائے، ان کے گھروں کو آگ لگوائی، سیکڑوں معصوم جانوں سے ہاتھ دھو بیٹھے۔ دنیا نے دور بیٹھ کر نظارہ کیا اس کے خلاف کوئی آواز تک نہیں اٹھائی۔ ان مسلم کش فسادات کی وجہ سے اسی امریکہ نے ان کا امریکی ویزا ختم کیا۔ امریکی عدالت نے ان کے خلاف وارنٹ جاری کیئے مگر اس استثنٰی کی بدولت وہ بچ گئے۔ مگر اس دورے پر جو پزیرائی ان کو ملی گذشتہ نصف صدی میں کسی بھی بھارتی سربراہ کو نہیں مل سکی۔ خصوصاً جس کے معصوم مسلمانوں کے ہاتھ خون سے رنگے ہوں اور جس کا نعرہ کہ ہندوستان صرف ہندوؤں کے لئے ہے۔ اس مسلمان دشمنی کی پالیسی نے تمام ہندوؤں کو ایک پلیٹ فارم پر اکٹھا کرکے بی جے پی کو تنہا حکومت دلوادی اور کانگریس کو تمام 27 فیصد مسلمانوں کے ووٹوں کے باوجود شکست کا سامنا کرنا پڑا۔

میرے ایک قاری نے اس بھارتی وزیراعظم نریندر مودی کی امریکہ میں

پزیرائی کی جھلک بھیجی ہے جو پاکستانی عوام کے لئے لمحۂ فکریہ ہے۔ اول ہمارے وزیراعظم کو امریکی صدر کے اسی ہوٹل میں ٹھہرنے کے باوجود ملاقات تک ہمارا سفارتخانہ نہیں کرا سکا جو تضحیک کے مترادف تھا۔ کسی اور سربراہان سے ملاقاتیں نہیں کرائی گئیں۔ اگر سیلاب کی وجہ ہمارے وزیراعظم امریکہ کا دورہ ملتوی کر دیتے تو قوم کو یہ دن نہیں دیکھنا پڑتا۔ غالباً اس کی وجہ امریکی صدر نے ہمارے وزیراعظم کی گرتی ہوئی ساکھ دیکھ کر ان کی طرف سے ہاتھ کھینچ لئے ہونگے اور بھارتی وزیراعظم کی موجودہ شاندار کامیابی کی وجہ سے دستِ شفقت پھیلا دیئے اور ون ٹو ون ملاقات ہی نہیں اربوں ڈالرز کے معاہدے بھی کئے۔ ان چار دنوں میں 2 مرتبہ رات کے کھانے پر صدر اوباما اور وزیر اعظم مودی خصوصی طور پر مدعو تھے۔ پہلی مرتبہ بھارتی وزیراعظم مودی کے لئے نیویارک کے ٹائم اسکوائر میں 20 ہزار افراد کے لئے خصوصی سیٹیں لگائی گئیں جس کی پہلی قطار میں بیٹھنے والوں سے 50 ہزار ڈالرز فی کس وصول کئے گئے۔ وزیراعظم کی خصوصی کوریج وہاں کے تمام چینلز نے لائیو کی اور میٹرو سروس اور خصوصی کوچیز چلائی گئیں اس جلسے میں 3 ریاستوں کے گورنر صاحبان نیویارک کے میئر، سابق صدر بل کلنٹن اور ان کی بیگم، سینیٹ کے نمائندے شریک تھے۔ کروڑوں امریکیوں نے اس قاتل وزیراعظم کی پزیرائی دیکھی اور دوسری طرف یو این او کے دفتر کے باہر سینکڑوں پاکستانیوں کو بھی دکھایا گیا جو " گو نواز گو " کے نعرے لگا رہے تھے۔ امریکہ کی 10 ٹاپ کمپنیوں کے CEO نے ون ٹو ون بھارتی وزیراعظم سے ملاقات کی اور تجارتی تعاون

بڑھانے پر اصرار کیا۔ صرف بھارتی وزیراعظم کو وہائٹ ہاؤس کے خصوصی گیسٹ ہاؤس میں ٹھہرایا گیا۔

اس دورے میں بھارتی وزیراعظم اور صدر اوباما نے 160 ارب ڈالرز سے بڑھا کر 3 گنا یعنی 480 ارب ڈالرز کے معاہدے کیئے۔ جاپان نے 55 ارب ڈالرز کی پیشکش کی۔ 30 ممالک کے بڑے بڑے صنعتکاروں نے بھی بھارتی وزیراعظم کو کھربوں ڈالرز کی تجارتی پیشکش کی جس کو بھارتی تجارتی اداروں سے منسلک کر دیا جائے گا۔ پھر بھارت دنیا میں ان معاہدوں کے بعد تیسری بڑی معاشی ملکوں کی لسٹ میں شامل ہو جائے گا۔ دوسری طرف آج ہی ہماری سیکریٹری خارجہ محترمہ تسنیم اسلم صاحبہ نے اس ہفتے کے اعداد و شمار جاری کیئے ہیں جس میں بتایا گیا ہے کہ دہشت گردی کی وجہ سے پاکستان کو ایک کھرب 3 ارب ڈالرز کا نقصان ہو چکا ہے جس کی وجہ افغانستان جنگ ہے جو ہم پر مسلط کر کے پوری دنیا سے پاکستان کو تنہا کر دیا گیا ہے۔ جس کا بیج بھارت نے بویا اور پوری دنیا نے اس کو پروان چڑھا کر پاکستان کو دہشت گردوں میں شامل کر دیا ہے۔ 32 ارب ڈالرز کا پیکیج چین کے صدر کا دورہ منسوخ ہونے سے کھٹائی میں پڑ گیا ہے جس سے ہمارے ملک کی معیشت مکمل تباہی کی طرف جا چکی ہے۔ 18 کروڑ عوام کا بال بال آئی ایم ایف کو گروی رکھوا کر من مانی شرائط پر قرضے حاصل کیئے جا چکے ہیں، کیسے اور کون ادا کرے گا۔ اس دورے کے اخراجات سے اندازہ لگائیں اس دورے سے ہم نے کیا کھویا اور کیا پایا۔ اب تو قوم کے دل سے آوازیں آنے لگیں ہیں " گو نواز گو

"

آخری خبریں آنے تک ایک صدمہ اور پاکستانی قوم کو اٹھانا پڑا کہ جس پی آئی اے کے بہادر ذمہ دار نے رحمان ملک اور رمیش کمار کو جہاز میں دیر سے آنے کی وجہ سے سوار نہیں ہونے دیا تھا اس کی نوکری ختم کردی گئی ہے اور سینیٹ کی قائمہ کمیٹی نے بھی اس کے خلاف استحقاق جمع کرا کر رپورٹ طلب کر لی ہے اور اس کی مذمت بھی کی کہ دونوں کا استحقاق مجروح ہوا ہے۔ گویا وی آئی پی کلچر کے خلاف کچھ رد عمل بھی برداشت نہیں ہو سکتا ہے۔ مجھے تو اپنے لکھاری بھائیوں پر حیرت ہوتی ہے کہ جو انفرادی شکایتیں شریف برادران کے گوش گزار کرتے ہیں، مگر انہیں الیکشن میں دھاندلی نظر نہیں آتی جس کی شروع سے عمران خان نشاندہی کر چکا تھا۔

ذرا سوچئے

گزشتہ ہفتے کے کالم میں راقم نے کینیڈا کے وزیر اعظم جسٹن ٹروڈو کے بارے میں لکھا تھا کہ وہ اپنے والد کے دوست کے ریزارٹ پر گئے تھے اور ان کو اپوزیشن کے آگے جواب دہ ہونا پڑا تھا کہ وہ سرکاری عہدہ رکھتے ہوئے دوسروں کا جہاز استعمال کیوں کیا اور وہاں کیوں گئے۔ اس سلسلے میں مجھے غیر معمولی ای میل ملیں جس میں ان معلومات فراہم کرنے پر میرے قارئین نے شکریے کے ساتھ لکھا کہ مزید تفصیل سے کینیڈا کے بارے میں اور بھی لکھوں۔ جیسا کہ میں نے لکھا تھا کہ یہاں گورنمنٹ ملازم چاہے وہ حکومتی کیوں نہ ہو اس کو اپوزیشن کے آگے جوابدہ ہونا پڑتا ہے۔ یہاں بہت سے پاکستانی اپنے علاقے میں کونسلرز بھی منتخب ہو چکے ہیں اور چند ایک وزیر بھی رہ چکے ہیں۔ بہت سے علاقوں کے گورنر بھی ایشیائی باشندے ہیں۔ ان ایشیائی باشندوں جن میں پاکستانیوں کے علاوہ بھارت، چین اور کوریا سے آئے ہوئے تقریباً 40 فیصد افراد اب کینیڈین باشندے بن چکے ہیں۔ انہیں کینیڈین باشندوں کے برابر سہولتیں حاصل ہیں، پوری مذہبی آزادی ہے، ہر شہر میں ان کی عبادت گاہیں ہیں جن میں وہ آزادی کے ساتھ عبادت کر سکتے

ہیں۔صرف ساڑھے تین کروڑ کی آبادی والے ملک میں کھربوں ڈالر کی تجارت کرتے ہیں۔ہر شخص خوشحال ہے۔اگرچہ مہنگائی بہت ہے ایک کلو مرغی کا گوشت جو سب سے سستا سمجھا جاتا ہے پاکستانی 400روپے کلو اور گائے بکرے کا گوشت 600روپے کلو سبزیاں، پھل 250روپے سے لے کر 400روپے کلو تک ملتے ہیں۔ایک روٹی کی قیمت 100روپے سے زیادہ ہے۔اس طرح دالیں، چاول، مسالے سب باہر سے آتے ہیں وہ بھی 3چار سو روپے تک ملتی ہیں۔حکومت انسانوں سے زیادہ جانوروں، پرندوں، کتے، بلی کی حفاظت کرنے تمام دنیا سے آگے ہیں آپ ان کو اگر نقصان پہنچادیں تو یہ بہت بڑا جرم سمجھا جاتا ہے۔ایک رات ہم کھانا کھا کر واپس آرہے تھے کہ سڑک پر ایک جنگلی ہرن گاڑی سے ٹکرا کر مراپڑا تھا۔اس کے اردگرد پولیس اور ایمبولینس کھڑی تھیں اور گاڑی والے سے پوچھ گوچھ ہو رہی تھی آیا وہ گاڑی جس سے وہ ٹکرا کر مرا تھا کہیں ڈرائیور بے احتیاطی سے تیز تو نہیں چلا رہا تھا۔وہ ہرن کو کیوں نہیں بچا سکا کیونکہ جگہ جگہ جنگل اور بڑے فارم ہاؤس ہیں۔سڑک پر بورڈ آویزاں ہوتا ہے۔یہاں سے ہرن رات کو اکثر نکل آتے ہیں لہٰذا یہاں سے آہستہ گزرا جائے۔جہاں میں نے کینیڈا کے بارے میں اچھائیاں لکھی ہیں وہاں خرابیاں بھی لکھتا چلوں کہ اس ملک میں معاشرتی برائیاں بھی ہیں۔آزادی اس حد تک ہے کہ عورت عورت سے اور مرد مرد سے شادی کرسکتا ہے اس کو قانونی آزادی ہے حتیٰ کہ مرد اور عورت بغیر شادی کے رہ سکتے ہیں اور بچے بھی پیدا کرسکتے ہیں اس لئے حکومت کی تمام دستاویزات میں

بچے کے خانے کے آگے باپ کا نام نہیں ہوتا صرف ماں کا نام لکھا جاتا ہے۔عورتوں کو مکمل تحفظ حاصل ہے اگر خاوند اس سے مار پیٹ کرے تو پولیس خاوند کو گرفتار کر کے سزا دلواتی ہے آپ اس کی مرضی کے خلاف کوئی کام نہیں کر سکتے۔طلاق کی صورت میں مرد کی آدھی جائیداد بیوی کو مل جاتی ہے اگر عورت زیادہ مالدار ہو تو غریب خاوند کو اس کی آدھی جائیداد ملتی ہے۔بچوں کی تعلیم اور دیگر اخراجات کا ذمہ دار مرد ہوتا ہے جب تک بچہ بالغ نہ ہو۔اگر خاوند کے پاس دولت نہ ہو تو ایسی صورت میں حکومت اس بچے کو کفالت میں لے لیتی ہے اس طرح تمام بچوں کو آپ ڈانٹ ڈپٹ یا ہاتھ بھی نہیں لگا سکتے۔اگر آپ نے بچے کو تھپڑ مار دیا اور اس کا نشان پایا گیا تو اسکول کی ٹیچر فوراً پولیس کو مطلع کر دیتی ہے۔پولیس بچے سے پوچھ گچھ کر کے معلوم کرتی ہے کہ اس کو ماں نے مارا ہے یا باپ نے جو بھی ملوث ہوگا اس کو گرفتار کر کے سزا دی جاتی ہے خواہ بچے نے بدتمیزی ہی کیوں نہ کی ہو یا پھر بچوں کی ہیومن سوسائٹی بچے کو اپنی تحویل میں لے لیتی ہے۔اگر ماں باپ پولیس کو اور اس سوسائٹی کو لکھ کر معافی دیں اور ساتھ یقین دہانی کرائیں کہ وہ آئندہ بچے سے سختی سے پیش نہیں آئیں گے اور اس کا احترام کریں گے تب جا کر واپس بچے کو حوالے کر دیا جاتا ہے اگر بچہ واپس جانے پر آمادہ نہ ہو تو پھر وہ حکومت اور سوسائٹی کی کفالت میں پلے بڑھے گا۔ہمارے معاشرے میں ماں باپ کا احترام لازمی ہوتا ہے مگر وہاں 18سال بعد جب قانوناً لڑکا لڑکی بالغ ہو جاتے ہیں تو وہ اپنی مرضی کے خود مختار بن جاتے ہیں خواہ وہ ماں باپ کے ساتھ رہیں یا جہاں چاہیں جس کے

ساتھ رہیں وہ دونوں آزاد اور خود مختار ہو جاتے ہیں یہاں تک کہ اپنی مرضی سے وہ جس سے چاہیں شادی کر سکتے ہیں آپ ان پر کوئی پابندیاں نہیں لگا سکتے البتہ سال میں ایک دن وہ مدر ڈے اور فادر ڈے ماں باپ کے نام پر مناتے ہیں ان کو پھول یا کارڈ بھیج کر سمجھتے ہیں کہ انہوں نے ماں باپ کا فرض ادا کر دیا ۔ بہت سے والدین تو اس دن بڑی شدت سے انتظار کرتے ہیں کہ ان کے بچے ان سے ملنے آ جائیں گے مگر اب آہستہ آہستہ ملنے ملانے سے بھی وہ کتراتے ہیں وہ بچے خود اپنے آپ میں مگن رہتے ہیں یا پھر ویک اینڈ پر اگر ان کو فرصت ہو تب وہ جا کر مل لیتے ہیں ایک پاکستانی ڈاکٹر جو 30 سال سے ایک بڑے ہسپتال میں ملازمت کر رہے ہیں انہوں نے بتایا کہ جب یہ بوڑھے والدین ہسپتال میں آخری دن گزار رہے ہوتے ہیں تو ان کے بچے ہسپتال میں بھی آنے کی زحمت گوارا نہیں کرتے صرف فون کر کے پوچھتے ہیں کہ یہ زندہ ہیں تو ان کو مایوسی ہوتی ہے اگر وہ مر جائیں تو ان کو جائیداد ملنے کی توقع ہو سکے۔ ہر کینیڈین اپنی آمدنی اپنے اوپر ہی خرچ کرنا پسند کرتے ہیں ۔ بینک اور سود سے وہ مکان خریدتے ہیں سود ادا کرتے کرتے انکی ساری عمر گزر جاتی ہے بڑھاپے میں جا کر وہ مکان کے مالک بنتے ہیں۔ کریڈٹ کارڈ پر وہ اپنی تمام ضروریات پوری کرتے ہیں اور وہ قسطیں ادا کر کے اپنی پوری زندگی گزارتے ہیں اگر اس معاشرتی برائی اور قرضوں کا نظام دیکھیں تو ہمارا ملک اس سے بہت بہتر ہے ان کو ہر کام حتیٰ کہ مکان کی صفائی، کھانا پکانا، برتن صاف کرنا، کپڑے خود اپنے ہاتھ سے دھونے میں انکی زندگی گزر جاتی

ہے۔ ذاتی ملازم کا کوئی تصور نہیں ہے۔ جب ہم دیارِ غیر میں ہوتے ہیں تو ہم کو اپنا ملک بہت یاد آتا ہے مگر جب اپنے ملک میں ہوتے ہیں تو یہ دیارِ غیر جنت لگتا ہے۔ اگر اس پر غور کریں تو یہ ان ممالک کی اچھائیاں جو انہوں نے ہمارے مذہب سے چُرا لیں اور انکی برائیاں ہم نے اپنا لیں۔ آج وہ پوری دنیا میں سرخرو ہیں ہم ان کی برائیاں اپنا کر ذلیل و خوار ہو رہے ہیں۔ کاش ہم سوچیں۔

ایک پاکستانی کا ایک ملین ڈالرز کا سوال قوم سے ہے

آج میں کنیڈا سے امریکہ آیا ہوں میرے ایک بہت ہی پیارے دوست فلوریڈا میں چھ سات سال پہلے پاکستان سے یہاں شفٹ ہوئے تھے پاک فوج سے اُنکا تعلق تھا بہت سادہ مزاج دونوں میاں بیوی اسلام آباد میں رہتے تھے فوج میں رہتے ہوئے کبھی کوئی بھی جائیداد نہیں بنائی فوج کی طرف سے جو بھی زمین ملی وہ بیچ کر بچوں کو پڑھایا خاندان کی دیگر ذمہ داریاں پوری کیں مجھے ایسے آئیڈیل دوست سے ملنے کے بعد پھر ملنے کی شدید خواہش رہتی ہے اور شاید وہ بھی ایسی ہی خواہش رکھتے ہیں صرف ایک دن پہلے وہ پاکستان سے اپنے ایک عزیز کی شادی میں شرکت کے بعد واپس آئے تھے جو کراچی میں تھی میری بدقسمتی جس دن انہوں نے پاکستان آنا تھا اس دن میری کنیڈا روانگی تھی سو میں نے معذرت کی مگر وعدہ کیا جس دن آپ فارغ ہو کر امریکہ آئیں گے میں آپ سے ملنے ہمیشہ کی طرح ضرور آوں گا۔ وہی ہم نے کیا اور پھر میں جب امریکہ (فلوریڈا) پہنچا تو انہوں نے ایئرپورٹ پر مجھے ریسیو کیا میری اور انکی بیگم دونوں بہت خوش ہوئیں اس مرتبہ انہوں نے اپنے

گھر کے بجائے دو گھنٹے کی ڈرائیو پر ایک بہت خوبصورت سمندری ریسٹورنٹ کلیئر وائر جو سمندر کے بیچ پر ہے اس پر میرا کمرہ بک کروایا ہوا تھا اور خود بھی معہ بیگم ہمارے ساتھ ٹھہر گئے سمندر کی خوبصورت بیچ پر ہم دونوں بہت خوش تھے ہماری بیگمات بھی سمندر کی لہروں کا لطف اٹھا رہی تھیں کہ میں نے دوست سے پوچھا جناب شادی کیسی رہی اور آپ کا ایک ہفتے کا پاکستان جانا کیسے رہا؟ پہلے تو وہ ہنسے کیونکہ عاداتاً دونوں میاں بیوی بہت ہنس مکھ ہیں پھر کہنے لگے اس دفعہ پاکستان جا کر کچھ زیادہ خوشی نہیں ہوئی سوائے ایک دن کے جس دن میرے گھر میں جو خوشی کی تقریب تھی پہلے تو کراچی میں ہر شخص ڈرا ڈرا رہتا ہے آئے دن کے حادثات تو چلیں ہم بھگت لیں مگر خدشات کچھ بھی ہو سکتا ہے ہماری حکومت تو اب بانجھ ہو چکی ہے کوئی صوبہ ہو یا کوئی شہر ہو عوام اب اس کی عادی ہو چکی ہے دوسرے الفاظ میں بے بس ہو چکی ہے جو یہاں امریکہ میں ایسا کوئی سوچ بھی نہیں سکتا کہ کوئی آپ سے ایسی غلطی کر سکتا ہے یہاں ہر چیز کے لئے قانون موجود ہے اب پاکستان میں قانون نام کی کوئی چیز نظر نہیں آتی جبکہ پولیس، رینجرز، فوج عدلیہ انتظامیہ ایف آئی اے نیب آٹھ سے زیادہ قوتیں قانون پر عمل درآمد کے لئے موجود ہیں مگر انتظامیہ اور بیوروکریسی کوئی بھی اپنے کام میں دلچسپی نہیں رکھتا اور نہ ہی ان کا آپس میں کوئی باضابطہ رابطہ ہے۔ پھر انہوں نے کہا جب چھ سات سال پہلے ہم امریکہ آئے تھے تو ہم دونوں میاں بیوی امریکہ کی مہنگائی سے تنگ تھے ہر چیز کا پاکستان کی سستی چیزوں سے موازنہ کرتے تھے تو کہتے تھے بھئی ہمارا ملک کتنا سستا ہے پھر

ہماری آمدنی بھی پاکستانی روپے سے ڈالرز میں ہونی شروع ہوئی تو پھر ہم نے سمجھوتہ (کمپرومائس) کرلیا اور حساب کتاب کرنا چھوڑ دیا مگر جب ہم دوبارہ پاکستان لوٹے اور پاکستانی اشیاء کی قیمتوں کا موازنہ کرنا شروع کیا تو ہم حیران رہ گئے بہت سی اشیاء تو امریکہ سے بھی مہنگی پاکستان میں فروخت ہورہی ہیں جبکہ ڈالر پاکستان سے 100 فیصد زیادہ ہے وہ حیران تھے پاکستان روپیہ میں کمانے والے کیسے ڈالر میں کمانے والوں کا مقابلہ کررہے ہیں امریکہ میں پیٹرول 50 روپے لیٹر میں ملتا ہے جبکہ پاکستانی عوام امریکی عوام سے زیادہ قیمت ادا کررہا ہے یا پھر حکومت پاکستانی عوام کو بیوقوف بنارہی ہے یہاں ایک ڈالر کلو کی سبزیاں پاکستان میں سوروپے فی کلو فروخت ہورہی ہیں یہاں 6 ڈالرز فی کلو میں بکرے کا گوشت ملتا ہے جبکہ پاکستان میں 800 روپے فی کلو گوشت ہے دالیں اور دیگر اشیاء وغیرہ سب امریکہ کے مقابلے میں دگنی قیمتوں پر فروخت ہورہی ہیں دوسری اہم بات جوانہوں نے بتائی شادی میں خواتین جس طرح میک اپ، کپڑے اور سونے سے لدھی آتی ہیں ہم امریکہ میں سوچ بھی نہیں سکتے یہاں بہت سادگی سے شادیاں ہوتیں ہیں کوئی بھی نمود ونمائش نہیں ہوتی پاکستان دس ہزار سے 50 ہزار تک دلہن شادی کے لئے بیوٹی پارلر سے تیار ہوتی ہے دس دس لاکھ کا شادی کا جوڑا جو صرف ایک رات کے لئے بنتا ہے دوسری دفعہ استعمال ہی نہیں ہوتا۔ کھانے امریکہ میں سادہ ہوتے ہیں جبکہ پاکستان میں طرح طرح کے مرغن کھانے اور وہ بھی رات دیر گئے تک کھلائے جاتے ہیں آدھی رات کو دلہن وداع ہوتی ہے

یہ کیسا دہشت زدہ ملک ہے اور کیسا غریب ملک ہے جو آئی ایم ایف اور بھیک کے لئے ہر ایک کے در پر ہاتھ پھیلائے بیٹھا ہے جس کے حکمران خودکھرب پتی اور انکے ڈالرز بیرونِ ملک کے بینکوں میں رکھے ہوئے ہیں اور انکے دیگر ملکوں میں اثاثے بھی ہیں (جائیدادیں) مگر اپنے عوام کے لئے ہمدردی کے بول کے سواء کچھ نہیں رکھتے آخر میں بڑے دکھ سے اظہار کرتے ہوئے کہتے ہیں ہم سے دگنی قیمت پر پیٹرول فروخت کرنے کے باوجود آپکی حکومت رات میری گاڑی میں مہنگا پیٹرول تین گھنٹوں کے انتظار کے بعد آدھا ٹینک بھی فراہم نہ کرسکی کیا ہوگیا ہے ہر چیز کی انتہاء ہوتی ہے کیا یہ وہی پاکستانی قوم ہے جس کو میں صرف 6 سات سال پہلے چھوڑ کر گیا تھا تین حکمران آئے اور چلے گئے افسوس صد افسوس اب ایک پاکستانی کو خود پاکستان آنے پر وحشت اور مہنگائی کا سامنا کرنا پڑتا ہے اب کون اس قوم کو نکالے گا۔ ایک ملین ڈالرز کا سوال ہے۔

پاکستان کا دانشمندانہ فیصلہ

بھارت کو پاکستان نے پسندیدہ ترین ممالک میں شامل کرنے کا اعلان کر دیا جس کی ایک ہفتے سے خبریں گردش کر رہی تھیں۔ کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ یہ ہمارے حکمرانوں نے امریکہ کے دباؤ میں آکر جس طرح افغانستان کے لئے ٹریڈ ٹرانزٹ کی اجازت دی تھی اس فیصلے کا ردعمل پہلے وزیراعظم یوسف رضا گیلانی کی کابینہ میں دبے لفظوں میں مخالفت کی گئی پھر سینیٹ کے اجلاس میں کھل کر ان خدشات کا اظہار کیا گیا جس کی وجہ سے پاکستان کو تجارتی توازن میں مزید نقصان پہنچنے کا احتمال ہے۔ یعنی بھارت پہلے ہی پاکستان سے اوسطاً 10 فیصد سے بھی کم درآمد کرتا ہے وہ بھی خاص خاص اشیاء جو بھارت میں نہیں بنتیں یا پھر پاکستان کی قیمتیں بیرونی ممالک سے ارزاں ہوں تب ہی ان کے درآمد کنندگان منگواتے ہیں۔ یہ فیصلہ اگرچہ بالکل یکطرفہ ہے مگر پاک بھارت تعلقات میں بہتری لانے کے لئے نہایت مفید اور کارآمد ثابت ہوگا اس کی وجہ پاکستان کی طرف سے یہ خیر سگالی جذبات یقیناً برف پگھلنے میں بہت مددگار ہی نہیں بلکہ بارش کا پہلا قطرہ جس سے زمین کی گرمائش اور تپش میں کمی ہوتی

ہے۔ بھارتی حکمرانوں کو اعتدال کی سیاست پر مجبور کرے گی اور امن کی آشا جس کو چند سال سے ہمارے صحافتی ادارے دل و جان سے چاہتے تھے اس میں بھی بہتری آئے گی۔ یہ بھی حقیقت ہے کہ پاکستانی عوام بھارت سے اچھے تعلقات کے اگر 80 فیصد خواہاں ہیں تو بھارتی عوام بھی 60 فیصد تک پاکستان سے دوستی کا ہاتھ بڑھانے میں حکومت کو مجبور کرتے رہے ہیں۔ اگر قیام پاکستان سے بھارتی حکمران دل سے پاکستان کو تسلیم کر لیتے تو دونوں ملکوں کا کھربوں ڈالرز کا غیر ضروری زرمبادلہ (Foreign Exchange) جو فوجی اخراجات کی وجہ سے ضائع ہونے سے بچ جاتا اور تجارتی منافع اس کے علاوہ ہوتا اور دونوں پڑوسی ایک دوسرے کے اچھے برے وقت میں کام آسکتے تھے جس کو ہمارے مشترکہ چھپے ہوئے دشمنوں کی سازش قرار دی جا سکتی ہے جنم نہیں لیتی اور 2 جنگیں جن میں ہزاروں بے گناہ فوجی اور شہری مارے گئے وہ بھی نہ مرتے۔ بہرحال دیر آید درست آید۔ اس موجودہ حکومت سے جہاں عوام مہنگائی، بجلی کے بحران، دہشت گردی کی وارداتوں اور کرپشن سے نالاں ہیں اور جن کے وزراء کی کارکردگی کرپشن کے سواء کچھ نہیں ہے، شاید تاریخ اس فیصلے کو سراہے اور دونوں قوموں کی جہالت، غربت کے خاتمے کا پیش خیمہ ثابت ہو۔ اب بال بھارت کے کورٹ میں ہے کہ وہ کس طرح اس خیر سگالی کے جذبات کا جواب کیسے دے، اگر بھارت کی طرف سے مثبت جواب نہیں دیا گیا تو سمجھیں یہ بھارت کی سنگین غلطی ہوگی اور وہ ایک سنہری موقع گنوا بیٹھے گا۔ پھر شاید ہی کوئی حکومت ایسی آئے جو اس طرح کی یکطرفہ مراعات کا

اعلان کرنے کی ہمت کرے اس کی وجہ بھی صاف ہے کہ اس وقت عملی طور پر غیروں کی تعداد قومی اسمبلی ہو یا سینیٹ موجودہ حکومت بہر حال اکثریت میں ہے اور وہ اس فیصلے پر عمل درآمد کرنے کی پوزیشن میں بھی ہے۔ آخر کسی نے تو پہل کرنی تھی ماضی میں بھی نواز شریف کے دور میں اُس وقت کے بھارتی وزیر اعظم اٹل بہاری واجپائی نے واہگہ کے راستے پاکستان میں آکر دوستی کرنے کی خاطر ایک کوشش کی تھی مگر افسوس اپوزیشن نے اس یاترا کو نا کام بنایا پھر کارگل کا واقعہ اُس پر مزید تلخ یادیں بڑھا گیا اور آخری موقع ہم نے ممبئی تاج محل ہوٹل پر دہشت گردی کے الزامات دونوں ملکوں کے عوام کو ایک دوسرے سے بدظن کر گئے جس کی وجہ سے موجودہ حکومت پر ایک بوجھ یہ بھی تھا جو اس نے اپنے کندھوں سے اس تجارتی راستے کو کھول کر اتار دیا ہے اگر تجارتی نقطۂ نظر سے دیکھا جائے تو ایک طرف بھارت کو 18 کروڑ کی تجارتی منڈی مل رہی ہے تو دوسری طرف پاکستان صنعتکاروں کو 130 کروڑ کی منڈی تک رسائی حاصل ہوگی۔ پاکستان کی کرنسی چونکہ بھارت کی کرنسی سے تقریباً آدھی ہے اس وجہ سے اگر صحیح طریقے سے تجارت کرے تو ہم بھارت میں اپنی مصنوعات کو فروغ دے سکیں گے۔ دوسری طرف ہم پہلے ہی اربوں ڈالرز کی امپورٹ دبئی اور دیگر ذرائع سے کر کے اضافی اخراجات کرتے رہے ہیں، ایک طرف تو وہ اضافی اخراجات اور وقت کا ضیاع سے ہونے سے بچے گا تو دوسری طرف یورپ اور امریکہ سے ہم 80 فیصد جو خام مال مہنگے داموں منگواتے رہے ہیں اب ہم براہِ راست سستے داموں بھارت سے منگوا سکیں گے اور جب دونوں

ممالک اس میں ڈیوٹیوں کی کمی کا اعلان کرینگے تو عوام کو سستی اشیاء فوری طور پر مل سکیں گی۔ بھارتی صنعتکار پاکستان آکر نیک نیتی سے کاروبار بڑھائیں گے تو اس میں دونوں ہی ملکوں کی معیشت پروان چڑھے گی۔ آخر یورپی یونین اور گلف ممالک میں ایک دوسرے سے تجارت کے راستے کھول کر عوام کو سستی اور اچھی اشیاء اور وقت کی بچت کر کے فراہم کی ہیں، ہم کیوں ان تجربات سے فائدہ نہیں اٹھا سکتے۔ اگر چہ ہم بھی ایسی ہی ایک تنظیم جو سارک کے نام سے قائم ہے جسے قائم ہوئے تقریباً 18 سے 20 سال سے زیادہ ہو چکے ہیں مگر آج تک کوئی ایسا اقدام نہیں کیا جس سے ان ممالک کے عوام کو فائدہ پہنچتا اور ان کے ممبر ممالک کی معیشت بہتر ہوتی۔ کاش سب سارک ممالک کے ممبر حکمران ایک مرتبہ پھر بیٹھ کر ماضی کا جائزہ لیں کہ کس طرح سے 2 ارب سے زیادہ پڑوسی عوام آج تک غربت، جہالت، بیماری کے مارے بے سکون کھلے آسمان تلے زندگی گذار رہے ہیں آج تک ہماری سرحدیں بند ہیں، عوام بغیر ویزے کے ایک دوسرے کے ملک میں آجا نہیں سکتے اور ایک دوسرے سے آزادانہ تجارت بھی نہیں کر سکتے اور سات سمندر پار کی ملٹی نیشنل کمپنیوں کے مہنگے سامان خرید خرید کر اپنا اپنا زرِ مبادلہ ضائع کر رہے ہیں اور ان تک ہماری کوئی رسائی نہیں ہے اور وہ کھلے عام ہمارے ملکوں میں اپنی من مانی قیمتوں میں مال فروخت کر کے اپنے عوام کی فلاح و بہبود کا ذریعہ بنے ہوئے ہیں اور ہم ایک دوسرے سے دست و گریباں ہو گئے اور نادانی میں ان کی سازشوں کی وجہ سے ایک دوسرے سے نفرت کر رہے ہیں ان کے بہکاوے میں آکر ایک

دوسرے سے دور ہوتے جا رہے ہیں اور ان کا بیکار اسلحہ خرید کر انکے عوام کو خوشحال اور اپنے عوام کو بدحالی کے کنویں میں دھکیل رہے ہیں۔ ہمارے ان ہی ممالک کے قیمتی دماغ (Brain) انکے ممالک میں جا کر اپنی تعلیمی صلاحیتوں سے ان کو فائدہ پہنچا رہے ہیں۔ کاش ہم سب سوچیں کہ ہم 2 ارب عوام مل کر دنیا میں انقلاب لا سکتے ہیں خواہ وہ صنعتی انقلاب ہو یا تعلیمی انقلاب ہو ہم کو ان کی ضرورت نہیں ہے بلکہ اُن کو ہماری ضرورت ہے جو ہمارے پاس افراد کی تعداد ان سے کہیں زیادہ ہے۔ وہ ہم سے مادی فوائد حاصل کر رہے ہیں اور نادانی میں ان کے ہاتھ مضبوط کر کے اپنے عوام کا اپنے ہی ہاتھوں گلہ گھونٹ رہے ہیں۔ اگر پاکستان اور بھارتی تعلقات بہتر ہو گئے تو ایک نہ ایک دن ہم مل بیٹھ کر مسئلہ کشمیر بھی حل کر لینگے اور سچی بات تو یہ ہے کہ اس مسئلے کو پاکستان اور بھارت 67 سال میں بھی حل نہیں کر سکے اس مسئلے کو دونوں کشمیری عوام پر چھوڑ دیں کہ وہ کیا چاہتے ہیں خود فیصلہ کریں کہ کس طرح اس خطے میں ایک مرتبہ پھر امن و امان کی فضاء بیدار ہو گی اور عوام خوشحالی کی زندگی بسر کر سکیں گے۔

پانامہ لیکس کا ڈراپ سین

افلاطون نے کہا تھا کہ قانون ایک مکڑی کا جال ہے جس میں صرف چھوٹے چھوٹے کیڑے مکوڑے پھنستے ہیں۔ بڑے جانور جالا توڑ کر نکل جاتے ہیں۔ پانامہ لیکس کا فیصلہ آیا تو عوام اُس کو بالکل نہیں سمجھ سکی کہ دونوں پارٹیاں خوشیاں منا رہی ہیں۔ الگ الگ مٹھائیاں بانٹ کر کھا رہی ہیں، کس لحاظ سے یہ تاریخی ہوا یہ بھی اُن کی سمجھ سے بالاتر ہے۔ بچپن میں ہم نے ایک طوطا اور طوطی کی کہانی پڑھی تھی ممکن ہے آپ نے بھی پڑھ رکھی ہو یا سن رکھی ہو، چلئے میں دوھرا دیتا ہوں۔ ایک طوطا، طوطی ایک ویران اُجڑے علاقے سے گزرے طوطی نے طوطے کو مخاطب کر کے کہا لگتا ہے یہاں سے اُلوؤں کا گزر ہوا ہو گا تب ہی یہ علاقہ کھنڈر ہو گیا۔ جب یہ دونوں باتیں کر کے گزرے تو نزدیک ہی ایک اُلو درخت پر بیٹھا تھا اُن کے باتیں سن رہا تھا وہ اُڑ کر ان دونوں کے پاس آ کر بڑے خلوص سے بولا، لگتا ہے تم پردیسی ہو دور پرے سے آئے ہو تم تھک گئے ہو گے۔ آج رات میرے مہمان بن کر میرے گھر پر بسیرا کرو، کھانا میرے ساتھ کھاؤ، صبح چلے جانا۔ دونوں نے حامی بھری اُس کے ساتھ اُس کے گھر ٹھہر

گئے اُس نے اُن کی ضیافت کی۔ دونوں کھا پی کر سو گئے۔ صبح جب اُلو کا شکریہ ادا کر کے جانے لگے تو اُلو بولا میاں طوطے تم جا سکتے ہو، مگر طوطی کو تم ساتھ نہیں لے جا سکتے وہ میری بیوی ہے،طوطے نے گھبرا کر کہا کہ طوطی تمہاری بیوی کیسے ہوسکتی ہے ،یہ میری بیوی ہے میرے ساتھ آئی تھی میرے ساتھ ہی جائیگی۔طوطے کی بات سن کر اُلو بگڑ گیا۔اُسے آنکھیں دکھا کر بولا دیکھتا ہوں کہ تم میری بیوی کیسے لے کر جاؤ گے۔دونوں جھگڑنے لگے تو اُلو نے کہا کہ اگر تم کو میری بات منظور نہیں ہے تو قاضی کے پاس چلتے ہے وہ جو فیصلہ کرے گا ہم دونوں کو منظور ہوگا۔تینوں قاضی کی عدالت میں پہنچ گئے دونوں نے طوطی پر اپنا حق جتایا کہ یہ اُس کی ہی بیوی ہے طوطی سہمی ہوئی دونوں کے دلائل سنتی رہی ،قاضی نے دونوں کے دلائل سننے کے بعد فیصلہ سنایا کہ طوطی اُلو ہی کی بیوی ہے۔طوطے نے فیصلہ سنا اور روتے ہوئے اکیلا ہی جانے لگا تو باہر آ کر اُلو نے طوطے کو آواز دی تو طوطے نے کہا کہ اب اور کیا چاہئے ،میرے پاس تمہیں دینے کیلئے اب کچھ نہیں ہے،تو اُلو بولا کہ مجھے کچھ نہیں چاہئے یہ طوطی تمہاری ہی بیوی ہے مگر میں تم کو ایک بات بتانا چاہتا ہوں کہ آبادیاں اُلوؤں کے گزرنے سے نہیں اُجڑتیں،مگر جب انصاف اُٹھ جاتا ہے تو قومیں اُجڑ جاتیں ہیں۔زمین پر کچھ نہیں بچتا، جاؤ اپنے بیوی کے ساتھ مزے اُڑاؤ، مگر آئندہ الزام اُلوؤں پر مت لگانا۔طوطا خوشی خوشی اُس اُجڑے گاؤں سے تیزی کے ساتھ اُڑ کر چلا گیا۔ لگے ہاتھوں ایک اور قاضی کا ٹیکنیکل فیصلہ بھی ہم نے پڑھ رکھا ہے۔موقع غنیمت ہے وہ بھی سُن لیں۔ایک شخص اپنی مرغی ذبح کر کے

مرغی والے کے پاس لایا کہ اس کو صاف کر کے ٹکڑے ٹکڑے کر دے ،مرغی والے نے کہا کہ اس میں وقت لگے گا وہ مرغی چھوڑ کر چلا گیا تھوڑی دیر بعد قاضی اُس مرغی فروش کے پاس آیا اور مرغی طلب کی ،مرغی والے نے کہا کہ اُس کے پاس سے تمام مرغیاں فروخت ہو چکی ہیں ،کوئی مرغی نہیں بچی ہیں۔قاضی نے کہا یہ کس کی مرغی یہاں پڑی ہے یہ مجھے دے دو،مرغی فروش نے کہا کہ یہ خریدار خود ذبح کر کے مجھے بنانے کے لئے چھوڑ گیا ہے میں نہیں دے سکتا۔قاضی نے کہا کہ یہ مجھے دے دو اور کہنا کہ مرغی اُڑ گئی تھی اگر وہ پھر بھی نہ مانے تو مقدمہ میرے پاس لے آنا میں فیصلہ کر دونگا۔لاچار مرغی فروش نے وہ مرغی قاضی کے حوالے کر دی کہ اللہ میرا پردہ رکھے۔کچھ دیر بعد مرغی والا خریدار واپس آیا تو مرغی فروش نے کہا کہ اچھا وہ تمہاری مرغی تھی وہ تو تمہارے جاتے ہی اُڑ گئی تھی۔مالک مرغی والے سے بولا یہ کیسے ممکن ہے میں نے خود ذبح کر کے دی تھی ،مری ہوئی مرغی کیسے اُڑ سکتی ہے۔وہ جھگڑنے لگا تو مرغی فروش نے کہا کہ مجھ سے جھگڑا مت کرو ہم قاضی کے پاس چلتے ہیں۔مالک نے کہا کہ چلو قاضی کے پاس چلتے ہیں ،قاضی کے پاس جاتے ہوئے راستے میں اُس کا جھگڑا ایک یہودی سے ہو گیا۔اُس کے ہاتھ سے یہودی کی آنکھ پھوٹ گئی۔اب 2 مقدمے ہو گئے یہودی کے بیٹے نے اُس کو پکڑنے کی کوشش کی تو وہ مرغی فروش دوڑ کر پہاڑ پر چڑھ گیا ،یہودی کا بیٹا اُس کے پیچھے دوڑا تو اُس نے چھلانگ لگا دی ، نیچے وہ ایک بوڑھے شخص پر گرا۔تو وہ بوڑھا مر گیا اُس کے بیٹے نے بھی پکڑ لیا اُس کو قاضی کی عدالت میں پیش کر دیا گیا۔

253

قاضی مرغی فروش کو دیکھ کر سمجھ گیا مگر اُس کو نہیں معلوم تھا کہ اب 3 فریق بن چکے ہیں۔ پہلے تو وہ گھبرایا مگر پھر نارمل انداز میں ہر مقدمے کے الگ الگ فریق کو بلایا۔ سب سے پہلے اس نے مرغی کے اصلی مالک کو بلایا تو اس نے بتایا کہ میں نے اپنی مرغی خود ذبح کی تھی، صرف صاف کرنے اور ٹکڑے بنانے کے لئے اس مرغی فروش کو دے کر گیا تھا۔ مگر جب میں واپس لینے آیا تو مرغی فروش نے کہا کہ مرغی اڑ گئی۔ آپ بتائیں کہ مری ہوئی مرغی کیسے اڑ سکتی ہے۔ قاضی نے مرغی فروش سے کہا کہ تم کیا کہتے ہو، مرغی فروش بولا کہ اللہ اور اس کی قدرت سے مردے میں بھی جان پڑ سکتی ہے۔ یہ تو معمولی مرغی ہے، اللہ کے حکم سے اڑ سکتی ہے۔ کیوں قاضی صاحب اللہ کی قدرت سے ایسا ناممکن ہے؟ قاضی نے کہا کہ بے شک اللہ کی قدرت سے سب ممکن ہے۔ تو مرغی کے مالک نے سر جھکا دیا اور اپنا مقدمہ واپس لے لیا۔ پھر قاضی نے یہودی کے لڑکے کو بلایا تو اس نے کہا کہ اس نے میرے باپ کی ایک آنکھ پھوڑی ہے میں اس کی آنکھ پھوڑوں گا تو قاضی نے کہا کہ مرغی فروش مسلمان ہے اس کی دیت آدھی ہوتی ہے۔ تمہارا باپ یہودی ہے، لہٰذا یہ مرغی فروش تمہارے باپ کی دوسری آنکھ پھوڑے گا، پھر تم اس کی ایک آنکھ پھوڑ سکتے ہو۔ یہودی بولا کہ میں اپنا مقدمہ واپس لیتا ہوں۔ اب آخر میں بوڑھے کے بیٹے نے کہا کہ میرا باپ اس کے اوپر گرنے سے مرا ہے۔ لہٰذا مجھے انصاف دیا جائے۔ تو قاضی نے مرغی فروش سے کہا کہ وہ نیچے جا کر کھڑا ہو جائے اور مرنے والے بیٹے سے کہا کہ وہ بھی اسی جگہ پہاڑ پر چڑھے اور مرغی فروش پر چھلانگ لگائے تو لڑکا بولا کہ اگر یہ اپنی جگہ

سے ہل گیا تو میں مارا جاؤں گا۔ تو قاضی بولا کہ تمہارا باپ کیوں نہیں اپنی جگہ سے ہلا، میرا کام انصاف کرنا ہے، جاؤ اور چھلانگ لگاؤ۔ لہٰذا لڑکا بولا کہ میں یہ رسک نہیں لے سکتا، ویسے بھی میرا باپ بوڑھا تھا، میں اپنا مقدمہ واپس لیتا ہوں۔ قاضی نے مسکرا کر مرغی فروش کی طرف دیکھا اور کہا کہ جاؤ اپنا کام کرو، عدالت کا وقت مت ضائع کرو۔ قصے تو بہت عوام کو سننے کو ملتے رہتے ہیں، جاتے جاتے میں اپنا خواب سناتا جاؤں جو میرے دوست مرحوم طارق شفیع نے ہدایت کی کہ آپ ہمارے مشترکہ دوست ہیں، میں نے ہی شفیع ٹیکسٹائل ملز اباجی کے ہاتھ فروخت کی تھی۔ جب وہ بھٹو صاحب کے دور میں اپنی لاہور والی ملز تو میانے کے بعد دبئی آئے تھے۔ مزے کی بات اتنی شہرت کی توقع نہیں تھی، میرے قطعہ کو اپنے کالم میں جگہ دے دینا، مگر وہ میرا نہیں ہے۔ مگر عکاسی میری بھی ہے۔

20 کی رات تھی شب بھر رہا چرچا تیرا
کسی نے کہا چور ہے، کسی نے کہا لیڈر میرا
ہم بھی وہاں موجود تھے
ہم سے بھی پوچھا گیئے

ہم چپ رہے، ہم ہنس دیئے
فیصلہ معلوم تھا تیرا

قوم پھر اُمید کر رہی ہے کہ جے آئی ٹی انشاءاللہ ضرور سرخرو ہوگی۔

وما علینا الا لبلاغۃ

مسائل میں گھرا ہوا پاکستان

چند سال سے قبل اقبال مرحوم کے دو اشعار پر بہت بحث ہو رہی تھی اور دونوں اشعار قیام پاکستان سے پہلے کہے گئے تھے۔ کیونکہ علامہ اقبال مرحوم نے پاکستان کا خواب تو دیکھا تھا مگر اس کی تعبیر نہیں دیکھی تھی اور اس وقت وہ خالص ہندوستانی تھے۔ پاکستان کا نام دور دور تک نہیں تھا اور غالباً اسی کی مناسبت سے انہوں نے کہا ہوگا کہ "سارے جہاں سے اچھا ہندوستان ہمارا" اس شعر میں نہ اس وقت کوئی غلط بات تھی اور نہ آج کوئی غلط بات ہے ۔فرق صرف اتنا تھا کہ اس وقت تمام ہندوؤں اور تمام مسلمانوں کا متفقہ پسندیدہ شعر تھا بلکہ ترانہ بھی تھا۔ مگر آج تمام ہندوستانیوں کا جس میں ہندو اور دوسری قومیں شامل ہیں ۔ان کا مشترکہ ترانہ ہوسکتا ہے مگر ہندوستان کے مسلمانوں کا نہیں کیونکہ اب ہندوستان میں مسلمانوں پر ظلم ڈھائے جا رہے ہیں۔ مگر پاکستانیوں کا یہ صرف پسندیدہ شعر ہے اس پر کسی کو اعتراض نہیں کرنا چاہئے۔ ویسے بھی ہر شخص کو اشعار، غزل، گانے کے معاملے میں اسی طرح کی آزادی ہونی چاہئے۔ جس طرح ہر شخص کھانے پینے اور رہنے میں اپنی پسند

کے لئے آزادی رکھتا ہے کسی کو کوئی کھانا پسند ہوتا ہے تو خود اُس کے اپنے ہی گھر میں دوسرے افراد کو نا پسند ہوتا ہے۔ اسی طرح کسی کو لال رنگ کسی کو سفید اور کسی کو سبز رنگ پسند ہے، اسی طرح لباس کا بھی یہی حال ہے۔ ہم کو سب کی پسند کا احترام کرنا چاہئے۔ اور اس کو غلط انداز فکر کا شکوہ نہیں کرنا چاہئے، کہ اگر کسی کو لال رنگ پسند ہے تو اس کو اشتراکی یا سوشلسٹ قرار دیا جائے اور اگر کسی کو سبز رنگ پسند ہے تو وہ قدامت پسند سمجھا جائے، کیا شہناز بیگم نے "جیوے جیوے پاکستان" نہیں گایا تھا۔ اس وقت ویسے بھی ہمارا ملک دولخت ہو چکا ہے اور تاریخ سے یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ اس میں ہماری غلطی ہی نہیں بلکہ ہٹ دھرمی بھی شامل تھی۔ اگر ہم مصلحت اور ہوش مندی سے کام لیتے اور مذاکرات کے میز پر بیٹھ کر مشرقی پاکستان کے بھائیوں کے بات سنتے تو اس کا بہترین حل نکل سکتا تھا۔ ان کے جائز مطالبات مان کر ہم آج بھی ایک دوسرے کے ساتھ رہتے اور پاکستان جغرافیائی دوری کے باوجود آج بھی ایک ہوتا، خود مجیب الرحمٰن بھی آدھے پاکستان پر حکومت کرنے کے بجائے پورے پاکستان پر حکومت کرنے پر کیوں نہ آمادہ ہوتا۔ خود ہم نے اقلیت میں ہونے کے باوجود 1971ء تک یعنی 24 سال تک بنگالیوں پر حکومت کی اور جب خاص طور پر انہوں نے اکثریتی صوبے کی وجہ سے الیکشن بھی جیت لیا تھا تو ان کو حکومت بنانے کی دعوت دینا ان کا اخلاقی و قانونی حق بن چکا تھا۔ انہوں نے ہمیں کبھی غدار نہیں کہا کہ آپ اقلیت میں ہونے کے باوجود ہم پر حکومت کر رہے ہیں۔ مگر ہم نے جب بھی اپنے مفادات کو ہاتھ سے جاتے دیکھا تو

فوراً غدار کا لیبل لگا دیا۔اور پھر اس کی سر عام تشہیر بھی شروع کردی اور تذلیل بھی ۔پھر یہی کھیل سرحد میں خان عبدالولی خان کے پارٹی کے ساتھ بھی کھیلا گیا۔شروع سے ہی انہیں غدار کہا جاتا رہا پھر یہ کھیل سرحد سے نکل کر بلوچستان میں کھیلا گیا۔ان کو بھی پہاڑوں پر چڑھنا پڑا۔ان کی باتیں سننے کے بجائے ان کو غدار کہا گیا ان کو کسی نے بھی مذاکرات کی دعوت نہیں دی بلکہ ان کو غداروں کی فہرست میں شامل کردیا گیا۔ یہ کھیل اب سندھ میں بھی شروع کردیا گیا ہے ۔خود ہندوستان کو کشمیر کے معاملے میں مذاکرات کی دعوت دیتے ہیں اور وہ مذاکرات سے بھاگ رہا ہے اور انکار کررہا ہے تو ہم اس کو عالمی سطح پر بُرا بھلا کہتے ہیں۔ عالمی اداروں کو جھنجھوڑ رہے ہیں، یواین او میں فریادیں کررہے ہیں مگر دوسری طرف خود ہم اپنے وطنوں کی شکایتیں بھی سننے کے لئے تیار نہیں ہے ۔آج تک کسی بھی پیانے پر ان کو مذاکرات کی دعوت تک نہیں دیتے۔ان کی جائز شکایتیں کون دور کرے گا۔ان کا احساس محرومی بڑھتا جارہا ہے ۔ان کے زخموں پر مرہم رکھنے کے بجائے غداری کے نشتر چلائے جارہے ہیں۔ پہلے یہ سب الگ الگ اپنی آوازیں بلند کرتے تھے جب انہوں نے دیکھا کہ کوئی بھی ہمارا مسئلہ حل کرنا تو کجا سننے کے لئے بھی تیار نہیں ہے تو انہوں نے مشترکہ جدوجہد تلاش کرنے کا سلسلہ شروع کیا اور یقیناً ہمارا ازلی دشمن ان کو ہوا دے رہا ہے۔کل کی ایک خبر ہے کہ ہندوستان نے ہماری 50 بچیاں جن کو بھارت کی ایک این جی او نے تفریحی دورے پر بلایا تھا اُن کو 12 دن کے بجائے دوسرے دن ہی واپس بھجوا دیا گیا ہیں ۔جبکہ ہم

بھارتی تاجر جندال کو پورے پروٹوکول کے ساتھ خوش آمدید کرتے ہیں ۔اگر حقیقت کا چشمہ لگا کر دیکھا جائے تو ہمارے ہاں بھارتی کلچر زی ٹی وی سے شروع ہوا اور آج تمام چینل چپکے چپکے اکثریتی گھروں میں داخل ہو چکے ہیں ۔جہاں جہاں کیبل پہنچ گئی ہے وہاں ان کا کلچر فلمی ناچ گانے فلموں کے ذریعے ہمارے نسلوں میں رچ بس گیا ہے ۔انہوں نے کمال ہوشیاری سے بچوں سے لے کر بوڑھوں تک کے لئے مختلف چینلوں سے پروگرام دکھا دکھا کر بالواسطہ آدھا بھارتی بنا دیا ہے، اگر چہ وہ ہندی کو اُردو نہیں کہتے مگر اس ہندی میں 90 فیصد اُردو کی آمیزش کرکے ہندی پروگرام کا نام دیتے اور ہم صبح سے لے کر رات تک نام نہاد ہندی پروگرام ،فلمیں ،کارٹون دیکھ دیکھ کر خوش ہورہے ہیں۔ ہماری مارکیٹیں ان کے اشتہاروں کی وجہ سے ان کے مالوں سے بھری پڑی ہیں۔کونسی اشیاء ہیں ان کی جو ہماری مارکیٹوں میں نہیں ملتیں، اگر کوئی شاذونادر نہ ملے تو ہم کسی بھی آنے جانے والے سے فرمائش کرکے منگوا لیتے ہیں۔ ہمارے ہاں سے پاکستان کا بنا ہوا کوئی بھی مال ہندوستان نہیں جاتا البتہ سپاری ،گندم ،چینی ضرور اسمگل ہورہی ہیں۔ جو خود ہم امپورٹ کرتے ہیں۔ گویا ہم اپنا غیر ملکی زرمبادلہ خرچ کرکے ہندوستانی کرنسی میں فروخت کررہے ہیں۔جبکہ پاکستان کی کوئی چیز بھی ہندوستان میں نہیں بیچنے دی جارہی ہے۔ بلکہ پچھلے دنوں جو مصنوعات کپڑے وغیرہ تھے اُن کو بھی دوکانوں سے نکال کر آگ لگا دی گئی ہیں۔ ہماری معیشت تو بیٹھ چکی ہے کیونکہ پی پی پی کی حکومت نے اپنے 5 سالہ دور میں 22 بلین ڈالرز قرضے

لے تھے جبکہ نواز شریف جو معیشت بہتر کرنے کے عودیدار تھے انہوں نے 4 سال میں 80 بلین ڈالرز کے قرضے وہ بھی آئی ایم ایف کی اپنی شرائط پر لے چکے ہیں ۔اب تو تہذیب وتمدن بھی داؤ پر لگ چکا ہے۔خدارا حقیقت سے کام لیں۔سیاستدانوں کو کونے میں کر دینے سے حکومت چلانا اب ناممکن ہوتا جارہا ہے ۔مہنگائی اور ٹیکس ٹیکس کی صدائیں مایوسی کی بادل پھیلا رہی ہیں۔عوام کی قوت برداشت جواب دے چکی ہیں ،تمام سیاستدان ایم این اے،ایم پی اے،سینیٹرز چور نہیں ہیں عوام کو اعتماد میں لیجئے اور معیشت کو سدھارنے کے لئے اقدامات کیجئے ،پہلے قرضوں کو لینا بند کیجئے ورنہ معیشت کبھی نہیں سدھر سکے گی۔ماضی کی غلطی کو دھرانے کے بجائے ان بگڑے ہوئے اور بپھرے ہوئے سیاستدانوں کو مذاکرات کی میز پر بلائیے قبل اس کے عوام ان کی لبیک کو ہی اپنے نجات سمجھ کر ان کے پیچھے بلا سوچے سمجھے چل پڑیں۔جمہوری انداز سے ان گمبھیر مسائل کو مذاکرات کی میز پر فوری طور پر حل کریں۔

یہ سیاسی ڈرامہ کب ختم ہوگا؟

اسلام آباد کے دونوں دھرنوں سے ابھی تک کوئی مثبت پہلو سامنے نہیں آسکا۔ ایک طرف مسلم لیگ (ن) کے وزراء اور نواز شریف مع شہباز شریف صاحبان مسلسل ڈائیلاگ شروع کرنے کی بات پر زور دے رہے ہیں۔ایک ہفتے سے اسلام آباد کے تمام رہائشی مکمل یرغمال بن چکے ہیں۔ پورے شہر کو کنٹینرز سے بند کر رکھا ہے۔پوری انتظامیہ مفلوج ہو چکی ہے۔قانون ہر کسی نے اپنے ہاتھوں میں لے رکھا ہے۔پولیس ،رینجرز ،فوج تینوں کو استعمال کر کے دیکھ لیا ۔کچھ نتائج نکلتے نظر نہیں آرہے ۔ طاہر القادری اپنی دھواں دار تقریروں سے نہیں رک رہے اور مبہم الفاظ سے مذاکرات کی طرف اشارے کر رہے ہیں تو دوسری طرف کپتان کے لہرا لہرا کر شریف برادران کو للکار رہے ہیں۔ بقایا سیاسی جماعتیں بے بسی سے دونوں کی طرف دیکھ رہی ہیں ۔اس سیاسی دنگل میں صرف چوہدری برادران اور مولانا فضل الرحمٰن اس افراتفری کا نہ صرف نظارہ کرر ہے ہیں بلکہ پختون خواہ میں جے یو آئی کی حکومت بننے کی آرزوئیں لیے بیانات دے کر ماحول کو اور پیچیدہ بنارہے ہیں۔ غالباً وہ اپنے

بھائی کو کے پی کے کا وزیر اعلیٰ بنوانا چاہتے ہیں۔ پہلی مرتبہ دو صوبوں میں مسلم لیگ (ن) اگر چاہتی تو وہاں گڑبڑ کروا کر اپنی حکومت بنوا سکتی تھی۔ خاص طور پر خیبر پختونخواہ میں تو مولانا فضل الرحمٰن صاحب تو ہر طرح سے نواز شریف صاحب کو گھیرنے کی پوری کوششیں کر چکے تھے مگر مفاہمت کی خاطر میاں نواز شریف صاحب نے اس طرف دیکھنے کے بجائے مرکز میں حکومت بنانے اور آسانی سے چلانے کی حکمت عملی پر توجہ دی اور ڈیڑھ سال دھکوں، دھمکیوں کے باوجود وہ ڈٹے رہے۔ بیچ میں علامہ طاہر القادری نے بگل بجا کر پاکستان میں دوبارہ سیاسی ماحول پراگندہ کر کے ہماری معیشت جو کسی بھی طرح بہتری کی طرف رواں دواں ہو چلی تھی، کھربوں روپے کے اسٹاک ایکسچینج ضائع کروا دیئے۔ اگر اس سیاسی بحران پر قابو نہیں پایا گیا تو جو چند سو روپے کا چڑھاؤ سامنے آیا ہے وہ دوبارہ اس سے کہیں زیادہ گر کر غیر ملکی کرنسیوں کی طرف بڑھ جائے گا۔ فی الحال ڈالر میں تیزی آ چکی ہے، سرمایہ واپسی کی طرف سفر کرنے لگا ہے، صنعتکار، تاجر برادری بار بار خبردار کر رہی ہے کہ صبح سے دوسری صبح تک چینلز بھرپور کوریج کر کے ایک طرف دونوں ہاتھوں سے اشتہارات کی مد میں رقمیں بٹور رہے ہیں تو اینکرز صاحبان بھی اس بہتی گنگا میں ہاتھ دھو رہے ہیں۔ البتہ عوام بک بک دیکھ کر کنفیوز ہو چکے ہیں۔ خصوصاً خواتین ان سیاسی دنگلوں سے بیزار ہو چکی ہیں، کاروبار الگ ٹھپ ہو کر رہ گیا ہے۔ ٹرانسپورٹرز صاحبان ان ہزاروں کنٹینروں کی جبری وصولی سے کاروبار بند کرا کے اپنی قسمت کو رو رہے ہیں۔ پہلے عدلیہ بیچ بچاؤ کرا دیتی تھی اب ہر کوئی کھلے عام ان کو للکار کر غیر مؤثر

کروا چکا ہے۔ اس کے حکم کی کوئی وقعت نہیں رہی ہے۔ نہ حکومت کی نظر میں اور نہ ان دھرنے دینے والوں کی نظر میں۔ قانون پہلے اندھا تھا اب اپاہج بھی بن چکا ہے۔ اب وکلاء بھی میدان میں اتر آئے ہیں جبکہ دھرنوں کی ابتداء بھی انہوں نے سابق چیف جسٹس افتخار چوہدری کی بحالی کے لئے اور پرویز مشرف کی حکومت کو ختم کرنے کے لئے شروع کی تھی۔ چیف جسٹس صاحب بحال ہو گئے، پرویز مشرف بے حال ہو کر اپنی حکومت سے ہاتھ دھو بیٹھے۔ وہ بڑے آرام سے بیرون ملک مزے کر رہے تھے کہ کسی نے ان کو دوبارہ پاکستان آ کر الیکشن میں حصہ لینے کا جھانسہ دے کر پھنسا لیا تا کہ وہ الیکشن میں حصہ لے سکیں۔ اس کے بعد عدلیہ نے ان کے بنائے ہوئے قوانین کا سہارا لے کر ان کو الیکشن سے باہر کر دیا۔ اب وہ باہر واپس جانا چاہتے تھے کہ مسلم لیگ (ن) کی حکومت بن گئی۔ قدرت نے مسلم لیگ (ن) کو بدلہ لینے کا موقع فراہم کر دیا۔ اگرچہ مسلم لیگ (ن) کے وزراء اور سربراہ ان کو ہر صورت میں سزا دلوانا چاہتے ہیں، مگر ہر مرتبہ ان کو کسی نہ کسی طرح بچا لیا جاتا ہے۔ مسلم لیگ (ن) نواز شریف صاحب ان اشاروں کو ابھی تک نہیں سمجھ سکے کہ اس کے پیچھے کس کا ہاتھ ہے۔ ان کے اپنے وزراء ہی ان کو پہلے بھی جلاوطن کروا چکے ہیں۔ آج بھی وہ سب دوبارہ اکٹھے ہو کر ان سے یہ غلطی دوبارہ دہرانے پر کامیاب ہو چکے ہیں۔ نتیجے سے بے خبر حکمران جو پہلے اسلام آباد میں مارچ کو آنے سے روک رہے تھے اب طاقت استعمال کر کے دھرنوں کو ختم کرنے پر تلے ہوئے ہیں۔ اگر ایک گولی بھی چل گئی یا لاٹھی چارج ہو گئی تو اسلام آباد کا اللہ حافظ ہے

۔ابھی تک پنڈی والوں نے مداخلت کے بجائے کامیاب مذاکرات کرنے کا
کامشورہ دیا ہے اورروزانہ وزیراعظم صاحب اور چیف آف آرمی اسٹاف کی
تصاویرایک ساتھ اخبارات کی زینت بن رہی ہیں۔نہ جانے کب سیاست کی
بساط اُلٹ جائے اورایک مرتبہ پھرقوم کو مارشل لاء کا سامنا کرنا پڑے تو نہ
طاہرالقادری بچیں گے اور نہ عمران خان کاوزیراعظم بننے کا خواب پوراہوگا۔
مسلم لیگ (ن) تو ڈیڑھ سال میں ہی حکومت سے ہاتھ دھوبیٹھے گی۔ان کے
3 درجن رشتہ دارگھروں سے نکل کردوبارہ کہیں اور نہ منتقل کر دیئے جائیں۔
اس سے قبل یہ بساط الٹے تینوں پارٹیاں چینلز کے ہاتھوں اتار چڑھاؤ کے
بجائے مذاکرات کوترجیح دیں۔اب بہت ہو چکا ہے یہ ڈرامہ اب ختم ہوجانا
چاہئے۔اسی میں سب کی بہتری ہے۔

قارئین کرام میں یہ نہیں کہتا کہ الیکشن میں دھاندلیاں نہیں ہوئیں، ہرجگہ جس
جس کوموقع ملا اُس نے کام دکھایا تھا۔عمران خان کایہ کہنا کہ ہم کوانصاف نہیں
ملا، ہم نے ہرجگہ دستک دی یہ بھی ٹھیک ہے۔اب احتجاج اس کا حق تھا، وہ
استعمال کیا۔مگر طاہرالقادری کس کھاتے میں اُس کے ساتھ آزادی مارچ میں
شامل ہیں۔نہ انہوں نے الیکشن میں حصہ لیا نہ ان کا کوئی نمائندہ اسمبلیوں میں
گیا۔اب صرف مذاکرات کاہی راستہ رہ گیا ہے،اس موقع کونہ گنوائیں۔

کینیڈا کی پتھریلی پہاڑیوں کا سفر

1973ء سے امریکہ اور کینیڈا آتا جاتا رہتا ہوں اور دونوں پڑوسی ممالک کے
اوتار چڑھاؤ بھی دیکھتا ہوں۔اس زمانے میں امریکہ آنے کے لئے ویزے کی
ضرورت ہوتی تھی جو بے حد آسانی سے ہم پاکستانیوں کو مل جاتا تھا۔بعد میں تو
امریکہ نے ہمارے لئے بکس ویزہ متعارف کروایا یعنی نہ لائن لگانے کی
ضرورت تھی اور نہ خود ویزے کے لئے آنا پڑتا تھا۔آپ کو اگر ایک مرتبہ ویزہ
5 سال کے لئے مل جاتا تھا تو پھر آپ صرف اپنے اور فیملی کے پاسپورٹ
امریکن ایمبیسی کے باہر رکھے ہوئے بڑے صندوق میں ڈال جائیں تو چند دن
بعد آپ یا کوئی بھی ٹریول ایجنٹس جا کر ایمبیسی سے وصول کرلیتا تھا۔اور آپ
جب فیملی کے ساتھ امریکہ کے کسی بھی ائرپورٹ پر پہنچتے تھے تو وہ صرف یہ
پوچھتا تھا کہ آپ کیوں آئے ہیں امریکہ میں، اگر آپ کہتے ہیں کہ ہم سیر
وتفریح کے لئے آئے ہیں۔تو وہ دوسرا سوال کرتا تھا کہ آپ کے پاس کتنی رقم
ہے۔یا آپ اپنے رشتہ دار سے ملنے آئے ہیں۔وہ بھی کافی تھا وہ پاسپورٹ پر
مہر لگا کر کہتا تھا ویلکم ٹو امریکہ یعنی خوش آمدید امریکہ میں۔پھر آہستہ آہستہ

سوالات بڑھتے گئے ویزوں پر ہلکی ہلکی پابندیاں لگتی گئیں۔ مگر کینیڈا میں آنے کیلئے اُن دنوں کوئی ویزہ نہیں ہوتا تھا۔ آپ کو آن آرائیول یعنی ائرپورٹ پر بھی ہم پاکستانیوں کو نہ صرف ویزہ مل جاتا تھا بلکہ ایمگریشن والے پوچھتے تھے کہ آپ کیا مستقل کینیڈا کی شہری بنا چاہتے ہیں، تو یہ رہائشی فارم بھر دیں پھر وہ چند سالوں بعد آپ کو کینیڈا کا پاسپورٹ بھی دے دیتے تھے۔ پھر دنیا بھر کی طرح کینیڈا نے بھی آہستہ آہستہ پاکستان سے کینیڈا آنے والے لوگوں پر ویزے کے پابندیاں لگانی شروع کر دیں۔ پھر وہ پابندیاں بڑھتی گئیں مگر دیگر ممالک کی طرح نہیں کیونکہ کینیڈا رقبے کے لحاظ سے بہت ہی بڑا ملک ہے یعنی اس کے ملک میں 8 آٹھ گھنٹوں کی فلائٹ چلتی ہیں۔ اور مقامی وقت میں بھی 3 گھنٹوں کا فرق پڑتا ہے۔ مگر آبادی صرف 36 ملین ہے یعنی کراچی کی آبادی کا ڈیڑھ گنا ہے۔ اس ملک میں کسی بھی قوم، مذہب، رنگ نسل کی ترجیحات نہیں ہیں۔ یکم جولائی 2017ء کو پوری قوم 150 سالہ آزادی منا رہی ہے۔ اس کے 10 صوبے ہیں۔ اور 3 Terrotries یعنی چھوٹے صوبے ہیں۔ ہم 200 ملین آبادی والے ملک میں صرف 4 صوبے اور ایک دارلخلافہ رکھتے ہیں۔ میں اکثر قارئین کو اپنے سفروں سے بھی آگاہ کرتا رہتا ہوں۔ یعنی میں کینیڈا کے چند شہروں کی معلومات فراہم کرتا رہتا ہوں اس مرتبہ میں کینیڈا کی خوبصورت ترین شہر وینکور (Vancourve) کی سیر وتفریح سے آگاہ کرنا چاہتا ہوں۔ گو کہ اس کی آبادی 40 لاکھ سے بھی کم ہے مگر اس کا موسم بہت ہی معتدل ہے۔ دیگر علاقے کینیڈا میں منفی 50 سینٹی گریڈ

تک چلے جاتے ہیں۔ مگر یہاں نہ گرمی زیادہ پڑتی ہے نہ سردی۔ وینکور (Vancourve) صوبہ برٹش کولمبیا کہلاتا ہے۔ یہاں کی پہاڑیاں اپنا جواب نہیں رکھتیں۔ اس میں جھیلیں، دریا، سمندر تمام رعنائیاں نظر آتی ہیں۔ بہت بڑی بڑی شاہراہیں (Highways) ہیں۔ خوبصورت پہاڑوں کو کاٹ کر راستے بنائے گئے ہیں۔ ان پہاڑوں کو آنے والے ٹورسٹ کے لئے ایک عجیب ریلوے لائن پہاڑوں، دریاؤں، جھیلوں سے نکال کر دنیا کا ایک عجوبہ کارنامہ انجام دیا۔ اس ٹرین کا نام پتھریلی پہاڑی سلسلہ یعنی (Rocky Mountainweer) ہے۔ 1960ء میں کینیڈا کی سب سے لمبی ٹرین 41 بوگیاں لگا کر چلائی گئی۔ اور آج تک وہی ٹرین وینکور سے 2 دن کے بعد کیم لوپس ایک رات رُکتی ہے اور دوسری دن Banfm شہر تک پہنچتی ہے تیسری دن جیسپر جاتی ہے پھر آگے گلیشیر کی طرف جاتی ہے اور آپ 4 پانچ یا 6 دن تک ان پہاڑوں کی سیر کر سکتے ہیں۔ میں نے ایسی خوبصورت ٹرین جرنی نہیں دیکھی جو ایک ہفتے میں ایسے ایسے پہاڑوں، جھیلوں، دریاؤں، سمندروں لمبے لمبے پلوں، سرنگوں سے گزار کر دنیا بھر کے ٹورسٹوں کو کینیڈا کی سیر کرواتی ہے۔ واقعی دنیا کے عجائبات میں سے ایک تھی جسے ہم دونوں میاں بیوی کو ہمارے امریکہ کے دوست کرنل نواز پیرزادہ اور اُن کی بیگم نے اس علاقے کو متعارف کروایا۔ دونوں فیملیاں ان علاقوں سے بہت محظوظ ہوئیں، حالانکہ 10 پندرہ سال سے تو ہم ہر سال آتے جاتے رہتے تھے مگر ہم ٹورنٹو کے سیاحت تک محدود رہے۔ انہی علاقوں کے باغات، جھیلیں اور دریاؤں سے

انجوائے کرتے رہے۔سب سے بڑی بات اس ٹرین کے اسٹاف کی تھی جو خدمت کرنے میں اپنا جواب نہیں رکھتے تھے یعنی صبح 8 بجے جب آپ وینکور میں ان کے (Rocky Mounteer) سٹیشن پہنچیں گے۔تو ان کا اسٹاف آپ کی گاڑی سے ہی آپ کو اور آپ کے سامان کو اُٹھا کر سٹیشن کے اندر لائے گا آپ کے ٹکٹ کو بنوا کر آپ کی بوگی میں آپ کو ٹرانسفر کرے گا۔پھر صبح صبح ناشتہ جو ٹرین کے نیچے والے حصے میں ٹیبل لگی ہوئیں ہیں اُس میں لا کر کھلائیں گا۔آپ کے مینو کارڈ کے مطابق ڈیڑھ گھنٹے تک آپ جو بھی پھل ،سلاد،انڈے،پنیر،ٹوسٹ وغیرہ منگواتے جائینگے وہی وہ لاتے جائیں گے ۔پھر 12 بجے سے 2 بجے تک لنچ کا وقت ہوتا ہے۔مینو کارڈ میں مچھلی،جھینگے مرغی گائے کا گوشت (یہ حلال نہیں ہوتا) تو آپ مچھلی،جھینگے،انڈے سبزی وغیرہ کھا سکتے ہیں ۔پھر 6 بجے یہ ٹرین کیم لورٹ پہنچتی ہے۔تو آپ کا سامان آپ کے ہوٹل پہنچنے سے پہلے آپ کے کمرے میں پہنچ جاتا ہے۔پھر دوسرے دن صبح ساڑھے 6 بجے آپ کو ہوٹل سے لے کر پھر ٹرین میں بٹھا دیا جاتا ہے پھر خدمت شروع ہو جاتی ہے اس طرح شام کو نئے شہر (Banfm) پہاڑی علاقے میں پہنچا دیا جاتا ہے۔پھر سارے دن ٹرین چلتی رہتی ہے۔اور پھر شام کو نئے شہر میں آپ کو ہوٹل میں اتار دیا جاتا ہے۔اب آپ پر منحصر ہے کہ آپ نے کتنے دن کا پیکیج لیا ہے۔وہ 10 پندرہ دن تک آپ اس ٹرین کی سیر کر سکتے ہیں آپ یقین کریں ان کی خدمات کو آپ کسی اور ملک کے جہازوں کے کروز یا ورکر سے مقابلہ نہیں کر سکتے۔وہ آپ کو کھلا کھلا کر اور خدمت

کر کر کے 8 گھنٹوں کے سفر کو محسوس نہیں ہونے دیتے۔اس کا کرایہ عام ٹرینوں سے زیادہ ہے مگر انجوائے منٹ کا جواب نہیں ہے۔اس ٹرین میں 2 کلاسیں ہوتی ہے یعنی اول درجے کی جگہ کو گولڈ لیف اور لوئر درجے کو سلور کہا جاتا ہے۔گولڈ لیف کی بوگی شیشہ سے بنی ہوتی ہے۔آپ کھلا آسمان اور چاروں طرف دیکھ سکتے ہے یہ ٹرین اپریل سے اگست تک چلتی ہے ۔تمام راستے آپ خوبصورت مناظر سے لطف اندوز ہوتے رہتے ہیں۔زندگی میں ایک مرتبہ ضرور اس ٹرین میں سفر کر کے دیکھیں آپ مایوس ہرگز نہیں ہونگے۔

پاک چین دوستی

آج کل وزیراعظم پاکستان بشمول چاروں وزیرائے اعلیٰ چین کا دورہ کر کے وطن واپس آ چکے ہیں۔چین کے دورے پر وزیراعظم نواز شریف کی چینی صدر ،وزیراعظم سے ملاقات میں بھاشاڈیم ،گوادر پورٹ،حویلیاں ڈرائی پورٹ اور ریلوے ٹریک سمیت 7یاداشتوں پر دستخط کئے گئے ،جبکہ ایم ایل ون شاہراہ کو اپ گریڈ کرنے ،ایسٹ بے ایکسپرس وے کے لئے معاشی و تکنیکی چینی تعاون کی فراہمی پر بھی اتفاق کیا گیا۔نواز شریف نے چینی صدر و وزیراعظم سے ملاقاتوں میں مزید تعاون بڑھانے پر اتفاق کیا گیا اور کہا کہ پاکستان کو چین کی دوستی پر فخر ہے۔سی پیک کے نتائج عام آدمی کو جلد ملنا شروع ہو جائینگے۔اقتصادی ترقی کے لئے دونوں ممالک ایک صفحہ پر ہیں۔چینی قیادت نے کشمیر پر بھی بھرپور حمایت کے عزم کا اعادہ کیا ہے۔جس سے یقیناً پاک چین دوستی میں مزید پیش رفت ہوگی۔چین ہمارا قریب ترین اور عظیم پڑوسی ہے۔پاکستان پر جب بھی کوئی براوقت آیا تو چین نے بھرپور دوستی کا ثبوت دیا۔چین نے کئی مرتبہ پاکستان کو بیرونی خطرات سے قبل از وقت آگاہ

بھی کیا اور ان سے نمٹنے کا نہ صرف حل بتایا بلکہ اکثر معاملات سے نمٹنے میں مدد بھی کی۔ایوب خان سے لے کر موجودہ حکومت تک سب نے بین الاقوامی تعلقات میں جس کی دوستی کو سب زیادہ اہمیت دی۔اور ماؤزے تنگ اور چواین لائی سے لے کر چین کے موجودہ حکمرانوں تک سب نے پاکستان کے ساتھ بہترین اور خصوصی تعلقات استوار رکھے اور ان میں اضافے کے لئے آج بھی کوشاں ہیں۔اور آج پاک چین دوستی ،قوموں کے درمیان تعلقات کے حوالے سے جس مقام پر ہے اس کی مثال دنیا میں کم ہی ملے گی۔یہ عظیم دوستی دونوں ملکوں کے دشمنوں کی نگاہوں میں کانٹے کی طرح کھٹکتی ہے۔آج سے 50سال قبل پہلی بار بیرون ملک جانے کا اتفاق ہوا تو وہ پہلا غیر ملکی سفر چین کا تھا۔اس زمانے میں ہانگ کانگ کیلئے پی آئی اے کی پرواز چین کی شہر کنٹن کے راستے جاتی تھی۔جہاں ایک رات ٹھہر کر دوسرے دن بذریعہ ٹرین ہانگ کانگ جانا پڑتا تھا۔کنٹن بہت کھلا کھلا اور صاف ستھرا شہر تھا۔اس زمانے میں کراچی اور کنٹن کی آبادی برابر تھی۔وہاں صرف ایک ہوٹل تھا جس میں تقریباً800 کمرے تھے۔ہماری فلائٹ کے تقریباً50 مسافر اس ہوٹل میں ٹھہرائے گئے باقی تمام فلور خالی تھے انکشاف ہوا کہ غیر ملکی فضائی کمپنیوں میں صرف پی آئی اے کو یہ اعزاز حاصل ہے کہ وہ چین کی سرزمین کو استعمال کر سکتی ہے۔باقی کسی بھی ائرلائن کی چین آنے یا جانے پر پابندی تھی۔اور اسی پی آئی اے کا آج یہ حال ہے کہ کبھی اُس کا پائلٹ اسلام آباد سے لندن کی فلائٹ میں سویا ہوا ملتا ہے اور جہاز معاون فلائٹ چلا رہا ہوتا ہے کبھی کسی لڑکی کو کاک پٹ

میں بلوا کر سفر کر رہا ہوتا ہے اور ابھی کی ایک خبر ہے کہ لندن میں پی آئی اے کی فلائٹ سے ہیروئن برآمد ہوئی ہے۔ جس سے پاکستان کی پوری دنیا میں بدنامی ہوئی۔ خیر میں چین کا ذکر کر رہا تھا کنٹن شہر صنعتی اور زرعی بھی تھا ایک طرف فیکٹریاں تھیں تو دوسری طرف سبزہ ہی سبزہ تھا۔ ہم شام 5 بجے ہوٹل کے باہر کھڑے تھے کہ یکا یک سینکڑوں سائیکل سوار ہمارے ہوٹل کے آگے سے گزرے جن میں تقریباً ہر عمر کے لوگ تھے۔ پی آئی اے کے عملے نے بتایا کہ نزدیکی فیکٹریوں کی چھٹی ہوگئی ہیں یہ سائیکل سوار انہیں فیکٹریوں کی ملازم تھے ان سائیکل سواروں نے ہمیں دیکھ کر ہاتھ ہلائے اور ہم نے بھی ہاتھ ہلا کر اُن کو جواب دیا۔ یہ پاکستان اور چین کے عوام کے درمیان دوستی کے جذبے کا ایک مخلصانہ اظہار تھا۔ حدیث مبارک میں بھی آیا ہے کہ علم حاصل کرو چاہے اس کے لئے تمہیں چین جانا پڑے۔ اس حدیث مبارک میں اس ذکر کی 2 پہلو ہو سکتے ہیں ایک یہ کہ چین ایک دور افتادہ ملک تھا جہاں پہنچنا ایک دشوار ترین کام تھا۔ لہذا حدیث پاک میں چین کا ذکر اس حوالے سے کیا کہ علم حاصل کرنے کے لئے کیسا ہی طویل اور دشوار سفر کرنا پڑے اس سے گریز نہیں کرنا چاہیے۔ دوسرا پہلو یہ ہے کہ اس زمانے میں چین علم و ہنر اور تہذیب و تمدن میں اس قدر آگے تھا کہ وہاں کا سفر لوگوں کے لئے ضروری تھا۔ علاج معالجے کے لئے جڑی بوٹیوں، یوگا، ایکوپنکچر جیسی سہولتیں میسر تھیں۔ چین کے زمانہ قدیم سے یکتائے روزگار ہونے کا ایک جیتا جاگتا ثبوت آج بھی دیوار چین کی صورت میں موجود ہے۔ جو دنیا کے 7 عجائبات میں شمار ہوتی ہے۔ آج سے 50 سال

پہلے بھی الیکٹرک ٹرینیں شہروں میں آمدورفت کا ذریعہ تھیں۔ چین ایک کمیونسٹ ملک تھا اس لئے تمام کاروبار، صنعتیں حکومت کی ملکیت تھیں۔ اور عوام اس میں کام کر کے اپنی اور ملک کی ضروریات پوری کرتے تھے۔ گویا ہر شخص سرکاری ملازم تھا۔ کوئی چیز کسی کی ملکیت نہیں تھی۔ حکومت روٹی، کپڑا اور مکان فراہم کرنے کی ذمہ دار تھی۔ سرکاری طور پر چند گاڑیاں دیکھنے میں آئی معلوم ہوا کہ یہ بھی صرف غیر ملکی سفیروں اور سربراہوں کی آمدورفت کے لئے استعمال ہوتی ہیں۔ پھر چین میں صنعتی انقلاب آیا، آہستہ آہستہ ڈی نیشنلائزیشن شروع ہوا اور دیکھتے ہی دیکھتے چین میں بڑی صنعتیں لگیں۔ غیر ملکی بھی جن میں جاپان اور کوریا کے صنعتکار شامل تھے چین کے شہروں میں صنعتیں لگانے لگے کیونکہ یہاں افرادی قوت وافر اور سستی تھیں۔ چینی عوام بہت محنتی اور ذہین ہوتے ہیں یہی وجہ ہے کہ دیکھتے ہی دیکھتے مختصر عرصے میں چین نے سوئی سے لے کر ہوائی جہاز تک ہر چیز بنانے کی ٹیکنالوجی حاصل کر لی۔ چینی مصنوعات آج پوری دنیا میں موجود ہیں۔ اور چھوٹی سے چھوٹی اور بڑی سے بڑی چیز دنیا بھر میں سستے داموں ایکسپورٹ کر کے بھاری زرمبادلہ کما رہے ہیں۔ معیاری اور کم قیمت ہونے کی وجہ سے چینی اشیاء کی یورپ، امریکہ اور کئی دوسرے ممالک میں بہت مانگ ہے۔ ہمیں چین سے سبق سیکھنا چاہیے کہ انہوں نے اتنے کم وقت میں کیسے ترقی کی اور ہم کو غور کرنا چاہیے کہ ہم صنعتی ترقی کرنے کے بجائے زوال پذیر کیوں ہیں۔ میرا خیال ہے کہ ہماری حکومت چینی حکومت کے ساتھ جیسے اب بات چیت کر رہی ہے آئندہ بھی ایسے

ہی چین سے مدد اور استفادہ حاصل کرتی رہے کیونکہ چین دنیا میں اب اس پوزیشن میں ہے کہ وہ ہمارے ملک میں مزید سرمایہ کاری کر کے دونوں ممالک کیلئے روزگار کے مواقع پیدا کریں۔چینی اور پاکستانی عوام میں کئی باتیں مشترک ہیں۔دونوں محنتی اور جفاکش ہیں،ایثار وخلوص کے پیکر ہیں،ہم نے چینیوں کی دوستی سے وہ فوائد حاصل نہیں کیے جو ہم حاصل کر سکتے تھے۔اور آج ترقی یافتہ ممالک کی طرح چین کے ہوائی اڈے پر دنیا بھر کی تمام ائر لائنوں کے جہاز آجا رہے ہیں۔کنٹن میں جہاں ایک ہوٹل تھا وہاں آج گلی گلی فائیو اسٹار ہوٹل موجود ہیں۔جہاں چند گاڑیاں تھیں وہاں آج کشادہ اور صاف ستھری سڑکوں پر گاڑیوں کی قطاریں ختم ہونے کا نام نہیں لے رہی۔ہم کہاں کھڑے ہیں؟اس عظیم پڑوسی کے مخلصانہ دوستی سے بھی کوئی فائدہ اُٹھانے سے محروم ہیں اور ہم آئی ایم ایف اور ورلڈ بینک سے امیدیں لگائے بیٹھے ہیں۔جہاں امریکہ،آئی ایم ایف اور ورلڈ بینک ہر وقت ہم سے ڈومور کا مطالبہ کرتے رہتے ہیں وہاں چین ہم سے اپنے تعاون کی کوئی قیمت نہیں مانگتا اور نہ ہی ڈومور کی تکرار کرتا ہے۔اور نہ ہی اس نے اپنے اتحادیوں سے کبھی فوجی اڈے یا ائربیس مانگے۔جبکہ اس کا پاکستان میں سی پیک منصوبہ،بیلٹ اینڈ روڈ کا نظریہ انسانی بھلائی،اقوام عالم کی عزت نفس اور خودمختاری کے احترام پر مبنی عظیم دستاویز ہیں جس کی کوئی مثال نہیں ملتی۔

بجلی کا بحران دور کرنے کا انوکھا فیصلہ

ماضی میں ہمارے سابق وزیر اعظم کی زیر صدارت بجلی کی لوڈشیڈنگ ختم کرنے کے لئے ہمارے سابق وزیر خزانہ حفیظ شیخ اور وزیر بجلی نوید قمر صاحبان نے ایک انوکھا فیصلہ کیا تھا کہ پوری قوم 2دن چھٹی کرے جن میں سرکاری ملازمین جو ایک چھٹی کر رہے تھے ان میں خوشی کی لہر دوڑ گئی اور ان کی دلی مراد پوری ہوئی۔مگر عوام،تاجر اور صنعتکاروں میں مایوسی کی لہر دوڑ گئی۔انہوں نے بیک زبان ناراضگی کا اظہار کر کے مسترد کر دیا مگر شاباش ہے وزیر اعظم کی کابینہ کو جس میں اکثریتی جماعتیں شامل تھیں فوراً اس لال بجھکڑ فیصلے کو نہ صرف منظور کرلیا بلکہ اس کو 15اکتوبر 2011ء سے نافذ بھی کر دیا۔اس پر مزید اسلام آباد اور فیصل آباد کے بجلی کے پیداواری یونٹوں کو بھی کراچی الیکٹرک سپلائی کارپوریشن کی طرح اونے پونے بیچ کر جان چھڑانے کا بھی عندیہ دے ڈالا۔تاکہ عوام کو واپڈا جیسے کرپٹ ادارے کے رحم وکرم پر چھوڑ دیا جائے۔اور کمیشن کھا کر اپنے پیٹ بھر لئے جائیں۔سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ایسے فیصلے کرنے سے قبل تمام صوبوں کے نمائندوں سے مشاورت کی گئی،کیا تمام صنعتی

اداروں جن میں فیڈریشن ،چیمبرز ،علاقائی صنعتی ایسوسی ایشن کے نمائندوں سے مشاورت کی گئی ؟ دونوں کا جواب نہیں کی گئی۔ بالکل ماضی کی طرح سردیوں میں ایک گھنٹہ گھڑیاں آگے کرنے کا انوکھا تجربہ کرڈالا اور وہ بھی ناکام رہا۔اس میں بھی مشاورت نہیں تھی۔ ہم آخر صنعتکاروں ،تاجروں کو کیوں نظرانداز کرکے صرف بیوروکریٹ حضرات اور عوامی نمائندوں جن میں اکثریت جاگیرداروں،وڈیروں اور چوہدریوں کی ہوتی ہے ان کوالف کے نام صنعتی ابجد سے بھی ناواقفیت ہوتی ہے۔جن میں صرف اس معاملے میں انگوٹھا چھاپ اور وزیراعظم وصدر صاحبان کی ہاں میں ہاں ملانے کے صلاحیت ہوتی ہے جس کی وجہ سے 69 سال گزرنے کے باوجود ہم کوئی معاشی فیصلہ نہیں کرسکے۔ دنیا نے بجلی کے بحرانوں پر قابو پا کر اپنی معیشیت کو چار چاند لگادیئے جس کی تازہ ترین مثال ہمارا بہترین دوست چین ہے۔جس نے 15 سالوں میں نہ صرف بجلی پیدا کی بلکہ بجلی کو بیچنے کا عمل بھی شروع کردیا۔اور ایک بجلی کیلئے کوئلے کے کانوں سے کوئلے نکالنے کا ٹھیکہ لیا مگر ہم اس کمپنی کے افراد کو سیکورٹی فراہم کرنے میں ناکام ہوئے۔تو اربوں ڈالر کے سرمایہ کاری بھی ختم کرکے وہ لوگ واپس جارہے ہیں۔

اب آیئے حقیقت کی طرف پاکستان دنیا کا خوش نصیب ترین ملک ہے جس میں خود بجلی پیدا کرنے کی بے پناہ قدرتی صلاحیتیں ہیں۔اول اس ملک پر سورج سے پڑھنے والی شعاعیں بقول سائنسدانوں کے سب سے قریب اور تیز ہیں جنہیں ہم سولر سسٹم سے قابو کرسکتے ہیں۔دوئم ہمارے دونوں سمندر جن

سے ہم بجلی کے علاوہ دیگر کام بھی لے کر میٹھا پانی ،نمک اور کیمیکل پیدا کرسکتے ہیں۔اس کی طرف ہماری کوئی توجہ نہیں ہے۔جبکہ عرب ممالک اس سے فائدہ اٹھا کر اپنے ریگستانوں کو ہرا بھرا کرکے اجناس ،سبزیاں ،پھل پیدا کرکے کہاں سے کہاں پہنچ چکے ہیں۔سوئم ہمارے سائنسدان بار بار ہمارے کوئلے کے خزانوں کی طرف توجہ دلا چکے ہیں۔جو 100 سال کے لئے بھی کافی ہیں مگر اس حکومت کو بھی آج 5 سال ہونے کو ہیں۔موجودہ حکومت بھر میں کوئلہ نکالنے کی توفیق نہیں ہوئی ہے جبکہ کوئلے پر قیمتی زرمبادلہ خرچ کرکے امپورٹ کیا جارہا ہے۔چوتھی خوش قسمتی ہمارے سمندری ساحل ہیں جس سے ہم جدید ٹیکنالوجی کے ذریعے بجلی پیدا کرسکتے ہیں۔پانچویں دریاؤں پر ڈیم بنا کر اپنے اپنے علاقوں کو بجلی فراہم کرسکتے ہیں مگر سائنسدانوں کا کام ہمارے سیاست دان مورچے بنا کر بیٹھے ہیں۔ایک ایک وزارت کے لئے لڑتے ہیں مگر پاکستان کی سالمیت کی ان کو پرواہ نہیں ہے۔معیشت بھاڑ میں جائے ،بجلی کی لوڈ شیڈنگ کا عذاب قبول مگر ڈیم نامنظور۔ بھارت نے ایک طرف ہمارا پانی روک کر 100 سے زیادہ ڈیم بنالیے ہیں اور جب بارشیں زیادہ ہوجائیں انہی ڈیموں سے فاضل پانی یک دم چھوڑ کر ان کا رخ ہماری طرف چھوڑ دیتا ہے جس سے 4 سال سے ہماری زمینیں سیلاب زدہ ہوچکی ہیں۔بھری فصلیں تباہ اور عوام بے گھر ہورہے ہیں۔ہماری حکومت کی ساخت خود اپنے عوام میں اور بیرون ملک اتنی خراب ہے کہ کوئی ہم پر بھروسہ نہیں کرتا جتنے اعلانات اور وعدے کریں ،سیلاب زدگان کی کوئی مدد نہیں کرتا۔

اب میں آپ کو بجلی کے بحران کا اصل تجزیہ پیش کرتا ہوں۔ بقول وزیر پیداوار بجلی ہم 14500 میگاواٹ بجلی پیدا کر رہے ہیں جبکہ ہماری ضرورت 19000 میگاواٹ سے زائد ہیں۔ گویا ہم صرف 4500 میگاواٹ بجلی کم پیدا کر رہے ہیں گویا صرف 20فیصد بجلی کی کمی ہے۔ تو پھر 12 بارہ گھنٹے بجلی پوری ملک سے جارہی ہیں تو باقی 8 گھنٹے کی بجلی کہاں جارہی ہے۔ یہ صرف الفاظوں کا ہیر پھیر ہے جو ایک وزیر بجلی سے دوسرے وزیر بجلی اور ایک وزیرخزانہ سے دوسرے وزیرخزانہ تک 6 سال سے جاری ہے۔ ہمارے وزیراعظم نواز شریف نے کھلے عام میڈیا پر اعلان کیا کہ ایک سال میں بجلی کی لوڈشیڈنگ ختم کردی جائیگی۔ اُس وقت اوسطاً تمام دن میں 4 گھنٹے کی بجلی کی لوڈشیڈنگ ہوتی تھی۔ جو آج 8 گھنٹے تک پہنچ چکی ہے۔ اور بعض علاقوں میں تو کئی دن تک بجلی نہیں ہوتی، لوڈشیڈنگ تو دور کی بات ہے۔ عوام کے اطلاع کے لئے عرض ہے کہ ہمارے سب سے بڑے بجلی کے صارفین اپنے ضرورت کی بجلی اپنے کارخانوں میں جنریٹروں سے پورے کر رہے ہیں۔ گھروں، دفتروں اور دکانوں میں چھوٹے جنریٹر بجلی کی ضرورت پورے کر رہے ہیں جس کی وجہ سے ڈیزل، پٹرول اور گیس کا اضافی خرچہ عوام خود اٹھا کر اس عذاب کو جھیل رہے ہیں۔ اس لوڈشیڈنگ کے آڑ میں ڈیزل، تیل اور پٹرول جو دنیا میں آدھے داموں پر دستیاب ہیں۔ ہمارے عوام سے ہر ماہ اضافہ کرکے بجٹ کی رقم کو پورا کیا جاتا ہے۔ لوڈشیڈنگ کی وجہ سے کئی کئی دن کاروبار بند ہوتا ہے وہ بجلی کہاں جاتی ہیں۔ کیا اضافی 52 چھٹیوں، شادی

ہالوں، نیون سائنوں سے بھلا لوڈشیڈنگ ختم ہوسکتی ہیں ہرگز نہیں۔ جب تک ہم بجلی کی پیداوار کی طرف جن کی راقم نے نشاندہی کی ہے۔ حکومت اس طرف توجہ دے اور پورے ملک میں ایک چھٹی یا دو چھٹی کے نظام کے بجائے 7 دنوں پر مشتمل چھٹیوں کا نظام رائج نہیں کیا جائے گا۔ لوڈشیڈنگ پر قابو نہیں پایا جاسکتا۔ یعنی ایک شہر کو 7 دنوں میں تقسیم کیا جائے اور علاقہ وار چھٹی کی جائے جیسا کہ بھارت نے یہ طریقہ رائج کرکے تجربہ کیا تھا۔ آج وہ کامیابی سے جاری ہے مگر پھر بھی اضافی بجلی پیدا کرنے کے تمام راستے اپنانے سے ہم اس سے نجات حاصل کرسکیں گے۔ ورنہ 4 سال میں ہماری معیشت کو بٹھا دیا گیا ہے اب معیشت کو لٹا دیا جائیگا اور آخر کار سُلا کر ہی جان چھوٹے گی۔ بقول ہمارے وزیرخزانہ 18ویں ترمیم کے بعد تمام صوبے اپنی بجلی خود کیوں نہیں پیدا کرتے تو ایک صوبے والوں کو دوسرے صوبے والوں پر اعتبار ہی کب ہے۔ پاکستان تو دور کی بات 100 سال تک بھی ہم بجلی کا بحران ختم نہیں کرسکیں گے اور یوں ہی لڑتے لڑتے ملک گنوالینگے۔ آج ایک نیا شوشہ چھوڑا ہے کہ ساہیوال میں 1320 میگاواٹ کے بجلی کا پلانٹ مکمل کرلیا گیا ہے۔ وہ بجلی کس کو ملے گی؟ سب سے بڑے صنعتی شہر کراچی کو پھر نظر انداز کرنے کی غلطی دھرائی گئی ہے۔ پہلے اس کو کچرا گھر میں تبدیل کیا گیا۔ اب اس جگمگاتے شہر کو ویران کرنے کا منصوبہ ہے۔ جس ملک میں 2 سمندر ہوں اور اُس سے فائدہ نہ اٹھانا کہاں کی عقلمندی ہے قوم کو جواب دیں؟

کراچی کے ساتھ پھر مذاق 20 ارب

2 کروڑ باشندوں کے لئے مختص

کراچی کی موجودہ مخدوش ترین صورت حال کو دیکھتے ہوئے بہت دُکھ ہوتا ہے۔ جیسے اس شہر کو سندھ حکومت نے لاچار، مجبور سندھ کابینہ کے سپرد کر دیا ہے جو پورے شہر کو اجاڑنے میں اہم کردار ادا کر رہی ہے۔ خاص طور پر جب ایم کیو ایم تقسیم در تقسیم ہو چکی ہے۔ سندھ اسمبلی میں اس شہر کی طرف سے ایک بھی اردو بولنے والا پی پی جماعت کا نمائندہ الیکشن میں کامیاب آج تک نہیں ہو سکا۔ جس کی سزا اس شہر کو مسلسل مل رہی ہے۔ پہلے کراچی ڈیولپمنٹ اتھارٹی (KDA) سندھ بلڈنگ کنٹرول اتھارٹی بنا۔ کراچی کی گاڑیوں کا ٹیکس سندھ وہیکل ایکٹ کی نذر ہوا۔ اب رہی سہی کسر کراچی میونسپل کارپوریشن کا حشر نشر کیا جا رہا ہے۔ پہلے اس کے میئر کے انتخاب Election میں تاخیری حربے استعمال کئے گئے، اختیارات من پسند ایڈمنسٹریٹر کے حوالے کئے گئے۔ جس نے بلدیاتی انتخابات نہ ہونے کی صورت میں سابق میئر مصطفیٰ کمال کی 5 سالہ بہترین کارکردگی کو خاک میں ملا کر اس شہر کو کچرا کنڈی میں تبدیل کر دیا گیا، سڑکوں کی مرمت کا بجٹ کہاں گیا کسی کو نہیں معلوم۔ سڑکیں

جو بالکل نئے سرے سے بنوائی گئی تھیں، مکمل ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہیں۔ جگہ جگہ کوڑے کرکٹ کو کوئی اٹھانے والا نہ رہا، پھر جب اللہ اللہ کر کے میئر کے انتخاب کے بعد اُس کا پورا بجٹ بحال نہیں کیا گیا جبکہ کراچی کے شہریوں سے تمام ٹیکس ایک ایک کر کے وصول بھی کر لیے گئے۔ پانی کا ٹیکس، صفائی ستھرائی کا ٹیکس وغیرہ وغیرہ وصول کر کے کے ایم سی کو دینے کے بجائے حکومت سندھ خود اس پر قابض ہے۔ پورا شہر سراپا احتجاج بن چکا ہے۔ جگہ جگہ دھرنے دیئے جا رہے ہیں مگر سندھ حکومت کے کانوں کو جوں تک نہیں رینگی۔ آئے دن سندھ کے چیف منسٹر ہاؤس کا گھیراؤ بھی ہوا، گٹروں کے ڈھکنوں کی وجہ سے سابق چیف منسٹر قائم علی شاہ کی کرسی گئی اور نئے چیف منسٹر مراد علی شاہ جو سابق چیف منسٹر عبداللہ شاہ مرحوم کے صاحبزادے ہیں نوجوان ہیں، عزم رکھتے ہیں، صرف ایک ہفتہ صبح صبح دفتر تشریف لا کر سندھ بیوروکریسی کی ناک میں رسی ڈالنے کی کوشش کی مگر سب کچھ جھاگ کی طرح بیٹھ گیا تو وہ بھی تھک ہار کر ہمت ہار بیٹھے اور فرمایا کہ میں اکیلا سب کچھ نہیں کر سکتا، عوام کو خود سب ٹھیک کرنا پڑے گا۔

قارئین کی اطلاع کے لئے تاریخ کا ایک صفحہ پلٹتا ہوں، جب پاکستان بنا تو سندھ کے 3 صوبے تھے ایک کراچی جو دارالخلافہ (Capital) تھا ایک صوبہ ریاست رانی پور تھا، یعنی 2 چیف منسٹر اور تیسرا صوبہ اندرونی سندھ کہلاتا تھا جس کا مرکز میں چیف کمشنر ہوتا تھا۔ کراچی کی خوبصورتی کا پورے ملک میں چرچا تھا۔ اُس کی ایک خوبصورتی روشنی کے شہر کے علاوہ چمکتا دمکتا سمندر تھا

جسے دیکھنے پورے پاکستان سے لوگ آتے تھے پھر اس کو ہی نہیں پورے پاکستان کو نظر لگ گئی۔ خان لیاقت علی خان کی شہادت کے صرف 2 سال بعد 17 صوبوں والا ملک یک لخت ایک یونٹ One Unit کے نام پر تجربے کی نظر ہو گیا۔ یعنی مشرقی پاکستان جو آبادی کے لحاظ سے بڑا تھا۔ مغربی پاکستان دونوں کو ملا کر ون یونٹ کا نام دے کر بنگالیوں کو دھوکہ دیا۔ یہ ایک اکائی کی طرح دونوں اس سے برابر برابر شمار ہونگے۔ کراچی کی اہمیت کو کم کرنے کا منصوبہ بنایا گیا۔ زبردستی سیاستدانوں نے بیوروکریٹس کے مدد سے چوہدریوں ،جاگیرداروں، خان زادوں ،نواب زادوں کو پوری طرح پھلنے اور پھولنے کا موقع فراہم کیا اور عوام کو سب نے پس پشت ڈال کر دن رات سیاسی داؤ پیچ کا ڈرامہ شروع کیا۔ آئے دن حکومتیں بنتی اور ٹوٹتی رہیں کہ فوج نے جو 1953 کی قادیانی موومنٹ میں لاہور کے جزوی مارشل لاء کا مزا چکھا ہوا تھا۔ پورے ملک میں مارشل لاء لگا کر ایوب خان نے پہلا فوجی انقلاب برپا کر دیا۔ پھر چند ماہ بعد کراچی کو سیکورٹی رسک قرار دے کر اپنے آبائی گاؤں ریحانہ کی پشت پر ایک جنگل اور پہاڑی علاقے کو اسلام آباد کا نام دے کر نیا دارالخلافہ بنا کر کراچی کو یتیم کر دیا۔ یہاں کے رہنے والوں نے پاکستان کے خاطر یہ ظلم بھی سہہ لیا یعنی صوبہ بھی نہ رہا اور دارالخلافہ بھی نہ رہا۔ پھر بھی کراچی کی اپنی شان وشوکت برقرار رہی وہ اُسی طرح عروس البلاد یعنی روشنیوں کا شہر بنا رہا پھر جب تمام سرکاری محکمے ایک ایک کر کے اسلام آباد منتقل ہوتے رہے تو اُس کی مرکزی حیثیت آہستہ آہستہ کم ہو کر ختم ہو گئی۔ حتیٰ کہ نیوی کا ہیڈ کوارٹر بھی

کراچی سے منتقل کر دیا گیا جو دنیا کا عجیب فیصلہ تھا۔ پھر مارشل لاء اختتام کو پہنچا تو ایوب خان نے عوامی تحریک کے سامنے مطالبات ماننے کے بجائے اپنے ہی ایک جرنیل یحییٰ خان کو اقتدار منتقل کر دیا، پھر بنگالیوں کے شور مچانے پر ون یونٹ کو توڑ کر 4 زبانوں کی بنیاد پر 4 صوبے بنا ڈالے، سندھی، پنجابی، بلوچی اور پشتو اور سب سے بڑی سب سے زیادہ بولنے اور سمجھنے والی 95 فیصد اردو کو یک لخت نظر انداز کر دیا گیا۔ تو دوسری طرف مشرقی پاکستان جو مغربی پاکستان سے بڑی آبادی والا صوبہ تھا صرف ایک صوبے میں تبدیل کر دیا گیا. چاہیئے تو یہ تھا کہ جب مغربی پاکستان کے 4 صوبے بنے تو مشرقی پاکستان کے کم از کم 5 صوبے ہونے چاہیں تھے مگر ایسا نہ ہوا جو آگے چل کر ملک کو دو لخت بننے کا سبب بنا۔ اب یہاں سے پھر کراچی پر آفتوں کے پہاڑ ٹوٹنے کا سلسلہ شروع ہوا صوبے کی زبان سندھی بنی اور اُردو کا جنازہ مشہور زمانہ جملہ سننے میں آیا جب کہ بلوچستان اور سرحد نے صوبائی سرکاری زبان اُردو قرار دی تو بہت ہنگامے کراچی اور حیدرآباد میں ہوئے مگر مرحوم بھٹو صاحب نے اکثریتی بنیاد پر پورے صوبے پر جبری زبان سندھی ہی مسلط کی گئی جبکہ 2 فیصد اُردو بولنے والوں کا کوٹہ مقرر کر کے ایک اور ضرب لگائی جو آج تک زک پہنچا رہی ہے۔ پھر بھٹو صاحب کا اقتدار ختم کر کے مارشل لاء لگا۔ اب ضیاء الحق تشریف لائے چند سال بعد جب وہ بھٹو صاحب کو پھانسی لگانے میں کامیاب ہو گئے تو انہوں نے دیگر سیاسی جماعتوں کا زور توڑنے کیلئے اُردو بولنے والوں کو استعمال کر کے ایم کیو ایم یعنی مہاجر قومی موومنٹ بنوا کر اُردو بولنے والوں کو ایک

پلیٹ فارم پر جمع کر کے 2 زبانوں میں ٹکراؤ کا پہلا تجربہ کیا اور اس طرح الطاف حسین اُردو بولنے والے کے بے تاج بادشاہ بن گئے اور اُس کے بعد سندھ کا نقشہ تبدیل ہونا شروع ہوا۔انہوں نے الطاف حسین کے ذریعے کراچی میں رہنے والے دیگر باشندوں سے ایک ایک کر کے ٹکرایا اس طرح اُردو بولنے والوں کا زوال شروع ہو گیا۔اور الطاف حسین ہر حکومت میں رہتے ہوئے مہاجروں کے حقوق فروخت کر کے اقتدار سے چمٹے رہے اور کراچی اپنی اصلی صورت کھو بیٹھا۔سندھ حکومت گزشتہ 25 سالوں سے اس شہر کی آمدنی کھا کر مضبوط سے مضبوط تر ہو چکی ہے۔اس کی زندہ مثال آج نہ میئر کراچی کی کوئی حیثیت ہے اور اس 20 ملین آبادی والے شہر کا بجٹ 20 ارب روپے مرکزی حکومت نے منظور کر کے پورے شہر کی توہین کی ہے۔لاہور کا بجٹ 200 ارب،اسلام آباد جو کراچی کے ایک چھوٹے سے کونے کے مانند ہے 37 ارب ہے۔بھارت کے ہم پلہ شہر بمبئی کا بجٹ 700 ارب ہے جبکہ صرف کراچی 4200 ارب کا حصہ مرکز کو دیتا ہے۔5310 ارب روپے کے بجٹ میں 20 ارب یعنی صرف 0.35 فیصد آدھے فیصد سے بھی کم حصہ رکھا گیا جبکہ صرف سود پر 1400 ارب اور فوج کے لئے 920 ارب اور خسارہ تقریباً 1400 ارب کے سامنے 20 ارب 200 ملین افراد کے لئے یعنی 1000 روپے ہر شہری کی فلاح و بہبود،تعلیم ،علاج و معالجہ،امداد وغیرہ وغیرہ کے لئے مختص کئے ہیں " سبحان اللہ "اے کراچی کے شہریو تمہیں 20 ارب مبارک ہوں۔جبکہ 100 ارب روپے صرف وی وی آئی پی افراد کی سیکورٹی

کے لئے مختص ہیں۔یہ ہے متوازن بجٹ جو 5 سال سے ہمارے وزیرخزانہ اسحاق ڈار پیش کر رہے ہیں۔1993ء میں کراچی کو بے نظیر بھٹو نے 21 ارب روپے کا پیکج دیا تھا جبکہ 24 سال بعد بھی 20 ارب کا پیکج دیا گیا ہے جو کہ اس مہنگائی کے دور میں اونٹ کے منہ میں زیرے کے برابر ہے۔

مسلم لیگ ن کا مستقبل خطرے میں ہے

ہمارے وزیراعظم محمد نواز شریف صاحب جن کی سیاست جنرل ضیاءالحق مرحوم کی مرہون منت ہے۔صوبائی وزیر خزانہ پنجاب سے لے کر متعدد بار وزیراعظم بننے کا شرف انہیں حاصل رہا ہے اور ایک مرتبہ تو طویل جلاوطنی بھی اُن کا مقدر بنی۔مگر قسمت کے دھنی ثابت ہو چکے ہیں۔شروع سیاست سے لے کر آج تک ان کے بھائی شہباز شریف کو کریڈٹ جاتا ہے کہ دونوں بھائی کسی نہ کسی طرح ڈولتی ہوئی سیاسی کشتی کو بار بار پار لگانے میں کامیاب ہو جاتے ہیں۔اُن کے بیشتر وزراء اُن کے مشیر کا بھی فریضہ انجام دیتے رہے ہیں۔جن کی وجہ سے بھی اقتدار کی کرسی سدا (ہمیشہ) ہلتی رہتی ہے مگر وہ اس کا بُرا نہیں مانتے اور نہ ہی اس سے سبق حاصل کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔مدتوں ساتھ رہنے والوں میں گجرات کے چوہدری برادران اور شیخ رشید کو جنرل پرویز مشرف نے اُن سے چھین کر 8 نو سال مسلم لیگ کی کمی مسلم لیگ ق بنا کر پوری کی مگر جب پرویز مشرف صاحب کا ستارہ اوپر تلے گردش میں آیا تو چوہدری برادران اور شیخ رشید صاحب حسبِ سیاسی روایات الگ ہو کر اپنی سیاست کو بچا گئے۔چوہدری

برادارن نے پی پی کے ساتھ معاملہ طہ کر کے 5 سال گزار دیئے،تو شیخ رشید نے پی ٹی آئی کا سہارا لیا اور آج تک وہ عمران خان کو سیاست سکھا رہے ہیں۔مگر نواز شریف صاحب اپنی مخصوص کچن کیبنٹ کے سہارے جو شروع سے ان کے ساتھ رہے ہیں۔جن کی مشوروں کی وجہ سے بار بار اقتدار سے نکالے گئے۔آج بھی اُسی طرح وہ فوج کے خلاف مشورے دے کر گرداب میں ڈال رہے ہیں۔بس فرق یہ ہے کہ وقت کے ساتھ ساتھ میاں نواز شریف صاحب نے ان ساتھیوں میں اپنے 4 پانچ درجن افراد اپنی فیملی کے بھی ساتھ شامل کر لیئے ہیں۔جو عوام کے مسائل حل کرنے کے بجائے اپنی اپنی سیاست چمکانے میں لگے ہوئے ہیں۔چوہدری نثار علی خان تو خاموشی سے فوج پر دبے الفاظوں میں وقتاً فوقتاً تنقید کرتے رہتے ہیں۔مگر خواجہ آصف جن کا خاندان ہی فوج سے وابستہ رہا ہے،کھل کر قومی اسمبلی میں گھن گرج کے ساتھ فوج اور اُس کے ذیلی اداروں پر کھل کر تنقید کر رہے ہیں۔ابھی تک یہ معلوم نہیں ہو سکا کہ آیا وہ میاں صاحب کے در پردہ مشوروں پر عمل کر رہے ہیں یا پھر وہ میاں صاحب کو مشورہ دے رہے ہیں۔یہی کچھ سعد رفیق اور سابق وزیر اطلاعات پرویز رشید صاحبان کی باڈی لینگویج بتاتی ہے کہ وہ فوج کی عمل دخل سے بالکل بے زار ہیں۔خصوصاً اُن کی وزارت اطلاعات کا جانا بھی فوج پر تنقید کا سبب بنا تھا۔دیکھتے ہے رانا ثناءاللہ تو واپس آگئے ہے میاں صاحب پرویز رشید کو کب واپس لاتے ہیں۔ابھی یہ کش مکش جاری تھی کہ سندھ کے نئے گورنر جناب زبیر صاحب نے بھی گورنری کا حق ادا کرتے ہوئے آتے ہی

فوج کے خلاف ایک خوفناک شوشہ چھوڑا تھا مگر وہ ہوا میں انہی کے بھائی جو فوج کے اہم عہدے پر فائز ہیں ہوا میں تحلیل کر دیا نئی وزیر اطلاعات محترمہ مریم اورنگ زیب وقفے وقفے سے فوج اور عمران خان پر جملے بازی تک محدود تھیں کہ اچانک پانامہ لیکس کے متاثرین کے حمایت میں کراچی سے سینیٹر بننے والے نہال ہاشمی صاحب سے نہ رہا گیا اور اچانک بیٹھے بیٹھے سینیٹر کے آخری دنوں میں فوج کے خلاف اپنا حصہ ڈالنے کا تمام وقت وہ نواز شریف صاحب کے حق میں کچھ نہ کچھ کہنے کے ساتھ جے آئی ٹی کے اراکین پر برس پڑے اور ایسے برسے کہ مسلم لیگ ن اور میاں نواز شریف ان کی زلزلہ انداز تقریر پر ان سے استعفیٰ طلب کر بیٹھے، جوشِ خطابت میں جب وہ ہوش کھو بیٹھے تو استعفیٰ بھی دے دیا، صبح ہوئی تو یاروں نے سمجھایا ہوگا یا بقول اعتزاز احسن کہ یہ بھی اس ڈرامہ کا حصہ تھا کہ پہلے استعفیٰ دو اور پھر چیئرمین سینٹ کی خوشامد کر کے وہ واپس لے لو، خدا کا کرنا وہ استعفیٰ واپس ہوا تو اُن کی جان میں جان آئی مگر اب عدالتوں کی چکر تو کاٹنا ہونگے۔ مگر وہ عرصہ تک اب میڈیا کی جان بنے رہینگے ۔4 سال جو خاموشی میں گزرے تھے اب روز اخبارات کی زینت بنیں گے۔ کم از کم سیاسی طور پر تو ابھرے رہینگے اور بعد میں جس طرح مسلم لیگ ن کا وطیرہ ہے سب کچھ مک مکا ہو جائیگا۔ مشاہد اللہ کی طرح واپس لے لیا جائے گا مگر جس طرح پی پی پی کی آخری دنوں میاں نواز شریف اور میاں شہباز شریف صاحبان نے الیکشن کمپین میں سابق صدر آصف علی زرداری کی حکومت اور کرپشن پر جلسوں میں جو تابڑ توڑ حملے کئے تھے اور اُن کو عوامی عدالت کے

کٹہرے میں لانے کا اعلان کیا تھا۔ خالص اُسی طرز پر اُن کے نووارد صاحبزادے بلاول بھٹو للکار رہے ہیں۔ غالباً زرداری خاندان بشمول آصفہ اور بختاور دونوں بہنوں کو بھی زرداری صاحب نے اپنے بھائی بلاول بھٹو کے ساتھ نتھی کر کے پنجاب میں یلغار کی راہ دکھائی ہے تاکہ یہ نوجوان خون سوئے ہوئے جیالوں کو ایک مرتبہ پھر جگا کر بھٹو زرادری خاندان کو اقتدار کی مسند پر بیٹھا کر اپنا بدلہ لے جو بظاہر تو مشکل نظر آتا ہے مگر نواز شریف کے مشیر پھر کوئی غلطی کر کے ان کی راہ ہموار کر سکتے ہیں۔ غالباً انہی کے لئے شاعر نے خوب کہا تھا "ہوئے تم دوست جن کے دشمن اُس کا آسماں کیوں ہو" اگر مسلم لیگ ن اپنی مدت پوری کرنے میں پہلی مرتبہ کامیاب ہوگئی تو پانامہ لیکس سمیت 5 سال میں کئے گئے وعدوں میں سے آج تک ایک وعدہ بھی پورا نہیں ہوا اور نہ ہی پی پی پی کی کرپشن کا حساب کتاب ہوا نہ بجلی کا بحران ختم ہوا، بقول پی پی پی کے جیالوں کے ہم نے آئی ایم ایف سے اتنے قرضے نہیں لیئے تھے جس کی وجہ سے ہم پر کرپشن کے الزامات لگے جتنے مسلم لیگ ن نے قرضوں کے علاوہ کرپشن کے تمام ریکارڈ توڑ کر ہمیں بھی شرما دیا ہے اور ہمارا کام آسان کر دیا ہے۔ دیکھتے ہیں عمران خان اور پی پی پی دیگر پارٹیوں کے ساتھ مل کر اتحاد بناتے ہیں تو پھر مسلم لیگ ن الیکشن میں بڑی طرح شکست دوچار ہو سکتی ہے۔

جدید سائنس اور چاند کی شہادتیں

چند سال قبل موسم سرما میں ہم میاں بیوی امریکہ کے شہر نیویارک میں ساڑھے تین بجے دوپہر جے ایف کے ائرپورٹ اُترے تو اچانک ہم نے دیکھا کہ برف باری شروع ہوگئی اور دیکھتے ہی دیکھتے ائرپورٹ اور باہر کی سڑکیں برف سے ڈھک گئیں ۔امیگریشن کاؤنٹر سے باہر آتے آتے ایک گھنٹہ لگ گیا۔ ہماری دوسری فلائٹ شام 6 بجے تھی ہم کو دوسرے ٹرمینل پر جانا تھا۔ جس پر جانے کے لئے مونوریل تھی جس کے ذریعے تمام مسافر ائرپورٹ کے تمام ٹرمینلو پر آجاسکتے ہیں۔ہم دوسری ائرلائن کے ٹرمینل پر پہنچے،چونکہ تمام ٹرمینلو آپس میں ایک دوسرے سے منسلک ہیں تو وقت کا پتہ نہیں لگتا، دوسری تمام فلائٹس کینسل ہوچکی تھیں۔ ہم کو کہا گیا ہماری اگلی فلائٹ جو 6 بجے جانا تھی موسم کی خرابی کی وجہ سے اب کل صبح 11 بجے جائے گی۔لہذا کل آپ صبح ائرپورٹ 2 گھنٹے پہلے آجائیں۔ ہم ائرپورٹ سے باہر آئے تو تمام سڑکیں برف سے اٹی پڑیں تھیں ہم کو رات ائرپورٹ پر گزارنی تھی ہم نے ائرپورٹ پر لگے ہوٹلوں کے ٹیلی فون گھمانا شروع کردیئے ۔ایک رات رُکنے کیلئے کمرہ درکار

تھا۔اندرونی ٹیلی فون تمام ائرپورٹ کے ہوٹلوں نے مسافروں کے آسانی کیلئے لگائے ہوئے ہیں اور بیشتر مسافر باہر جانے سے پہلے انہی ٹیلی فون کے ذریعے اپنی رہائش تک کرواکر ٹیکسی کے لئے باہر نکلتے ہیں ۔ عام طور پر ائرپورٹس پر سستے ہوٹل ہوتے ہیں۔ہم کو بمشکل 3 اسٹار ہوٹل میں جو ائرپورٹ سے آدھے کلومیٹر پر واقع تھا، دُگنے کرایہ پر کمرہ ملا، ہم نے اس کو غنیمت جانا اور باہر آگئے ۔اب مسئلہ ہوٹل تک پہنچنا تھا مگر باہر تمام ٹیکسیاں غائب تھیں۔ اللہ اللہ کرکے ایک ٹیکسی آئی ہم نے وہ سامنے واقع ہوٹل کا نام لے کر کرایہ پوچھا تو اس نے کہا 50 ڈالر، ہم نے کہا 50 ڈالر تو شہر جانے کے ہوتے ہیں تو اس نے کہا کہ شہر جانے کے تمام راستے بند ہیں ہم نے اس کو غنیمت جانا اور ٹیکسی میں بیٹھ گئے ۔ 2 منٹ بعد اس نے ہم کو مطلوبہ ہوٹل پر اتار دیا۔ہوٹل میں پہنچ کر دیکھا کہ ایک لمبی قطار لگی ہوئی ہے۔مگر چونکہ ہم نے ائرپورٹ پر سے کمرہ بُک کروالیا تھا تو ہم کو استقبالیہ والوں نے ہمارے کمرے کے چابی دیتے ہوئے بتایا چونکہ ہماری فلائٹ صبح ہے لہذا آپ وقت مقررہ پر ناشتہ کرکے 9 بجے باہر آجائیں تاکہ آپ کو سامنے ائرپورٹ پر پہنچایا جاسکے۔ہم سوچ رہے تھے کہ پورا شہر نیویارک برف سے بھر چکا ہے بھلا کل کیسے فلائٹ جائے گی۔ہم نے تسلی کیلئے کاؤنٹر والوں سے پوچھا کہ ایسا کیسے ممکن ہے کہ کل صبح 11 بجے فلائٹ چلی جائے گی تو انہوں نے بتایا کہ کل صبح 8:30 سورج طلوع ہوگا ،بلدیہ برف صاف کریگی، برف پر نمک چھڑکے گی،ٹریکٹر برف کو سائیڈ لائن کریں گے اور ٹریفک چالو ہوجائے گی ۔اسی طرح اس وقت کے مطابق ائرپورٹ کے رن وے صاف کیے جائینگے ۔اور جہاز اترنا شروع ہوجائیں گے۔ یہ تمام معلومات ہمارا محکمہ موسمیات لمحہ لمحہ کی خبریں دیتا ہے اور وہ کم وبیش

بالکل صحیح ہوتی ہیں۔ یہ تمام موسمی خبریں نہ صرف ہوائی اڈوں پر بھجی جاتی ہیں ۔ بلکہ تمام ٹی وی چینل پر عوام کو خبر دار کرنے کیلئے 24 گھنٹے نشر ہوتی ہیں۔ تاکہ عوام اپنی آسانی کیلئے اس سے فائدہ اُٹھائیں اور صبح و شام موسم کے اعتبار سے اپنے پروگرام ترتیب دیں۔ ہم کو اتنا بھروسہ موسم پر تو نہ تھا مگر چونکہ دوسری فلائٹ اب صبح جانے کی پیشگی اطلاع تھی ہم اس کی مناسبت سے اُٹھے، ناشتہ کیا اور 2 گھنٹے پہلے ائرپورٹ پر پہنچے تو واقعی ہمارا جہاز تیار کھڑا تھا۔ ٹھیک 11 بجے ہماری فلائٹ منزل مقصود کی طرف روانہ ہوئیں۔

تفصیل اس لئے میں نے قارئین کے لئے لکھی کہ آج سائنس نے دنیا بھر میں اتنی ترقی کرلی ہیں کہ تمام مواصلات خواہ وہ موبائل ہوں، انٹرنیٹ ہوں، موسم کے حالات ہوں، سیکنڈ در سیکنڈ پہلے حاصل کیے جاسکتے ہیں بشرطیکہ آپ کے پاس وہ جدید آلات ہوں جس سے آپ معلوم کرسکیں، کہ کب چاند طلوع ہوگا ، کب غروب ہوگا، کب بارشوں کا امکان ہوگا، اور بارش کی تو غیر ممالک میں پیشن گوئیاں صحیح ثابت ہوتی ہیں، مگر پاکستان میں معذرت کے ساتھ لکھنا پڑتا ہے کہ ہر سال عید اور بقرعید کے خوشگوار موقعوں پر اکثر چاند دیکھنے کیلئے 30 چالیس علماء کو چھت پر بیٹھا کر دوربینوں سے یا شہادتوں سے چاند کے ہونے یا نہ ہونے کا اعلان کروایا جاتا ہے۔ اور مزے کی بات کہ صوبہ سرحد جو اب خیبر پختو خواہ ہے وہ تقریباً ہر سال اپنے حساب سے ایک دن پہلے ہی عید اور بقرعید کرتا ہے اور وہ ان علمائے کرام کے فیصلے بھی نہیں مانتا، اس سال بھی صوبہ خیبر پختو خواہ میں ایک دن روزہ پہلے رکھا گیا ہے۔ 50 سال پہلے چاند دیکھنے کا طریقہ اور آج کے طریقے میں سائنس حائل ہوچکی ہے اب سائنسی آلات بتادیتے ہیں۔ اس محکمہ مذہبی امور کے تحت ہر ماہ اتنے علماء کی تعداد کو

جمع کرنا، پھر ہر سال کروڑوں روپے خرچ کرکے صرف چاند کی شہادتیں حاصل کرنا جبکہ تمام صوبوں کا ان پر مکمل اعتماد نہ ہونا، آپس میں فرقوں کی مزید تقسیم کا باعث ہوتا ہے۔ ہم بحیثیت مسلمان اسلام کے بنیادی اصولوں سے ہٹ چکے ہیں۔ جس میں جھوٹ، سود، قتل ایک دوسرے کا مال کھانا منع ہے اور انصاف، مساوات، نماز، روزہ، زکوۃ سب سے زیادہ ضروری تھے۔ آج مسلمان معاشرے سے دور ہوکر غیر مسلموں میں جاچکے ہیں وہ ہماری اچھائیاں اپنا چکے ہیں اور ہم ان اختلافی چیزوں پر اُلجھے ہوئے ہیں اور پستی کی آخری حدوں کو چھوکر بدنام ہوچکے ہیں۔ ہماری خوشی کے تہوار بھی تقسیم ہوچکے ہیں۔ ماضی میں جو ہم نے رویت ہلال کمیٹی بنائی اس میں اپنے پسند کے علماء شامل کیے اس زمانے میں جب ہمارے ملک نے سائنس میں ترقی نہیں کی تھی ۔ آج بھی 40 سالہ پرانا نظام عوام پر مسلط کررکھا ہے۔ اس تفریق کو ختم کرنے کیلئے چاند کی شہادتیں سائنس کے حوالے کرکے جس طرح سعودی عرب اور مسلم ممالک میں سعودیہ کے ساتھ عید منانے کا نظام بنادیا جائے تو اس سے مسلم علماء بھی ایک ہوسکیں گے۔ تمام علماء پاکستان میں بیٹھ کر اس خوشی کے موقع کو یکجا کردیں تو سعودی عرب میں ہونے والے بقرعید اور حج کے دوسرے دن تمام مسلمان ملکوں کی طرح پاکستان میں بھی دوسرے دن قربانی ہوسکے گی اور یہ تفریق ختم ہوجائیگی۔ آخر ہم انٹرنیٹ، موبائل فون، سیٹلائٹ جیسی سائنسی ایجادات سے فائدہ اُٹھارہے ہیں تو پھر چاند کا مسئلہ کیوں اس نظام سے حل نہیں کرسکتے؟

عمران خان کی نئی سیاسی بھرتیاں

عمران خان اور اصغر خان دونوں سیاستدانوں میں بہت سی باتیں مشترک ہیں۔ دونوں سیاستدانوں پر کرپشن کے الزامات نہیں لگے مگر سیاسی میدان میں دونوں ہی جلد باز اور سیاسی قلابازیاں کھانے میں ماہر سمجھے جاتے ہیں۔ اصغر خان نے شروع ہی سے ذوالفقار علی بھٹو کے خلاف سیاسی محاذ آرائی سے آغاز کیا اور بہت نام کمایا۔ اُس زمانے میں بھٹو مرحوم کے خلاف آواز بلند کرنا تقریباً ناممکن تھا مگر انہوں نے جلد ہی جلسے جلوس کر کے عوام کو بہت حد تک بھٹو کی سیاست کے خلاف سڑکوں پر لے آئے اور پھر جب بھٹو نے انتخابات کا اعلان کیا تو پی این اے نے (پاکستان نیشنل الائنس) بنا کر مشترکہ محاذ بنا کر بھٹو صاحب کو ناکوں چنے چبوا دیئے۔ پھر انتخابات میں دھاندلیاں ہوئیں عوام سڑکوں پر نکل آئے، گفت وشنید ناکام ہوئی تو مرحوم ضیاء الحق نے اس سے فائدہ اُٹھایا اور ملک میں مارشل لاء لگا کر جمہوریت کا بستر گول کر دیا۔ مگر اصغر خان کو کچھ حاصل نہ ہوا اور ضیاء الحق آرام سے 10 سال تک حکومت کرتے رہے۔ آخری دم تک اصغر خان کو اقتدار نہیں مل سکا اور وہ اب گوشہ نشینی

میں زندگی گزار رہے ہیں۔ عمران خان نے بھی کرپشن کے خلاف آواز اُٹھائی مگر اُس وقت پی پی پی کی حکومت تھی۔ اُن کی آواز گونجتی رہی عوام سے پذیرائی ملی نیا نیا سیاسی خون تھا، ورلڈ کپ کی جیت اور شوکت خانم ہسپتال اُن کے کارناموں میں شمار ہوتے تھے۔ نئے نئے لوگ جوق در جوق اصغر خان کی نئی پارٹی کی طرح سیاسی میدان میں ان کے ساتھ شامل ہوئے، انتخابی نشان بلا تھا جو کرکٹ کی کامیابی کا نشان تھا۔ ہر جگہ سے ووٹ سمیٹے مگر دھاندلیوں نے ایک مرتبہ پھر قوم کو مایوس کر دیا۔ عمران خان اقتدار میں آتے آتے رہ گئے۔ پرانے سیاسی جغادریوں نے ہر صوبے میں خفیہ ہاتھ دکھا کر اُن کو صرف خیبر پختون خوا تک محدود کر دیا۔ اگر چہ وہ پنکچروں کا واویلہ کرتے رہے پھر دھرنے کا سہارا لیا شروع شروع میں دھرنا قوم کو جگانے کا ذریعہ بنا اور جب ان کے ساتھ لاہور کے سانحہ پر مولانا طاہر القادری نے دھرنے میں شرکت کی تو اسلام آباد پہلی مرتبہ سیاسی اُکھاڑہ بنا مگر مسلم لیگ ن کے نواز شریف صاحب کی قسمت ساتھ دے گئی اور کئی مرتبہ کشتی اُلٹتی دکھائی دی مگر پھر وہ اس بھنور سے نکل گئے۔ اُس کی وجہ بھی طاہر القادری صاحب تھے جو خاموشی سے اپنا دھرنا ختم کر کے بقول شخصے وصولیابی کے بعد اپنے ہیڈ کوارٹر کینیڈا جہاں سے وہ آئے تھے واپس لوٹ گئے۔ مگر عمران خان نے پھر بھی نواز شریف حکومت کا ناطقہ بند کر رکھا۔ ہر طرف سے وار کرتے رہے آگے پیچھے ہوتے گئے۔ پھر اچانک پانامہ لیکس کا معاملہ اُن کے ہاتھ آیا۔ میڈیا نے بھرپور اُن کا ساتھ دیا اور پھر میدان میں نئے ہتھیاروں کے ساتھ اُترے اگر چہ اُن کے بہت سے

پرانے ساتھی اُن کی جلد بازی اور سیاسی ناپختگی کی وجہ سے ایک ایک کرکے ساتھ چھوڑ چکے تھے۔ خصوصاً مخدوم جاوید ہاشمی جوان کے پارٹی کی ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت کے ساتھ ساتھ پارٹی کے صدر بھی تھے، اُن کا جانا پارٹی کے لئے جھٹکے سے کم نہیں تھا۔ مگرانہوں نے نئے آنے والوں کا سیاہ ماضی برداشت کرکے اپنی پارٹی میں جگہ دینی شروع کردی۔ آج کل وہ پانامہ لیکس کے مرکزی مخالفین میں شمار ہوتے ہیں۔ شیخ رشید کے ساتھ مل کر نواز شریف کی حکومت کو ہر صورت میں ختم کروانے میں سب سے آگے ہیں۔ جگہ جگہ جلسے کرکے عوام کو مسلم لیگ ن کے خلاف جمع کرنے میں لگے ہوئے ہیں۔ اگرچہ درپردہ تو پی پی پی والے مسلم لیگ ن کے ساتھ ہیں مگر جب سے پی پی پی کی باگ دوڑ بلاول بھٹو کے ہاتھ آئی ہے اُن کے تیور بھی بدلے بدلے لگتے ہیں ۔خاص طور پر قائد حزب اختلاف خورشید شاہ بھی پانامہ لیکس کے معاملے کو اعتزاز احسن سے خوب بلوا رہے ہیں۔ پانامہ لیکس کا حاصل کیا ہوگا کچھ نہیں کہا جاسکتا مگر عمران خان نے پی پی پی کے وہ کرپٹ وزراء، پرانے جیالے جو بی بی مرحوم کے بعد صدر آصف علی زرداری کے بہی خواہ تھے بلاول بھٹو سے خائف ہیں اور سمجھتے ہیں کہ اب کی بار بلاول بھٹو سیاسی میدان میں نوجوان جیالوں کو اُتاریں گے۔ تو انکل اور آنٹیاں باہر ہو جائیں گے، ادھر اُدھر جانے کے بجائے پی ٹی آئی ایک ایک کرکے پنجاب اور سندھ میں آنکھ بند کرکے گلے لگانے کے لئے تیار ہے تو خاموشی سے تحریک انصاف میں شامل ہوکر نئے سرے سے سیاسی میدان میں اُتریں اور عوام اُن کو عمران خان کی چھتری میں

سمولیں گے۔ اُن کے پاپوں پر پردہ بھی پڑ جائیگا اور کھویا ہوا مقام بھی دوبارہ ہاتھ آجائیگا۔ جس تیزی کے ساتھ یہ پی ٹی آئی کی واشنگ مشین سے دھلے لوگ اس پارٹی میں آرہے ہیں۔ تو دوسرے دروازے سے پرانے کارکن آہستہ آہستہ پی ٹی آئی سے نکل کر عمران خان اور اُس کے پارٹی سے بدظن ہوکر کنارہ کش ہو جائیں گے ۔اور جب انتخابات کا اعلان ہوگا تو لامحالہ ٹکٹیں انہی لوگوں کو ملیں گی۔ کیا ان میلے کچیلوں کو عوام ووٹ دے گی جو اپنی پارٹی کے نہیں ہوئے اور پی پی پی کے بُرے وقت پر اُس کا ساتھ چھوڑ گئے بھلا وہ کیسے پی ٹی آئی کے ہمدرد ہونگے ۔اس وقت عمران خان جس جوش وخروش سے اُن کو ساتھ لے کر تصویریں کھنچوا رہے ہیں۔ اس سے زیادہ تیزی سے عوام ان کے شمولیت کو ناراضگی سے دیکھ رہے ہیں۔ جس طرح وہ مسلم لیگ ن کے نواز شریف کو ٹف ٹائم دے رہے ہیں اتنا ہی نواز شریف مظلوم بن کر ابھریں گے ۔کیونکہ پنجاب کے عوام اب بھی نواز شریف اور شہباز شریف کو دیگر سیاستدانوں سے بہتر سمجھتے ہیں ۔اُس کی وجہ پنجاب دیگر صوبوں کی بہ نسبت بہت ترقی کرکے آگے جاچکا ہے۔ نہ سندھ کے حکمران، بلوچستان اور صوبہ پختواہ ابھی تک پسماندہ ہیں۔ رہا کراچی والوں کا تو خود سندھ کے حکمرانوں سے گلہ ہے ۔وہ کراچی کو کھنڈر بنا چکے ہیں۔ نہ تو عمران خان نے کراچی سے چند سیٹیں حاصل کرنے کے باوجود کراچی کیلئے کچھ نہیں کیا اور مسلم لیگ ن تو کبھی کراچی میں کوئی سیاسی کردار ہی ادا نہ کرسکی، خود پی پی پی کی ظالمانہ پالیسیاں کراچی والوں کو بھٹو صاحب کی دور سے ہی بدظن کرتی آئی ہیں۔ اب دیکھتے ہے کہ

اگلے الیکشن میں متحدہ قومی موومنٹ پاکستان اور مصطفیٰ کمال کی پارٹی پی ایس پی کیا کردار ادا کریگی؟

دنیا کا امیر ترین صدر؟

قارئین 3 سال قبل میں نے لاطینی امریکہ کے ایک ملک یوروگوائے کے صدر جوزے موزیکا (Joze Mojica) جن کی عمر 80 سال تھی۔ وہ 2010 سے 2015 تک صدر کے عہدے پر رہے۔ان کے ملک کے قانون کے مطابق صدر صرف ایک مرتبہ 5 سال تک صدارت کی کرسی پر رہ سکتا ہے۔چند خصوصیات لکھی تھیں مثلاً وہ صدر بننے کے بعد بھی صدارتی محل میں نہیں رہے۔اپنے پرانے 15 ایکڑز کے فارم پر ہی پورے 5 سال انتہائی سادگی کے ساتھ گزارے۔کوئی صدارتی مراعات نہیں لیں،اُس ایگری کلچرل فارم پر چونکہ وہ،ان کی بیگم جن سے انہوں نے 2005 میں شادی کی تھی دونوں ہی ایگری کلچرل فارمر تھے۔اُس 3 کمروں کے فارم پر وہ اور ان کی بیگم اور ایک معذور کتا جو 3 ٹانگوں سے چلتا تھا اور اُن کے ایک پُرانی گاڑی (Bentley) جیسے وہ خود ڈرائیو کرتے تھے یہ تھا اُن کا کل سرمایہ۔اس سے آگے سنیئے اُن کی سالانہ صدارتی تنخواہ تقریباً 14000 ڈالرز تھی۔اُس کو بھی 90 فیصد وہ خیراتی اداروں کو دے دیتے تھے۔ان کی بیگم ٹیچر بھی تھی، پڑھائی

کے عوض ان کو تقریباً 12000 ڈالرز تنخواہ ملتی تھی وہ بھی 90 فیصد چیریٹی کرتی تھی۔شام کو دونوں میاں بیوی اور ان کا کتا عام شہریوں کی طرح بازار میں چہل قدمی کرتے دیکھے جاتے تھے۔ان کو دیکھ کر اُن کی عوام خوش ہو کر تالیاں بجا کر اُن کو خراج تحسین پیش کرتی تھی۔ان کی کوئی اولاد بھی نہیں تھی ان کو دنیا کا غریب ترین صدر سمجھا جاتا تھا۔نوجوانی میں سیاست میں آنے کے بعد ان کے ملک میں فوجی انقلاب بھی آیا اُس کی مخالفت میں وہ کافی عرصہ جیل بھی 2 بار گئے۔جمہوریت کی بحالی میں نمایاں کردار ادا کیا۔2 مرتبہ عوام نے ان کو سینیٹر بھی چُنا۔صدارت سے پہلے وہ ایگری کلچر اور لائیو اسٹاک کے وزیر بھی رہے ۔ان کی حکومت نے اس سادگی کو خراج تحسین پیش کرنے کیلئے اُن کا نام نوبل پرائز کے لئے بھی پرپوز کیا تھا۔جب وہ صدارتی مدت پوری کر چکے تو بعد میں انہوں نے شہری فارم ہاؤس فروخت کر کے شہر کے مضافات میں اُس سے بھی چھوٹا فارم ہاؤس خرید کر رہائش منتقل کر لی۔اُن کی حفاظت کے لئے 2 پولیس والے اُن کے ویران علاقے میں ڈیوٹی دیتے ہیں۔اُس میں BBC کی ایک نمائندے نے انٹرویو کے آخر میں پوچھا۔آپ دنیا کے بہترین سادگی پسند غریب ترین صدر سمجھے جاتے ہے۔آپ اس پر تبصرہ کریں ۔انہوں نے اُس نمائندے کو کیا جواب دیا، ہماری آنکھیں کھولنے کے لئے کافی ہے انہوں نے کہا کہ میں کیسے غریب ترین صدر ہو سکتا ہوں۔میں امیر ترین صدر تھا میں اپنی 10 فیصد تک تنخواہ پوری نہیں خرچ کر سکا۔غریب وہ ہوتا ہے جسے اور پھر اور پھر اور دولت جمع کرنے کی ہوس ہوتی ہے۔جو کبھی

پوری نہیں نہیں ہوتی اور اپنی اس دولت کا انبار بغیر تصرف میں لائے چھوڑ کر دنیا سے چلا جاتا ہے،ہائے بیچارہ ،یہ کہہ کر انہوں نے وہی اپنی پرانی گاڑی نکالی ،بیگم کو بٹھایا کتا پیچھے کے سیٹ پر بیٹھا اور گھومنے کے لئے شہر کے طرف روانہ ہو گئے۔BBC کا نمائندہ حسرت اور احترام سے ان کے جملے میں کھو گیا۔ایک دوسری مثال بہت ہی تازہ ،پچھلے ہفتے کینیڈا کے وزیر اعظم جسٹن ٹوڈو نے بیلجیم کے وزیر اعظم جو آفیشل دورے پر آئے تھے ایک ریسٹورنٹ میں ان کو لنچ کرایا صرف ایک آئٹم کھانے میں سوپ کے ساتھ اور گرمی کی وجہ سے آئس کریم دونوں کے آگے کھانے والی میز پر دیکھی گئی۔پچھلے دنوں امریکہ کے سابق صدر اُوباما نے بھارتی صدر کو رات کے کھانے میں صرف ایک ویجیٹیرین تھالی پیش کی۔خود امریکہ کے صدر صدارتی محل چھوڑنے سے پہلے آخری لنچ میں اپنے اسٹاف کو خود سرو کرتے ہیں۔آج بھی وہ اپنے گھر کی گروسری خریدتے شگاگو میں اپنی اہلیہ کے ساتھ دیکھے گئے اور بھی بہت سے امیر ترین ممالک کے سربراہان کی مثالیں دی جا سکتی ہیں۔UK کے آخری سبکدوش ہونے والے وزیر اعظم ڈیوڈ کیمرون 10 ڈاؤننگ اسٹریٹ کے رہائش گاہ سے اپنا سامان خود ٹرک میں لاد کر لے جاتے دیکھے گئے تھے۔میں عمرے کے لئے مکہ میں تھا کسی نے مجھے واٹس اپ پر ہمارے وزیر اعظم جو حال ہی میں عمرے کے لئے معہ اپنے دوستوں ،وزیروں ،رشتہ داروں کے ہمراہ مسجد نبوی میں پولیس اور فوج کے جوانوں کے جھرمٹ میں داخل ہوئے تو بہت سے دل جلے بھی عبادت کر رہے تھے۔لوگوں نے اُن کو حقارت کی

نگاہوں سے دیکھا۔ پیچھے سے جو جملہ کہا وہ لکھنے سے قاصر ہوں پھر اُس سے ملتے جلتے جملوں کے تکرار بھی با آواز بلند سننے میں آئی ۔ آخر میں واٹس اپ بھیجنے والے نے لکھا کہ سرکاری خرچ پر ہونے والے ان کے عمروں کا عوام کو ثواب ملے گا کیا؟ ایسے ملتے جلتے ایک واٹس اپ پر ہمارے سابق صدر امریکہ ایک بہت مہنگے ہسپتال سے اپنے ساتھیوں کے ہمراہ بہت قیمتی سوٹ میں بہت ہی قیمتی گاڑی کی طرف جاتے ہوئے دیکھے گئے ۔ایک پاکستانی نوجوان نے ان کا راستہ روکنے کی کوشش کی اور با آواز بلند کہا کہ زرداری صاحب ہر طرف پاکستان میں بم پھٹ رہے ہیں ،عوام مر رہے ہیں اور آپ یہاں عیاشی کر رہے ہیں جواب دیں وہ جواب کیا دیتے اُن کے ساتھیوں نے جلدی گاڑی کا دروازہ کھولا اُن کو اگلی سیٹ پر بٹھا کر روانہ کر دیا۔اور یہ بھی سننے میں آیا کہ کہا کہ یار دیکھنا اُس کی ویڈیو تو نہیں بنی ۔آج کل میڈیا بہت ترقی کر چکا ہیں۔عوام بھی بیزار ہوتے جا رہے ہیں۔آپ نے بھی مولانا فضل الرحمان جو اپنے چند ساتھی صحت مند افراد کے ساتھ لندن کے ایک ریسٹورنٹ سے نکلے تو چند منچلے پاکستانی نوجوانوں نے ان کو گھیرنے کی کوشش کی تو وہ بھی تیزی کے ساتھ گاڑی میں بیٹھنے لگے تو آوازیں ڈیزل ،ڈیزل کی گونجتی رہیں ۔خود ہمارے خادم اعلیٰ لندن میں بغیر پروٹوکول ایک ٹیکسی کو روکنے کے لئے آگے بڑھے ان کے ساتھ بھی عوام جو بس اسٹینڈ پر بس کا انتظار کر رہے تھے بھڑک اُٹھے۔ وہ وہ جملے ان کے لئے کہے گئے بس کیا لکھوں یہ دل جلوں کی دلوں کی آوازتھیں ۔ وہ ان آزاد ملکوں میں اپنے لیڈروں کو اگر غلط کام کرتے دیکھیں تو

نہیں چھوڑتے کیونکہ اُن کے ٹیکس سے حکومتیں چلتی ہیں۔خوسوچیں یہ مقروض ترین ملک جس کا بال بال گروی رکھ کر ہمارے حکمران عیش کی زندگیاں گزار رہے ہیں بھلا ہمارے صدر ممنون حسین کے صدارتی محل کا خرچہ 75 کروڑ روپیہ اور وزیراعظم کا 124 کروڑ روپیہ ،خادم اعلیٰ کے لئے 3 ارب کا جٹ طیارہ اُس پر بھی یہ نعرہ کہ شریف خاندان پر آج تک کوئی کرپشن ثابت نہیں کر سکا ۔سپریم کورٹ ،جے آئی ٹی دونوں وقت ضائع کر رہی ہیں۔روزانہ صبح 8 بجے اٹھ کر ایک نئی کہانی قوم سننے کو ملتی ہیں۔حزب اختلاف حزب اقتدار کو کرپٹ حکومت کا لقب دیتے ہیں اور حزب اقتدار کہتے ہے کہ پی پی پی ملک کو لوٹ کر کھا گئی۔سارا کا سارا شہر خالی ہو گیا،قاضی بیچارہ ثبوت کی تلاش میں دربدر کی ٹھوکریں کھا رہا ہے۔ کس کس کی مثالیں لکھوں یہ ہمارے حکمران گزشتہ 40 سال سے قوم کا پیسہ لوٹ کر کھا چکے ہیں۔آج تک درجنوں اداروں کی موجودگی میں ایک کو بھی سزا نہیں ہوسکی۔

ہائے رے بے چاری پاکستانی قوم!

صوبے بنانے کی سوچ

گزشتہ کئی سالوں سے کراچی کے حالات بہت گھمبیر ہو رہے تھے ہر طرف ٹارگٹ کلنگ اور دہشت گردی کا راج تھا۔تینوں متعلقہ سیاسی جماعتیں جو حکمرانی کر رہی تھی ۔جن میں پاکستان پیپلز پارٹی ،متحدہ قومی موومنٹ اور اے این پی سب اس دہشت گردی کا سدباب کرنے میں ناکام ہو چکے تھے۔اُس وقت الزامات کی بوچھاڑ میں متحدہ نے علیحدگی کر لی تھی،سابق وزیر داخلہ رحمان ملک بھی ان کو منانے میں ناکام ہو گئے تھے۔شہر میں امن وامان بگڑ کر تباہی کی طرف گامزن تھا۔تو اُس وقت کے وزیر داخلہ ذوالفقار مرزا نے ایک سیاسی تقریب میں الطاف حسین اور ان کے گورنر عشرت العباد خان جنہوں نے کراچی کی تاریخ میں سب سے زیادہ گورنر رہنے کا ریکارڈ توڑ رکھا تھا۔ان کے خلاف نازیبا کلمات کہہ کر سارے اُردو بولنے والوں کے جوش خطابت میں ایسے الفاظ استعمال کیئے کہ پورا سندھ سراپا احتجاج بن گیا۔چند گھنٹوں میں پورا کراچی ،حیدرآباد اس کی لپیٹ میں آ گئے پھر یہ کہہ دیا کہ سندھ میں نیا صوبہ ہمارے لاشوں پر بنے گا وغیر وغیرہ۔میڈیا نے اس کو بار بار دکھایا البتہ اس

خطرناک صورتحال کو متحدہ کے الطاف حسین کی دُور اندیشی کو سہراؤں گا کہ انہوں نے بروقت کو تمام لوگوں کو جذبات کو ٹھنڈا کرنے ،پر امن رہنے اور ہڑتال ،جلاؤ گھیراؤ بن کرنے کا حکم دیا۔اور شہر کو آگ اور خون کی ہولی کھیلنے والوں سے بچالیا تھا۔دوسری طرف سابق صدر پاکستان آصف علی زرداری نے بھی اپنے شعلہ بیان وزیر کو اسلام آباد طلب کر کے اس جلتے ہوئی آگ پر پانی کا چھڑکاؤ کیا تھا۔یوں جا کر امن وامان کی فضاء ہموار ہوئی اور کراچی کے عوام نے سُکھ کا سانس لیا۔

سیاسی صورتحال اگر چہ اس ملک میں گزشتہ 8 سالوں میں کافی بگڑ چکی ہے۔سیاسی گٹھ جوڑ اپنے عروج پر ہیں ۔ساتھ ساتھ پاکستان میں صوبے بڑھانے کی اکثر آوازیں ابھرتی رہتی ہیں ۔خصوصاً پنجاب میں سرائیکی صوبہ،پختون خواہ میں ہزارہ صوبہ اور سندھ میں کراچی صوبے کی آوازیں سنائی دیتی رہتی ہیں،قیام پاکستان سے لے کر آج تک اس ملک میں اتنے تجربات ہو چکے ہیں کہ جس کی مثال کسی اور ملک میں نہیں ملتی ۔مثلاً پہلی ہی پاکستان سمندروں میں بٹا ملک ملا ۔جس کو مشرقی پاکستان اور مغربی پاکستان کہتے تھے۔پھر ہمارے بوجھ بجھکڑ سیاستدانوں نے ان کے صوبوں کو الگ الگ ملا کر ون یونٹ بنا ڈالا ۔جس سے صرف 2 صوبے رہ گئے اس کے پیچھے کیا راز تھا آج تک صیغہ راز ہیں ۔پھر مارشل لاء لگا کر ایک دارلخلافہ ڈھاکہ بھی بنا ڈالا ۔دوسرا مارشل لاء لگا تو یحیی خان نے ون یونٹ توڑ کر دوبارہ مشرقی پاکستان اور مغربی پاکستان کے صوبے بحال کر دیئے الغرض یہ نظام بھی پاکستان کو راس

نہیں آیا اور انہی کی فوجی دور میں ملک ٹوٹ گیا۔اور صرف نیا پاکستان بن گیا۔اب اس کے 5صوبے تھے کہ نئے پاکستان میں کراچی صوبے کی آوازیں بلند ہوئیں ۔مرزا جواد بیگ اس کے روح رواں تھے مگر آوازیں دبادی گئی اور سارا مرکزی نظام اسلام آباد پہنچا دیا گیا مگر صوبوں کے بارے میں کچھ نہیں سوچا گیا کہ دنیا میں نئے صوبوں کا نظام کیوں لایا جاتا ہیں۔ ماضی میں ضیاء الحق نے اس پر تجربہ کیا تھا اور ایک کمیشن انصاری صاحب کے سربراہی میں تشکیل دیا تھا۔انصاری کمیشن نے اپنی رائے میں سفارش کی تھی کہ ہمارے ملک کو ڈویژن بنیاد پر اس کو صوبوں میں تبدیل کر دیا جائے ۔غالباً اُس وقت 18 ڈویژن ہوتے تھے۔ضیاء الحق اس پر آمادہ تھے اور وہ اعلان متوقع تھا کہ ان کا جہاز کا حادثہ اس منصوبے کو اپنے ہی ساتھ لے کر تباہ ہوگیا۔پھر سرائیکی صوبے والے غُل مچا کر خاموش ہوگئی کہتے کہ پنجاب والوں نے انہیں ابھرنے نہیں دیا۔آج سے چند سال قبل ہزارے صوبے کا بھی شور بلند ہوا۔ جو آج خانپور کی ڈیم میں ڈوبا ہوا ہیں۔پھر اچانک بلتستان کا صوبہ جس کا کوئی شور بھی نہیں ہوا تھا،اچانک صوبہ بنا کر بلتستان کے عوام کو حیران کیا راقم نے سوال کیا تھا کہ صوبے کیوں بنائے جاتے ہیں اور آج تک سوائے پاکستان کے ہر ملک میں نئے صوبے وجود میں آتے رہتے ہیں اور آتے رہینگے مثلاً قیام پاکستان کے وقت بھارت کے 13 صوبے تھے جو آج 28صوبے اور 7 یونٹ ہیں گویا 35صوبے ہوگئے ہیں کیونکہ گزشتہ 68 سالوں میں بھارت کی آبادی دُگنی ہوچکی ہے مگر صوبے 3 گنا بنائے گئے ہیں۔صوبے

بنانے میں عوام کی مشکلات کو حل کرنے کا عنصر سب سے نمایاں ہوتا ہے۔عوام کو جگہ جگہ دور دور جانے کے بجائے اپنے ہی علاقے میں ہر چیز میسر آجائے اور خصوصاً انتظامی معاملات بڑے بڑے شہروں میں گھمبیر ہوتے ہیں۔اس لئے شہروں کو صوبوں کا درجہ دے کر عوام کو مشکلات سے نکالا جاتا ہے۔مگر ہم ڈسٹرکٹ کی سطح تک تو مانتے ہیں ڈویژن بھی بڑھا دیتے ہیں مگر اور صوبوں کے نام سے ہم کو پاکستان ٹوٹتا یا کمزور نظر آتا ہے۔ ہمارے ہاں آبادی کے لحاظ سے ایک صوبہ پنجاب بہت بڑا ہے ،اتنا بڑا ہے کہ بقایا 3صوبوں کی آبادی سمٹ آتی ہے اور رقبے کے لحاظ سے بلوچستان پوری ملک سے بڑا اور آبادی کے لحاظ سے سب سے کم ہے۔اس طرح سندھ معاشی لحاظ 60فیصد مرکز کو ریونیو دیتا ہے جس میں صرف کراچی کا 95فیصد حصہ بنتا ہے۔ اور پورے سندھ کی آبادی کا صرف ایک تہائی ہوتا ہے اس فرق کو بقایا سندھ اپنا حصہ منوا کر کراچی پر حکمرانی کرتا ہے جس کی وجہ سے آج تک صوبہ سندھ کا وزیر اعلیٰ اُردو بولنے والوں کا نہیں آسکا۔اور ہمیشہ اندرون سندھ آبادی کی وجہ سے اس کے حصے میں آیا البتہ اس کا ازالہ گورنر سندھ بنا کر کر دیا جاتا ہے۔جس کی صرف آئینی حیثیت ہوتی ہے۔ جبکہ اس صوبے میں اردو بولنے والے .پنجابی بولنے والے .اور پشتو بولنے والے اکثریت میں ہیں۔صوبہ بلوچستان میں ہمیشہ بلوچ وزیر اعلیٰ ہوتا ہے۔مگر آبادی میں بلوچوں کا دوسرا نمبر آتا ہے دیگر زبانیں بولنے والے پشتون ،بروہی ،سندھی ،پنجابی سب مل کر اکثریت میں ہونے کے باوجود اپنا وزیر اعلیٰ نہیں بنوا سکتے ،یہی حال پنجاب میں سرائیکی علاقے

اپنے حقوق نہیں منوا سکے ۔پختون خواہ صوبے میں بھی اکثریت اب غیر پختونوں کی ہے۔مگر گورنر اور وزارت اعلیٰ صرف پختونوں کی حصے میں آتی ہے اور تمام انتظامی امور بھی انہیں کی دسترس میں ہیں ۔پورے ملک میں صوبے نہ بڑھانے سے ایک طرف لسانی امور پر ایک دوسرے کا ساتھ دیتے ہیں جس کی وجہ سے علاقائی تعصب پیدا ہوتا ہے۔اگر شہری آبادی کے لحاظ سے دیکھا جائے تو ایک شہر آبادی کے لحاظ سے اتنا بڑا ہو چکا ہے جتنا بڑا دنیا میں ایک ملک بھی نہیں ہے، پھر اس کے مسائل حل کرنے کے لئے انتظامی امور بیکار ہو چکے ہیں اس لئے تمام مفکرین بلا تعصب بیٹھ کر دنیا کے نقشوں پر نظر ڈالیں۔

افغانستان کی آبادی 3 کروڑ 60 لاکھ اور صوبے 34،ایران کی آبادی 6 کروڑ اور صوبے 34،اسلامی ملک انڈونیشیا کی آبادی 25 کروڑ اور 30 صوبے،امریکہ دنیا کا سب سے مضبوط ترین ملک جس کی آبادی 32 کروڑ اور 51 صوبے ہیں،معاشی لحاظ سے امیر ترین ملک سوئیزرلینڈ جس کی آبادی 65 لاکھ اس کے 26 صوبے ہیں،سنگاپور کی آبادی 50 لاکھ سے بھی کم ہیں اس کا صرف ایک شہر ہے جس کا نام سنگاپور ہے اس کے 63 جزیرے نما صوبے ہیں جو الگ الگ اور خود مختار ہیں جن کو ملا کر سنگاپور کہا جاتا ہے۔چائنا آبادی کے لحاظ سے پہلے نمبر پر ہے اس کی آبادی ڈیڑھ ارب ہیں اس کی بھی 34 صوبے ہیں۔الغرض دنیا کی 201 ممالک کی فہرست میں پاکستان دنیا کا واحد ملک ہے جس کی صرف 4 صوبے ہیں اور آبادی کے لحاظ سے وہ پانچویں اور مسلم ممالک میں دوسرے نمبر پر آتا ہے۔ہمارے ملک میں نئے صوبے کی

بات کرنے سے اس صوبے کے عوام کے جذبات بھڑک جاتے ہیں نہ جانے کب تک ہم اس سوچ میں ڈوبے رہینگے کہ صوبے بنانے سے پاکستان کمزور ہو جائے گا۔آج سب سے کمزور ملک پاکستان کو ہی سمجھا جاتا ہے۔مگر پوری دنیا اپنے عوام کے بھلائی کے خاطر اپنے ملک میں نئے صوبوں کی تشکیل کو خوش آئند قرار دیتی ہے اگر کسی کو یقین نہیں آتا تو وہ انٹرنیٹ پر جا کر (world Statistics پر جا کر Papulatoin Statistics) سے استفادہ کر سکتا ہے میں نے صرف چند ممالک کے حوالے دیئے ہیں اس پر میں نے 5 سال قبل 300 صفحات پر مشتمل ایک کتاب بھی (صوبے کیوں ضروری ہیں) کے نام سے بھی لکھی ہے اس میں 200 ممالک کی پوری تفصیل موجود ہے۔شروع شروع میں متحدہ کے سابق سربراہ الطاف حسین نے اس کی حمایت میں آواز بھی بلند کی مگر سندھ بیوروکریسی نے لسانی ہوا بنا کر اُس کو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے دبا دیا ہے اب ہر صوبے میں اس کی اقلیت حکمرانی کر رہی ہے دیکھتے ہیں کب تک یہ حکومت کرتی ہیں؟

پیش لفظ

قارئین کرام

السلام علیکم!

اس سے قبل میری 8 کتابیں جن میں شگوفہ نو، حالات واقعات، گردش ایام ،کاش میں سیاست میں نہ آتا ،یادِ رفتہ، صوبے کیوں ضروری ہیں ، نرم گرم اور میرے سیاسی تجزیئے تصنیف پذیر ہو چکی ہیں ۔ان کتابوں میں تقریباً ہر قسم کے مضامین زیر بحث آچکے ہیں جو جنگ اخبار میں چھپنے والے کالموں پر مشتمل تھے تقریباً 25 سالوں پر محیط تھے جن کو عوام ہر طبقے میں بہت پذیرائی ملی جن کتابوں کو بین الاقوامی طور پر بہت سراہا گیا ۔اس میں میری آپ بیتی یادِ رفتہ، کاش میں سیاست میں نہ آتا اور صوبے کیوں ضروری ہیں شامل تھی ۔ یہاں خصوصی طور پر جن کالموں پر میں نے زور دیا تھا اُن میں پاکستان سے محبت ،عوام کی مشکلات کا خاتمہ ،سیاست دانوں اور بیوروکریٹس کی لوٹ کھسوٹ ، کرپشن ،ایک دوسرے کا گٹھ جوڑ، حج اور عمرہ پر اٹھنے والے بے جا اضافی اخراجات اور غیر ضروری پابندیاں ، پاکستان کی کرکٹ اور اس میں اقربا پروری کے ساتھ ساتھ جواء میں ملوث کھلاڑیوں کو بے نقاب کرنا ،پوری دنیا میں سیر و تفریح کے مواقع ان پر اٹھنے والے

اخراجات پر تفصیلی جائزے ، صحت پر مشتمل سائنسی ترقی سے قوم کو آگاہ کرنا ۔دنیا میں بہت سے عجوبات ،ذاتی تجربے ، سرد اور گرم بدلتے ہوئے موسموں کا احوال دیگر قوموں کی ترقی کے اسباب افغان ، پاکستان کی جنگیں ، پڑوسی ممالک خصوصاً بھارت سے ہمارے تعلقات امریکہ کی خارجہ پالیسی پاکستان کے ساتھ ناروا برتاؤ ،الغرض جو بھی مشاہدات دیکھنے میں آئے بلا کسی خوف عوام کو آگاہ کر دیا ۔گزشتہ 25 سال میں سائنس میں جو ترقی پوری دنیا میں ہوئی اکثر یوٹیوب ، یاہو، گوگل، دنیا بھر کے سائنسی جنرلز کتابیں ،مضامین جو میرے پڑھنے سننے اور دیکھنے میں آئے قوم کی معلومات میں اضافہ کرتا رہا ، اب میری 9 ویں کاوش "سیاسی داؤ پیچ " حاضر ہے ۔اس میں میرے وہ کالم جو روزنامہ جنگ میں چھپے ہیں اور جو نہیں چھپے وہ بھی موجود ہیں ۔امید ہے آپ کو بھی پسند آئے گی

خیر اندیش

خلیل احمد نینی تال والا